Date

صاحبزادہ محمد محبُّ اللہ نوری
بصیر پور

Abbas

۲۶-۰۶-۲-۰۶

برکاتِ صیام

س = کیا نماز عشاء کے بعد دو سنتیں اور دو نفل ملا کر ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے۔
(مولانا محمد حنیف نوری پاکستان)

ج = ہاں بلا شبہ جائز ہے۔ نہ صرف جائز بلکہ احناف کے نزدیک مستحب و اولیٰ ہے۔ علاوہ ازیں نماز ظہر کے بعد چار رکعتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ مسند ابی داؤد میں شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ فقالت ما صلی العشاء قط فدخل بیتی الا صلی فیہ اربع رکعات (الحدیث)

سنن ترمذی میں ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی قبل الظہر اربعا وبعدھا اربعا حرمہ اللہ تعالیٰ علی النار۔ تو نماز ظہر اور نماز عشاء کے بعد دو رکعت کے بجائے چار رکعتیں پڑھنا افضل و اولیٰ ہے۔ اور یہ چار رکعتیں علیحدہ علیحدہ دو دو رکعت کر کے بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے امام اعظم کے نزدیک دن اور رات کی نماز نافلہ میں افضل یہی ہے کہ ایک ہی تکبیر تحریمہ اور ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعتیں ملا کر پڑھی جائیں۔ منیۃ المصلی صفحہ ۳۹۰ میں ہے۔ ثم الافضل فی صلوۃ اللیل والنہار اربع بتحریمۃ واحدۃ عندہ۔ ہدایہ مع فتح القدیر صفحہ ۳۲/120 میں ہے۔ و(الافضل) عند ابی حنیفۃ فیھما اربع اربع یعنی رات ہو یا دن امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک افضل یہی ہے کہ چار چار رکعتیں کر کے نماز نافلہ ادا کی جائے۔ امام علامہ شیخ ابن الہمام رح نے اس مقام پر فتح القدیر میں اور علامۃ الدہر شیخ وصی احمد محدث سورتی رح نے منیہ کی شرح میں بڑے شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

سیدی فقیہ اعظم پاکستان نے راقم کو ایک سے زائد بار فرمایا کہ ظہر و عشاء کے بعد کی چار رکعتیں ملا کر پڑھا کرو۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ پتہ نہیں لوگ کیوں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر ثواب کم کر لیتے ہیں۔ تو روز روشن کی طرح واضح ہو کہ ظہر و عشاء کے بعد کی چار رکعتیں ملا کر پڑھنا جائز و افضل و احب ہے۔

واللہ الموفق للصواب وھو الھادی والیہ المآب

(محمد اسد اللہ نوری مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

صفحہ نمبر ۔ 205 = نور الحبیب 47/34 ماہنامہ اکتوبر 1991ء جلد 3
شمارہ 8 - ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

جماعت ثانیہ

جماعت ثانیہ کب درست اور جائز ہوتی ہے۔

مسجد دو قسم ہے۔ ایک مسجد عام۔ جیسے مسجد جامع یا اسٹیشن یا بازار کی مسجد۔ دوسری مسجد محلہ سے اختصاص ہو اگرچہ دوسرے لوگ بھی متفرق اوقات میں شریک ہو جایا کریں۔ مسجد عام میں ہر گروہ جو بھی آتا جائے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے۔ سب جماعتیں جماعت اولیٰ ہوں گی کما فی فتاویٰ فقیہ النفس وفتاویٰ رضویہ۔ اور اگر مسجد محلہ میں بھی اگر پہلی جماعت کسی غلط خواں یا بدمذہب یا مخالف مذہب نے کی یا بے اذان دئیے ہوگی۔ یا اذان آہستہ دی گئی دوسری جماعت مطلقاً جائز وہ مطلوب ہے۔ اور اگر ایسا نہیں بلکہ اہل محلہ موافق المذہب سنی صالح صحیح خواں امام کے پیچھے باعلان اذان کہہ کر پڑھ گئے۔ اب باقی ماندہ آئے تو انہیں دوبارہ اذان کہہ کے جماعت کرنی مکروہ تحریمی ہے۔ اور بے اذان محراب جماعت اولیٰ میں جماعت کرنی مکروہ تنزیہی اور اگر محراب بدل دیں تو اصلاً کراہت نہیں۔ مسئلہ کی تفصیل تمام فتاویٰ رضویہ صفحہ ۳۷۸-۷۹ / ۳ ۲۰ ص ۱۳۲۰ / ۳ ۲۰ ص ۲۳۱ / ۳ ۲۰ اور الملفوظ الرابعہ میں مفصلاً مرقوم ہے

ماہنامہ نور الحبیب نومبر 1991 (2-3) شمارہ 9 صفحہ 45

عبداللہ بن عباس کے جوابات

علامہ جلال الدین سیوطی ؒ اپنی کتاب الکنز المدفون میں لکھتے ہیں کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ کو خط لکھا جس میں ان سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مانگے

1۔ وہ ایک کون ہے جس کا کوئی دوسرا نہیں ؟

2۔ وہ دو کون ہیں جن کا تیسرا نہیں ہے کوئی ؟

3۔ وہ تین کون ہیں جن کا کوئی چوتھا نہیں ؟

4۔ وہ چار کون ہیں جن کا کوئی پانچواں نہیں ؟

5۔ وہ پانچ کون ہیں جن کا چھٹا کوئی نہیں ؟

6۔ وہ چھ کون ہیں جن کا کوئی ساتواں نہیں ؟

7۔ وہ سات کون ہیں جن کا کوئی آٹھواں نہیں ؟

8۔ وہ آٹھ کون ہیں جن کا کوئی نواں نہیں ؟

9۔ وہ نو کون ہیں جن کا کوئی دسواں نہیں ؟

10۔ وہ دس کون ہیں جن کا کوئی گیارواں نہیں ؟

11۔ وہ گیارہ کون ہیں جن کا کوئی بارھواں نہیں ؟

12۔ وہ بارہ کون ہیں جن کا کوئی تیرواں نہیں ؟

13۔ وہ تیرہ کون ہیں جن کا کوئی چودھواں نہیں ؟

14۔ اللہ تعالیٰ کو کون سا کلمہ پسند ہے ؟

15۔ زمین کا وہ کونسا ٹکڑا ہے۔ جسے سورج نے صرف ایک بار دیکھا ہے ؟

16۔ وہ کون سی چیز ہے۔ جس کا گوشت، خون اور روح نہیں ہے مگر سانس لیتی ہے ؟

17۔ وہ کونسے نبی صالح ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جیسا کام کرنے سے منع فرمایا ہے ؟

18۔ وہ کون سی چیز ہے۔ جس کا کچھ حصہ حلال ہے اور باقی حرام ہے ؟

19۔ وہ کون ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معبوث فرمایا۔ لیکن نہ وہ انسان ہے نہ جن اور نہ ہی فرشتہ ؟

20۔ وہ کونسا جانور ہے جس نے خود مر کر دوسرے کو زندہ کیا ؟

21۔ وہ کونسی جگہ ہے۔ جس کا کوئی قبلہ نہیں ؟

22۔ وہ کونسا وجود ہے۔ جو دوسرے وجود سے نکلا لیکن دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے

23 - وہ دو کون ہیں جنہوں نے ایک بار ایک ہی کلمہ کہا پھر قیامت تک کیلئے خاموش ہو گئے ؟

24 - وہ جماعت کون ہے جنہوں نے حق کی شہادت دی حالانکہ وہ سب جھوٹے ہیں ؟

25 - وہ کون ہیں - جنہوں نے حق کی شہادت دی تو خود بھی جہنمی ہو گئے اور وہ بھی جن کے خلاف گواہی دی جہنم میں جائیں گے ؟

26 - زمین پر جنت کی کون سی چیز ہے ؟

27 - وہ کونسا عمل ہے جس کا کرنا بھی جائز نہیں اور نہ کرنا بھی جائز نہیں ؟

28 - وہ دو شکار کون سے ہیں جنہیں ایک ہی شخص نے شکار کیا لیکن اس کے لیئے ان میں سے ایک جائز ہے - اور دوسرا نا جائز ؟

29 - وہ کون ہے جو ایک سو سال مردہ رہنے کے بعد زندہ ہوا ؟

30 - وہ عورت کون ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ؟

31 - وہ کونسی قبر ہے جو صاحب قبر کو ساتھ لیئے پھرتی رہی ؟

32 - وہ پانچ کون ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے رہے لیکن پیدا نہیں ہوئے ؟

33 - وہ ماں کون سی ہے جس نے بچہ نہیں جنا ؟

34 - وہ پانی کونسا ہے جو نہ آسمان سے نازل ہوا اور نہ زمین سے اُبلا ؟

35 - ماں کونسی ہے وہ جو پیدا نہیں کی گئی ؟

حضرت معاویہ رض کو ہرقل کا مکتوب ملا - تو انہوں نے رأس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رض کی خدمت میں یہ سوال نامہ پیش فرمایا اور انہوں نے اس کے درج ذیل جوابات مرحمت فرمائے :

1 - وہ ایک جس کا دوسرا نہیں کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے -

2 - وہ دو جن کا کوئی تیسرا نہیں دن اور رات -

3 - وہ تین جن کا کوئی چوتھا نہیں تین طلاقیں ہیں -

4 - وہ چار جن کا کوئی پانچواں نہیں چار آسمانی کتابیں ہیں -

5 - وہ پانچ جن کا کوئی چھٹا نہیں - پانچ نمازیں ہیں -

6 - وہ چھ جن کا کوئی ساتواں نہیں وہ چھ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بنائے

7 - وہ سات جن کا کوئی آٹھواں نہیں ہفتہ کے سات دن ہیں -

8 - وہ آٹھ جن کا کوئی نواں نہیں - قیامت کے دن عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہیں -

9- وہ نو جن کا کوئی دسواں نہیں قوم ثمود کے نو فسادی ہیں جنہوں نے حضرت صالح ؑ کے خلاف ایکا کر لیا تھا۔

10۔ وہ دس جن کا کوئی گیارہواں نہیں وہ دس راتیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے سورۃ فجر کی ابتداء میں قسم کھائی ہے۔

11۔ وہ گیارہ جن کا کوئی بارہواں نہیں حضرت یوسف ؑ کے بھائی ہیں۔

12۔ وہ بارہ جن کا کوئی تیرہواں نہیں سال کے بارہ مہینے ہیں۔

13۔ وہ تیرہ جن کا کوئی چودہواں نہیں حضرت یوسف ؑ کے گیارہ بھائی اور ماں باپ ہیں۔

14۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے پسندیدہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

15۔ وہ زمین کا ٹکڑا جسے سورج نے صرف ایک بار دیکھا دریا کا وہ حصہ جس سے حضرت موسیٰ ؑ اور ان کی قوم کے گزرنے کیلئے پانی نے رستہ دیا۔

16۔ وہ نفس جو سانس لیتا ہے۔ لیکن اس کا خون، گوشت اور روح نہیں ہے صبح ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ

17۔ وہ نبی صالح جن جیسے کام سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو منع فرمایا، حضرت یونس ؑ ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ

18۔ وہ چیز جس کا کچھ حصہ حلال ہے۔ اور باقی حرام ہے وہ نہر ہے جس سے حضرت طالوت ؑ کا لشکر گزرا اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ اس نہر سے چلو بھر پانی پی سکتے ہو اس سے زیادہ نہیں۔

19۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہو جو نہ انسان ہے۔ نہ جن نہ فرشتہ وہ کوا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا کہ آدم ؑ کے بیٹے قابیل کو مقتول بھائی ہابیل کے دفن کرنے کا طریقہ بتایا

20۔ وہ جانور جس نے خود مر کر دوسرے کو زندہ کیا۔ وہ گائے ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ ؑ نے ذبح کروا کے اس کے جسم کا ایک ٹکڑا ایک مقتول کو مارا اور اس مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتلوں کے نام بتائے

21۔ وہ جگہ جس کا کوئی قبلہ نہیں بیت اللہ کی چھت ہے۔

22۔ وہ نفس جو دوسرے نفس سے نکلا مگر دونوں میں مناسبت نہیں حضرت یونس ؑ ہیں جو مچھلی کے پیٹ سے نکلے۔

23۔ وہ دو جنہوں نے صرف ایک بار ایک جملہ کہا۔ اور پھر قیامت تک کیلئے خاموش ہو گئے

Date:

زمین و آسمان جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے جواب میں کہا اَتَیْنَا طَآئِعِیْن ـــــ

24 ۔ وہ لوگ جنہوں نے حق کی گواہی دی لیکن جھوٹے ہیں ۔ وہ منافقین ہیں جن کا ذکر سورۃ المنافقون میں اس طرح ہے ۔ کہ جب آپؐ کے پاس منافقین آئے اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں ۔ کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں ۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ۔ کہ آپؐ اس کے رسول ہیں ۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے ۔ کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ۔

25 ۔ وہ گواہ جن کی گواہی سچی ہے مگر خود بھی دوزخ میں جائیں گے ۔ اور جن کے بارے میں گواہی دیں گے وہ بھی دوزخ میں جائیں گے مجرموں کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں ہیں جو قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دیں گے ۔

26 ۔ زمین پر جنت کی چیز حجرِ اسود ہے ۔

27 ۔ وہ عمل جن کا کرنا بھی ناجائز اور نہ کرنا بھی ناجائز نشہ کی حالت میں نماز ہے ۔

28 ۔ ایک ہی شخص کیلئے دو شکار جن میں سے ایک شکاری کیلئے حلال اور دوسرا حرام ہے ۔ وہ دو شکار یہ ہیں کہ احرام باندھے ہوئے شخص نے ایک دریائی جانور اور ایک خشکی کا جانور شکار کیا ۔ دریائی جانور اس کے لیئے جائز اور خشکی والا ناجائز ہے ۔

29 ۔ ایک سو سال تک مردہ رہنے کے بعد زندہ ہونے والے حضرت عزیرؑ ہیں ۔

30 ۔ وہ عورت جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی حضرت موسیٰؑ کی والدہ ہیں ۔

31 ۔ جو قبر صاحب قبر کو لے کر پھرتی رہی مچھلی ہے جو حضرت یونسؑ کو پیٹ میں لیئے پھرتی رہی ۔

32 ۔ وہ پانچ جو پیدا نہ ہونے کے باوجود زمین پر چلتے پھرتے رہے یہ ہیں ۔ (1) آدمؑ (2) حواؑ ۔ (3) صالحؑ کی اونٹنی (4) موسیٰؑ کا عصا (5) اسماعیل کا مینڈھا ۔

33 ۔ وہ ماں جس نے کوئی بچہ نہیں جنا ہے ۔ مکہ مکرمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ فرمایا ہے

34 ۔ وہ پانی جو نہ آسمان سے نازل ہوا ہے نہ زمین سے اُبلا ہے ۔ وہ پانی ہے جو حضرت محمدؐ کی انگلیوں سے بطور معجزہ جاری ہوا ۔

35 ۔ وہ ماں جو خود پیدا نہ ہوئی حضرت حوا علیہ السلام ہیں ۔

جلد 11 صفحہ 139

ماہنامہ نورالحبیب رجب المرجب شعبان 1420ھ اکتوبر نومبر 1999ء شمارہ 10، 11

Abbas
5.11.03

برکاتِ رمضان

علامہ ارشد القادری

اے بادہ کشانِ جامِ غفلت! مژدہ باد کہ سلطانِ رحمت کی بارگاہ کے دروازے کھل گئے اب صرف ایک حرفِ ندامت ایک عذرِ شرمسار اور بھیگی پلکوں کا صرف ایک چھلکتا ہوا قطرہ دل کی طہارت کیلئے کافی ہے۔

اے گیتی کے روسیاہ مدہوشو۔ آؤ چشمۂ نور میں غوطہ لگا لو۔ جو تمہاری نظر کے فشانے پر بہہ رہا ہے۔ گیارہ ماہ کے بعد برسات کا یہ سہانا موسم اسی لئے آیا ہے۔ کہ تمہارے چہرے کا غبار دھل جائے اور رحمت و نور کی موسلادھار بارش میں تمہارا دامنِ زندگی نکھر جائے۔

اے خفتگانِ شبِ ملامت! دنیا کی بڑی بڑی امید گاہوں سے تم نے لو لگا کر دیکھ لیا فرصت ہو تو پل بھر کیلئے حافظے پر زور دے کر یاد کرو۔ کہ تم نے مادی اقتدار کی چوکھٹوں پر اپنی کتنی فریادیں ضائع کر دی ہیں؟ وقت کے روٹھے ہوئے وعدوں کو منانے کیلئے تمہیں کتنی بار اپنی سطحِ مرتفع سے نیچے اترنا پڑا ہے؟ لیکن صحیح بتاؤ کہ ان ساری منتوں، سماجتوں اور خوشامدوں کے بعد ذلتوں کی شکست اور نامرادیوں کی ٹھوکر کے سوا بھی کوئی چیز تمہارے ہاتھ آئی۔ پیہم فریب کی چوکھٹ کھانے کے بعد اب تو پلٹ آؤ اس رحمتِ حق کی طرف جس نے اپنے امیدواروں کو کبھی مایوس نہیں کیا ہے۔ اور جو پلکوں کا آنسو دامن میں جذب ہونے سے پہلے اپنے فریادی کی پکار سن لیتا ہے۔

رمضان کا یہ مبارک مہینہ جو ہمارے سروں سے گزر رہا ہے۔ یہ مایوس چہروں کے نکھرنے کا بہترین موسم ہے۔ قدم قدم پر رحمت و غفران کی جو نہریں بہہ رہی ہیں۔ اب بھی اگر ہم نے اپنی روح کی تشنگی نہیں مٹائی تو اس کے بعد پھر کوئی ایسا دل نواز موسم نہیں آئیگا رمضان کی رحمت بھری راتوں میں گھائل فریادیوں کی طرح ہمیں اپنے رب کے حضور پھوٹ پھوٹ کر رونا ہے۔ بلک بلک کر تڑپنا ہے۔ غفلتوں کی گہری نیند میں ہم نے جتنی خطائیں کی ہیں ساری عمر کا رونا بھی اس کے لئے ناکافی ہے۔ ایک بندۂ مومن کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ کہ رمضان کے مہینے میں بے اندازہ رو کر کافر و مسلم کے درمیان امتیاز کی ظاہری دیوار کو مسمار کر دے۔ خدائے قدیر ہمیں اس مہینے کی برکتوں سے مالا مال کر دے اور ہمیں ظاہر و باطن اور قلب و روح کی توانائیاں عطا فرمائے۔

(رحمتوں کی بارش) (علامہ شبیر حسین نیازی)

رمضان المبارک کی یہ سہانی ساعتیں یہ دل کش سویرا یہ نشاط انگیز شام اور روحانی کیفیت کا

یہ حسین موسم خدائے قدیر کی عظمت و برتری کا ایسا کھلا ہوا ثبوت ہے ۔ عالم اسلام کے قریباً ایک
ارب افراد بھی متحد ہو کر ایثار نفس اور جذبات کے اخلاص کا جو ماحول پیدا نہیں کر سکتے تھے ۔
پلک جھپکتے وہ عالم گیر انقلاب فرمان خداوندی کی صرف ایک آیت کے بل پر عالم وجود میں آگیا۔ جس
آیت کی شوکت اقتدار کے آگے روئے زمین کے فرزندان توحید کی گردنیں خم ہو گئی ہیں ۔ وہ یہ
ہے ۔

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام ـــــ البقرہ 183 ۔ اے ایمان والو تم پر روزے
فرض کیے گئے جیسے ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں ۔ تاکہ تم تقویٰ کے فضائل
سے آراستہ ہو جاؤ ـــــ مطالب کی تفہیم کے سلسلے میں اس آیت مقدسہ کو چار حصوں
میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ (1) خطاب (2) حکم (3) وضاحت حکم ۔ (4) مقصود
اب ذیل میں ہر ایک کی الگ الگ تشریح ملاحظہ فرمائیں ۔

(1) خطاب : قرآن حکیم میں خطاب الٰہی کا عام انداز یہ ہے کہ تخاطب کے الفاظ سے
حکم کی سرزمین ہموار کر دی جاتی ہے ۔ اس آیت کریمہ میں عام بندوں سے خطاب نہیں ہے
بلکہ ان بندوں سے خطاب ہے ۔ جو حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ معاہدہ کر چکے ہیں ۔ کہ
ہماری زندگی کا ہر لمحہ تابع فرمان الٰہی ہے ۔ اپنی زندگی کا جو نقشہ ترتیب دینے میں ہم آزاد تھے
ہیں ۔ ہماری مستوحات کردار و گفتار افکار و خیالات اعتقاد و جوارح سب کے سب
ایک دائمی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ۔ یہ زنجیریں اسی وقت ٹوٹ سکتی ہیں ۔ جب
بغاوت کر کے کوئی اپنے ہی کیے ہوئے معاہدے سے پھر جائے ۔

خدائے وفادار بندوں کو تعمیل حکم پر گوش برآواز کر دینے کیلئے یہ انداز خطاب ہی بہت کافی ہے ۔
گیتی پر رینگنے والے انسان کی اس سے بڑھ کر اور کیا معراج ہو سکتی ہے ۔ کہ خود شہنشاہ کائنات اپنی
ان گنت مخلوق میں سے صرف اہل ایمان کو مخاطب فرما رہا ہے ۔ دلوں میں جلالت شان کا کچھ بھی احساس
پیدا ہو جائے تو اس اکرام خسروانہ پر اہل ایمان کو جھوم اٹھنا چاہیئے ۔ اب اس انداز خطاب کے بعد حکم
سے منہ پھیرنے کا کھلا مطلب یہ ہے ۔ کہ عملاً ہم اپنے آپ کو اہل ایمان کے اس زمرہ سے ثابت نہیں
کر رہے ہیں ۔ جن سے اس آیت میں خطاب کیا گیا ہے ۔ معاذاللہ ہمارے ایمان کی سلامتی کے لئے
یہ کتنی خطرناک صورت ہے ۔ ذرا گہرائی میں اتر کر مسلمانوں کو اس نکتے پر غور کرنا چاہیئے ۔

(2) حکم ۔ خوشنودی الٰہی کی نیت سے ایک خاص وقت تک کھانے پینے اور شہوات نفس
سے رُک جانے کا نام روزہ ہے ۔ اس آیت کریمہ میں اسی کا حکم دیا گیا ہے ۔ روزہ کے

تفصیلی احکام اور اس کے فضائل احادیث و فقہ کی کتابوں سے معلوم کئے جا سکتے ہیں ۔ اس وقت مجھے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام کے سارے فرائض میں روزے کی اہمیت کیا ہے ؟

آپ ذرا بھی غور فرمائیں گے تو واضح طور پر محسوس ہو جائے گا کہ روزے کا تعلق سر تا پا بندۂ مومن کے جذبہ اخلاص سے ہے ۔ یہاں نمائش اور غیر کی توجہ حاصل کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب کہ نماز، حج اور زکوٰۃ کی تعمیل میں اپنی عبادت کی نمائش اور مذہبی تقدس کے اظہار کا جذبہ شامل کیا جا سکتا ہے ۔ برخلاف اس کے جو شخص دن بھر بھوکا پیاسا رہ کر جنسی خواہشات اور معاصی سے اجتناب کرکے روزہ رکھتا ہے تو اس کے یہ مخفی حالات دنیا والے نہیں جان سکتے ۔ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ میرا بندہ میری خوشنودی کیلئے کن حالات سے گزر رہا ہے ۔ ایک روزہ دار کو دن بھر کئی مواقع ملتے ہیں کہ وہ دوسروں کی نظر سے چھپ کر کوئی چیز کھا پی لے اور شام کے وقت روزہ داروں کی صف میں بھی آکر بیٹھ جائے ۔ لیکن ہزار پیاس اور بھوک کی شدت کے باوجود وہ ایسا نہیں کرتا کیوں کہ روزے کی حالت میں وہ انتہائی جذبہ اخلاص کے ساتھ صرف خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے۔

(3) وضاحتِ حکم ۔ بغیر یہ بتائے ہوئے بھی کہ ہم سے پہلی امتوں پر روزہ فرض تھا۔ حکم ممکن تھا لیکن قربان جائیں اس شانِ رحمت و حکمت کے کہ روزے کا حکم دیتے وقت یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ حکم صرف تمہارے اوپر ہی نافذ نہیں کیا گیا ۔ بلکہ تم سے پہلے بھی جو امتیں گزری ہیں یہ ان پر بھی عائد کیا گیا تھا کیوں کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ اپنی جیسی تکلیف میں دوسروں کو بھی مبتلا دیکھتا ہے ۔ تو اسے صبر آجاتا ہے ۔ اور اپنی تکلیف کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر خدائے حکیم نے یہ وضاحت صرف اس لئے فرمائی کہ محبوب کی امت بشاشتِ قلب اور نشاطِ دل کے ساتھ روزہ کی مشقت سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اپنے آپ کو تیار کرلے۔

(4) مقصود ۔ کسی کام کی اہمیت مقصد کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے ۔ روزے کا مقصود تقویٰ قرار دیا گیا ہے ۔ یہ مقصود اتنا عظیم الشان ہے کہ اسے سارے محاسن کی جان کہہ سکتے ہیں ۔ دراصل تقویٰ ہی انسانی شرافت کا بنیادی پتھر ہے ۔ مومن کی سعادتوں اور معنوی طاقتوں کا سرچشمہ ہے ۔ جو کبھی نہیں سوکھتا۔ اس کا دوسرا نام تقویٰ ہے ۔ یہی تقویٰ آج ہماری زندگی کی سطح پر نہیں ابھر رہا ہے تو ہم دنیا میں بے نام و نشان ہو کر رہ گئے ہیں ۔ اسی تقوے کے بل بوتے پر کبھی ہماری ہیبت سے سارا جہان کانپتا تھا مگر آج اندر سے تقویٰ کی روح نکل گئی ہے ۔ تو ہم خود لرزہ براندام ہیں ۔ روزے کا یہ موسم اسی لئے ہر سال آتا ہے کہ ہمارے وجود کو معنوی لطافتوں سے مسلح کر دے ۔ لیکن آج بزدل مظلوم اور آشفتہ حال مسلمان روزے کی اہمیت محسوس کر کے

اس کا خیر مقدم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ مہینہ رمضان رحمتوں سے لبریز ہے۔

شان رمضان

(مولانا ابو النور محمد حفیظ نوری)

ماہ رمضان خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے ہاں رفیع الشان مہمان کی صورت میں جلوہ فشاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات کی نوید سناتا ہوا مغفرت کا سبب بنتا ہے۔ اس کے آنے کے موجب روح مومن سرشار و مخمور ہو جاتی ہے۔ اور شب و روز رحمت حق کی نورانی برسات ہوتی ہے۔ اللہ رحیم و کریم کے رحم و کرم کے سدا بہار تازہ پھول کھلتے ہیں۔ اور ذکر و عبادت الٰہی کے نئے نئے دور چلتے ہیں۔ شوق و وصل کے بے پایاں سوتے پھوٹتے ہیں۔ طالبان مولیٰ حقیقی اور مشتاقان محبوب لم یزل کے گنجہائے معرفت لوٹتے ہیں۔ اور شربت دیدار پیتے ہیں۔ پھر نماز تراویح سے اس مہمان مکرم کی ضیافت کر کے قدر و منزلت پاتے ہیں۔ اور اس بادشاہ حقیقی کی بارگاہ قدس جاہ سے انعام و اکرام کے حق دار بن کر قرب خداوندی کے مقام پر مسند نشین ہو جاتے ہیں۔

؎ کوئی طالب ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں۔ چاہنے والوں کو دنیا ہی نئی دیتے ہیں۔

خلوت کی طرف سے جو ماہ رمضان کا اعزاز و استقبال ہوتا ہے نہایت ہی روح پرور ہے۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن بقرہ 185۔

کسی کے ہاں نہایت معزز و محترم شاہی مہمان آ جائے تو میزبان اس عالیشان مہمان کی پورے شوق سے ضیافت کرتا ہے۔ اور ہمہ وقت اس کی خدمت بابرکت میں حاضر و موجود رہتا ہے اور اس کی خاطر و مدارات میں کسی قسم کی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کی رضا و خوشنودی کو اپنا سرمایہ حیات جان کر ہر طرح مدد کرتا ہے۔ اور اس کا ہر چھوٹا بڑا ناز و نخرہ اٹھانے کی سعادت سمجھتا ہے تو اس پر یہ مہمان صاحب شان کے خوش ہونے کے باعث بادشاہ اپنے مہمان کے میزبان پر انعام و اکرام کی بارش کر دیتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اسے اپنے قرب میں مسند محبت پر بٹھا کر سب سے ممتاز کر کے قابل رشک بنا دیتا ہے۔

؎ جنت سنور رہی ہے رمضان کیلئے رحمت اتر رہی ہے قرآن کیلئے
کیا بندھ گیا ہے سماں مومن کی شان کا صدقہ علی ہوا ہمیں شاہ زماں کا

رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ دسمبر ۱۹۹۹ء شمارہ 12 جلد 11

فلسفۂ روزہ

راجہ رشید محمود لاہور

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کائناتِ انسانیت کیلئے جو آخری پیغام لائے وہ کامل و اکمل ہے۔ اس میں کسی جہت سے کوئی خلا نہیں، کوئی کمزوری نہیں۔ کہیں اور دوسرے سے امداد کی حاجت نہیں، اس کی ضرورت نہیں کہ عبادت اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرنے کے بعد زندگی کے کسی اور پہلو میں کسی اور نظام سے دریوزہ گری کی حاجت ہو اسلام مذہب نہیں۔ دین ہے۔ دین کامل اس کا کوئی شعبۂ حیات دوسرے شعبوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا نظام عبادات صرف عبادات ہی سے متعلق نہیں معاشرت سے معیشت سے، حکومت سے اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے مربوط و منسلک ہے۔ اور اسی طرح اسلام کی برکات سے درست طور پر متمتع ہوا جا سکتا ہے۔ عبادات میں غور کریں تو نماز جہاں انسان کو برائیوں سے بچاتی ہے، خدا سے ڈرنا سکھاتی ہے۔ نعمت کی تحدیث اور اس پر شکر ادا کرنے کا درس دیتی ہے وہاں اتحاد اور تنظیم پیدا کرتی ہے۔ مؤدت و مروّت کو بڑھاتی ہے۔ مساوات کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ یہاں کوئی امیر نہیں کوئی غریب نہیں۔ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔ یہاں کوئی کسی سے نفرت نہیں کرتا۔ یہاں کالے اور گورے کی کوئی تمیز نہیں۔ ایک کالا بھجنگ شخص ایک حسین ترین انسان کے پہلو میں کھڑا ہے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کی دعائیں کر رہے ہیں۔ ایک لنگڑا لولا یا مریض کسی تندرست کے کندھے سے کندھا ملائے ہے اور ان میں کوئی بُعد نہیں۔ ایک دوسرے سے احساسِ نفرت و حقارت نہیں۔

زکوٰۃ دلوں سے دنیاوی لالچ کو مٹاتی ہے۔ خدا کی راہ میں مال و دولت کی قربانی کی اہمیت سکھاتی ہے۔ خلقِ خدا سے محبت اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونا سکھاتی ہے۔ اس عبادت سے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ انسان جائز اور حلال ذرائع سے محنت، شفقت کے ذریعے جو کمائی کرتا ہے اس میں بھی خدا کے احکام کے مطابق غریبوں، ناداروں اور مستحقین کے لئے حصہ نکالتا ہے۔ اس طرح روزے کی غرض و غایت تزکیۂ نفس ہے انسان اپنی نفسانی خواہشات دلپسند باتوں، دنیاوی لذتوں حتیٰ کہ بنیادی انسانی ضرورتوں کو خداوند کریم کی محبت اور اس کے حکم کے مطابق چھوڑ دیتا ہے۔ حرام سے قطعی اجتناب کرتا ہے۔ خدا اور رسول کے احکام کے پیشِ نظر اپنے عیش و آرام کو تج دینا کم اہم بات نہیں ہے۔ [illegible]

انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو برباد کر رکھا ہے ہم دولت، آرام عیش و راحت ارزل خواہشمند اور دنیا لذتوں کے حصول کی تگ و دو میں دیوانے ہوتے جا رہے ہیں۔ جب انسان فردی حیثیت سے اور قومیں اجتماعی طور پر حرص و ہوا کی شکار ہوتی ہیں۔ تو دنیا میں افراتفری، انتشار اور دشمنیاں جنم لیتی ہیں۔ جھگڑے اور فساد پھیلتے ہیں انسان آپس میں اور قومیں ایک دوسرے کے ساتھ خلوص کے رشتے توڑ دیتی ہیں۔ اور نفاق کے بیج پھل پودے اُگا دیتے ہیں۔ روزہ انسان کو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں کے حرص و ہوا کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد حرص و ہوا کے احساس تک کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ میں حیث المجموع انسانیت ہی کو اس حیثیت سے نجات دلانے کیلئے اللہ کریم نے سب قوموں پر روزے فرض کیے یہ کرم صرف اُمت مسلمہ ہی پر نہیں ہوا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔ جیسے تم سے پہلے تھے امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ آدمی دنیا زندگی میں عیش و آرام کا طالب ہوتا ہے۔ ایسے میں جب بنیادی ضرورتوں کے بارے میں ایک نظم و ضبط کے ذریعے ایسی فضا قائم کر دی جائے کہ انہیں چھوڑتے ہوئے انسان خوشی محسوس کرے۔ تو حرص و ہوا کی خواہش دلوں میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ رمضان المبارک میں صائم ہونے کی کیفیت میں بھوک اور پیاس ہمیں یقین دلاتی ہے۔ کہ بھوکوں اور پیاسوں پر کیا گزرتی ہے۔ جن غریبوں اور ناداروں کو زندگی کی بنیادی ضرورتیں دستیاب نہیں ہوتیں ان پر جو کچھ بیتتی ہے۔ ہمیں اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ جب تک کسی تکلیف سے انسان خود نہ گزرے اس کی اہمیت کا احساس ممکن ہی نہیں بھوک اور پیاس کی حالت میں ہمیں ان لوگوں کی ہمدردی پر اکساتا ہے۔ جنہیں پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی اس طرح معاشرے میں مل جل کر رہنے کی عادت پڑتی ہے۔ ہمدردی اور غم خواری کے جذبات ابھرتے ہیں مساوات و اخوت کی علمداری ہوتی ہے۔ یہ تو صرف بھوک اور پیاس سے پیدا ہونے والے خیالات و احساسات کی بات تھی اصل بات یہ ہے۔ کہ روزہ صرف بھوک و پیاس سے رہنے کا نام نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جس وقت تو روزے رکھے تو چاہیے کہ اپنی آنکھوں، کانوں، زبانوں، ہاتھوں اور بدن کے تمام اعضاء کو برے اور حرام کاموں سے بچائے رکھے۔

Date

ایک اور حدیث پاک میں ہے ، کئی روزے دار ایسے ہیں جن کو بھوکا پیاسا رہنے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ۔ آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔ کہ بھوکا پیاسا رہنے سے بھی بہت کچھ حاصل ہوتا ہے ۔ لیکن حضور سرور کونین ؐ کا فرمان ہے کہ صرف بھوکا پیاسا رہنا ہی سب کچھ نہیں ہے روزہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے ۔ اس کا اصل مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے ۔ کہ تقویٰ کیا ہے ۔ ایک بزرگ نے اس استفسار کے جواب میں فرمایا تھا کہ انسان کسی ایسی راہ سے گزر رہا ہو جس کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوں تو انسان اپنے جسم کے علاوہ اپنے کپڑے بھی سنبھال کر سمیٹ کر بچ کر بچا کر گزرتا ہے ۔ اسی طرح دنیاوی آلائشوں اور تعیش سے جان بچا کر نکل جانے کو تقویٰ کہتے ہیں روزے کا مقصد اول تقویٰ ہے ۔ اس طرح انسان روزے کے ذریعے صرف بھوکا نہیں مرتا ، بھوک پیاس سے پیدا ہونے والے بہتر خیالات ہی کو اپنے دل و دماغ میں مرتسم نہیں پاتا معراج انسانیت حاصل کر لیتا ہے ۔

روزہ پیٹ اور منہ ہی کا نہیں ہوتا زبان کا بھی ہوتا ہے کہ روزے دار جھوٹ مکر، فریب دغا ، غیبت ، بدزبانی سخت کلامی کا مرتکب نہ ہو کسی انسان کو زبان سے تکلیف نہ پہنچائے ، غلط بات نہ کہے ، برا بول نہ بولے اسی طرح آنکھ کا بھی روزہ ہوتا ہے ۔ کہ آنکھ کسی غیر شرعی حرکت کا ارتکاب نہ کرے نیکوں کی زیارت کرے قرآن مجید کو دیکھے اور غیر محرم عورت کی طرف نظر نہ اٹھائے پھر کانوں سے غیبت نہ سنے بدگوئی کو سننے سے پرہیز کرے خدا و رسول کی باتیں سنے ۔ آدمی کے ہاتھ پاؤں کسی برے کام کیلئے حرکت نہ کریں ہاتھ اٹھیں تو اللہ و رسول کی خوشنودی کی خاطر پاؤں چلیں تو ان کے احکام کے مطابق دین کی راہ سے فرار کرنے والے پاؤں بھی روزے دار کے نہیں ہو سکتے اور غلط کام کے مرتکب ہاتھ بھی ہاتھ مظلوم کی دستگیری کیلئے اٹھیں اور پاؤں مظلوم کو مدد کیلئے بڑھیں برائی کے استعمال کی راہ پر چلیں اور دل و دماغ غلط فہمی اور غلط کاری کی طرف راغب نہ ہو ۔

روزے کی بنیادی خوشنودی مولا ہے ۔ انسان ضروریات زندگی تک کو ایک معین عرصے کیلئے ترک دیتا ہے محض اپنے خالق و مالک کو خوش کرنے کیلئے اس کے ارشاد کی تعمیل میں اور جس پر خدا راضی ہوگیا ، اسے زندگی کے کسی میدان میں پریشانی لاحق نہیں ہو سکتی مسلمان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہو سکتی ہے ، کہ اس کا رب اس سے راضی ہو جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا اجر دیتا ہوں

اور ظاہر ہے کہ وہ بہتر اجر دینے والا ہے۔ روزے سے جسمانی نشوونما بہتر ہوتی
ہے۔ کھانے پینے میں پابندی اوقات پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔ جس کے نہ ہونے سے
بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ علم طب نے اس موضوع پر خاصی تحقیق کی ہے۔
کہ سال بھر میں ایک ماہ روزے رکھنے والا انسان کتنی بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ پھر اس
سے اعمال میں صالحیت پیدا ہوتی ہے۔ فکر میں پاکیزگی جنم لیتی ہے۔ اور پروان چڑھتی
ہے۔ نشوونما پاتی ہے۔ روزے سے حیات انسانی میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے وقت
پر سحری کھانا وقت پر افطار کرنا نہ اس سے چند منٹ پہلے نہ بعد میں وقت پر نماز
پابندی سے ادا کرنا۔ دن بھر نفسانی خواہشات سے بیزار رہنا صبح شام ہر وقت خواہش
سے بچنا۔ یہ سب باتیں زندگی میں باقاعدگی کا عمل دخل کر دیتی ہیں

صائم انسان صبر اور حوصلہ مندی کا شاہکار بن جاتا ہے۔ روزہ صبر کی علامت ہے
روزے دار صابر وشاکر ہوتا ہے۔ اور صبر اعلیٰ ترین خوبیوں میں سے ہے۔ زندگی میں صبر
انسان کو مختلف منازل میں کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ قناعت
پسندی نہ ہو تو حرص وہوا جان نہیں چھوڑتی۔ انسانی خواہشات دن بدن بڑھتی ہی
چلی جاتی ہیں۔ روزے سے معاشی اور معاشرتی زندگی میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا
ہے۔ ملکی اور قومی رسوم ورواج اور آداب ومعمولاتِ زندگی کے بجائے الٰہی قوانین و
ضوابط عملاً نافذ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی مرضی سے کھانا پینا، نفسانی خواہشات سے پرہیز
جسم کے تمام قویٰ کے روزے سے پورے جسمِ انسانی کی تربیت۔ روزہ رکھنے سے خداوند قدوس
وعلیم کے عالم الغیب ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روزہ بندے اور خدا کے درمیان
ایک راز کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب کوئی اور نہیں دیکھتا، صرف یہ احساس انسان کو برائیوں
سے باز رکھتا ہے۔ نفسانی خواہشات پر عمل نہیں کرنے دیتا، کھانے پینے سے دن کے وقت
نفرت لاتا ہے۔ حرام چیزوں کے ذکر تک سے طبیعت میں تکدر پیدا کرتا ہے۔ کہ خدا علیم
وخبیر ہے۔ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ پھر انسان میں احساس بندگی شدت سے ابھرتا ہے۔ روزہ
ایسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ کہ نیکی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بدی کی طرف راغب نہیں ہونے
دیتا۔ یہ طرز فکر انسانی زندگی میں رچ بس جاتے۔ یہی خدا و رسول کی خواہش ہے۔ روزہ
ضروریاتِ زندگی کے پہلوؤں کو کم کر دیتا ہے۔ ہر قسم کی مجنونانہ ہوس کو ختم کر دیتا ہے
قناعت سکھاتا ہے۔ ضبطِ نفس کی تعلیم دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے نفس کے ساتھ جہاد

کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا ہے۔ نتیجۃً جرم اور لالچ کی بیماریوں افراد سے معاشرے سے ختم
ہو جاتی ہے۔ بے حیائی کا کہیں عمل دخل نہیں رہتا یوم آخرت پر انسان کا ایمان پختہ
ہو جاتا ہے۔ فرد یا ملت ہر دو حیثیتوں سے آدمی میں پابندی وقت کی اہمیت
ضروری ہے۔ عام معاشرے میں ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے اس لئے وقت کی دوڑ
میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ روزہ ہمیں اس کی اہمیت جتلاتا ہے۔ موسم خراب ہو، نیند کا
غلبہ ہو۔ طبیعت نہ چاہے۔ چند منٹ کی تاخیر کی خواہش ہو، یہ سب کچھ ناممکن ہے ہر کام
وقت پر کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح آدمی کی زندگی متوازن ہو جاتی ہے۔ غرض جتنا بھی غور
کریں روزہ ذات کی حد تک، معاشرے کی حدود میں، قوم و ملت بلکہ پوری دنیائے
انسانیت کے حوالے سے خوبی ہی خوبی ہے۔ ہر قسم کی برائیوں اور خرابیوں سے محفوظ رکھتا
ہے۔ تعمیر سیرت و کردار اس سے زیادہ کسی اور عمل سے ممکن نہیں انسان کی شخصیت نکھر
جاتی ہے۔ اس میں ہر اچھائی در آتی ہے۔ اور ہر لحاظ سے مثالی انسان بن جاتا ہے۔
یوں اگر ہم یہ فرض پورا کرتے ہیں تو صرف عبادت ہی نہیں کرتے اپنی شخصیتوں کو سنوارتے
ہیں اور معاشرے کو جلا بخشتے ہیں۔ اللہ کرے ہمیں توفیق دے کہ ہم احکام خداوندی
کی حکمتوں سے آگاہی حاصل کریں۔ —٥—

نور الحبیب رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ ستمبر ۱۹۷۶ء ص ۳ - ۸ سلسلہ ۱۳۶

رمضان المبارک کا مہینہ اہل اسلام کیلئے ایک لازوال اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے اس مقدس مہینے میں وہ صحیفہ ہدایت نازل فرمایا جس نے دنیا بھر کیلئے امن و آشتی
کا پیغام دیا جس کی ہمہ گیریت اور وسعت کے آگے پوری کائنات سمٹ گئی جس نے
تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ انسانیت کو ذلت کی تحت الثریٰ سے نکال عظمت و رفعت
کے آسمان پر پہنچایا اور کائنات میں ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جس میں رنگ، نسل، وطن
و قوم اور امارت و افلاس کی بنیاد پر کوئی تفریق و امتیاز نہ تھا۔ رمضان المکرم نکہت و نور
کا ایک حسین موسم جس میں رحمت کی گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ برکات کی پھواریں پڑنے
لگتی ہیں۔ اور انوار الٰہی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے جس کے باعث قلب کی تاریکیاں چھٹ جاتی
ہیں۔ اور دل جگمگا اٹھتا ہے۔ یہی وہ مبارک ماہ ہے جس کا چاند نظر آتے ہی ملاء اعلیٰ
کی نورانی فضا میں رحمت و مغفرت کی چادر تن جاتی ہے۔ فردوس کی عطر بیز ہواؤں کی گدگدی سے روح

بیدار ہو جاتی ہے۔ عبادتِ خداوندی کی بے تاب تمنا سینے میں چٹکیاں لینے لگتی ہے۔ طوفانِ زلیست کا ایسا بے پایاں احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ نازک تر آبگینہ دل عشقِ حقیقی کیلئے خالی ہو جاتا ہے۔ افطاری کے وقت روزہ دار کے لبوں پر بے پناہ مسرت و انبساط کا احساس ایک لطیف تبسم بن کر کھل جاتا ہے۔ قرآن کریم کی پرسوز اور جانفزا پیاری پیاری آواز سے مسجدیں گونج گونج اٹھتی ہیں۔ انسان اپنے شرف و امتیازِ انسانیت اور منشائے تخلیق کو معلوم کر کے اپنا فرضِ منصبی بجالاتا ہے۔ اور آخرت میں معبودِ حقیقی کے سامنے سرخروئی کا اہتمام و انتظام کرتا ہے۔

فضیلتِ صیامِ شریف

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے۔ = اس آیۂ کریمہ میں ان محبوبانِ بارگاہ کو خطاب ہے۔ جو اپنی جان و مال کے بدلے جنت کا سودا کر کے بک چکے ہیں۔ تو ان کی حرکت و عبادت، کردار، گفتار، افکار و خیالات اعضاء و جوارح سب ایسی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہیں کہ جس غلامی کے غبار راہ تک بھی کوئی آزادی نہیں پہنچ سکتی۔ نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ عبادات میں نمائش بھی مقصود ہو سکتی ہے۔ اور خود بینی تقدس کا جذبۂ اظہار بھی شامل ہو سکتا ہے۔ مگر روزہ ایسے حالاتِ منفیہ کی جامع عبادت ہے جسے دنیا والے نہیں جان سکتے۔ جب کہ کھانے پینے کے ہزاروں مواقع سے منہ موڑ کر ایک مسلمان بھوک پیاس کی شدت اگر برداشت کرتا ہے۔ تو یہ محض اس کا جذبۂ خلوص ہے۔ جس وجہ سے اُسے مقامِ قرب نوازا جاتا ہے۔ جس طرح کسان کو غلّہ حاصل کرنے کیلئے کھیتی کے خاص موسم اور تاجر کو تجارت کے لئے خاص سیزن کا بڑا انتظار رہتا ہے۔ یونہی رمضان المبارک کے دن اور راتیں تو ہم واستغفار کا انمول وقت، عشق کی کھیتی کا دل نواز موسم اور تجارتِ آخرت کا خاص الخاص سیزن ہے۔ جس کا منتظر ہر سعادت مند انسان رہتا ہے۔ جب تاجر اور کسان کیلئے ان کا خاص موسم اور سیزن آتا ہے۔ تو وہ اپنے ہر آرام و راحت کو ترک کر کے اپنا ہر ایک منٹ قیمتی سرمایہ شمار کرتا ہوا انتہائی محنت و مشقت سے پوری محنت کا رنگ دکھا دیتا ہے۔ اسی طرح سعادت مند انسان اس ماہ مبارک کی ہر ایک ساعت کو جانتا ہوا اپنے تمام مشاغل سے منہ موڑ کر آرام دہ بستر اور اپنی میٹھی نیند قربان کرتا ہے۔ وقت گزاری کرتا ہے بزرگی اور سمر والفطار کی طرف دوڑتا ہوا زراعتِ عشق اور تجارتِ اُخروی کی بے حساب کمائی سے بازارِ قیامت میں سب سے بڑا حقیقی سرمایہ دار شمار ہوتا ہے۔ موسمِ برسات میں بارش ہوتی ہے۔ اور موسمِ بہار میں پھول کھلتے ہیں۔ مگر اس موسمِ خیر میں رحمتِ خداوندی کے جلوے نمودار ہوتے ہیں۔ اور تجلیاتِ شانِ جمال و جلال جلوہ فگن ہوتی ہے۔ رمضان المبارک

ماہ مبارک وہ بابرکت و عظمت مہینہ ہے۔ میری امت جب تک رمضان کی نگہبانی کرتی رہے گی رسوا نہ ہوگی۔
روزہ ایک خاص مقناطیسی قوت کا حامل ہے۔ جس سے سرکش باغی انسان سربسجود
کھنچا چلا آتا ہے۔ روزہ ایک تیز رفتار راکٹ کی مانند خدا اور دل کی بارگاہ میں پہنچانے والا سیارہ
ہے۔ روزہ نفس و شیطان کے باطل و ہیمی اور قاتل تیروں کے سامنے ڈھال ہے۔ روزہ عبادت کے
غنچے اور نور کی کلیاں کھولنے والی نسیم صبح ہے۔ روزہ نیکیوں کے دلربا دلکش پھولوں کا باغ ہے۔ روزہ لوئے
معصیت کی لو سے جھلسوں کو آرام و سکون دینے والا ایئر کنڈیشن کمرہ ہے۔ روزہ عبادت
وطاعت سے خالی پیٹوں کو نیکیوں کے لذیذ ترین میووں اور پھلوں سے سیر کر دینے والا درخت ہے۔
روزہ بادۂ معصیت کے مخموروں کو جام عشق و محبت پلانے والا ساقی ہے۔ روزہ مردہ و افسردہ
دلوں کیلئے نفحات من ربکم کی عطر پاشی سے حیات بخشنے والی باد صبا ہے۔ روزہ نفس کی
شور زدہ زمین سے ہوا و حرص کے تیز کانٹوں کو ترک اکل و شرب کے ٹریکٹر کے ساتھ دور کر کے
اسے گلشن و گلزار بنانے کا ہنر ہے۔ روزہ دل آزردہ کو ان الحسنات یذھبن السیئات
کا پیغام پہنچانے والا مژدہ ہے۔ روزہ یبدل السیئات بالحسنات کے یکبارگی حملہ سے
نفس و شیطان کی مہیب فوج کو تہس نہس کر دینے والا باہمت سپہ سالار ہے۔ روزہ آئینہ
دل سے زنگار معصیت دور کر کے اسے نور و نور کر دینے والا ہنر ہے۔ روزہ فی احسن تقویم
کے گہوارہ نشین کو لخلوف فم الصائم اطیب کی معطر و معنبر فضا کا مسند نشین بناتا
ہے۔ روزہ ان الانسان لفی خسر کی خاردار وادیوں اور تاریک دلدلوں سے نکال کر عبادت و
ریاضت کا خلوت نشین بناتا ہے۔ تو اے جام غفلت کے بادہ کشو تمہیں مژدہ خاص
ہو کر سلطان رحمت کی بارگاہ کے بلند دروازے گیارہ ماہ کی مدت مدیدہ کے بعد کھلنے کو تیار
ہیں۔ اب صرف ایک حرف ندامت ایک عذر شرمسار اور بھیگی پلکوں کا صرف ایک چمکتا قطرہ دل کی
طہارت کیلئے کافی ہوگا۔ اے خفتگان شب ملامت دنیا کی بڑی بڑی امید گاہوں سے تو لگا
کر تم نے دیکھ لیا۔ اب تو اس رحمت حق کی طرف پلٹو جو اپنے امیدواروں کو مایوس نہیں کرتی اور پلکوں کے
آنسو کو زمین میں جذب ہونے سے پہلے اپنے خریداری کی پکار سن لیتی ہے۔ قدم قدم پر رحمت و غفران
کی نہریں جاری ہیں۔ اگر پھر بھی روحانی تشنگی نہ مٹے تو اور کون سا موقعہ پاؤ گے۔

رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

محمد حبیب اللہ گولڑوی غفرلہ

مِنَ الحِکمۃِ :-

روزہ رکھنے میں جو حکمتیں ہیں وہ خدا ہی جانتا ہے۔ لیکن ظاہر میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ ڈاکٹروں نے ایک کمیشن میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جس بیماری کا کوئی علاج نہیں اس کا علاج روزہ ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اکثر بیماروں کا علاج کرتے وقت مریض کو کئی کئی دن تک ایک دانہ بھی نہیں کھانے دیتے جیسے کہ ٹائیفائڈ کا علاج جو مواد سال بھر میں معدہ کے اندر جمع ہوتے ہیں وہ سب ایک مہینہ کے روزہ کی وجہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔

امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوگیا چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ تھی رمضان شریف قریب آگیا۔ مجھے خوف ہوا کہ میں روزے نہیں رکھ سکوں گا۔ مگر رمضان کا چاند دیکھ کر ہمت کرلی۔ روزہ رکھا پہلے روزہ کی طاقت کے مقابلہ میں آخری روزہ کی طاقت میں کئی گنا فرق پایا۔ اس واقعہ سے ان کمزور دل مسلمانوں کو ہوش میں آجانا چاہئیے جو تندرست، ہٹے کٹے ہونے کے باوجود بھی روزہ نہیں رکھتے۔ اور کمزوری کے خوف یا بدظنی کے باعث جان بوجھ کر بیماری کے بہانے تراشتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے اگلے رمضان تک تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ان الصائمین یخرجون من قبورھم یعرفون بریح افواھھم فان ریح افواھھم اطیب من ریح المسک۔ روزہ جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے منہ کی خوشبو سے پہچانے جائیں گے اس لئے کہ ان کے منہ کی خوشبو کستوری کی خوشبو سے زیادہ خوشگوار ہوگی۔

اعلیٰ حضرت کا تقویٰ :- ابھی آپ بچے ہیں رمضان المبارک کا متبرک اور آپ کے پہلے روزے کے افطار کی تقریب ہے۔ کاشانہ اقدس میں جہاں افطار کیلئے قسم قسم کا سامان ہے ایک جگہ فرنی کے پیالے جمانے کیلئے رکھے ہوئے ہیں دوپہر کا وقت ہے شدت کی گرمی ہے۔ کہ آپ کے والد محترم آپکو فرنی کے کمرے میں لے جاتے ہیں اور کمرہ اندر سے بند کرکے ایک پیالہ آپکو دیتے ہیں کہ اسے کھالو۔ عرض کرتے ہیں میرا تو روزہ ہے کیسے کھاؤں۔ آپ کے والد صاحب نے فرمایا۔ بچوں کا روزہ ایسے ہی ہوتا ہے۔ لو کھالو۔ میں نے دروازہ بند کردیا ہے۔ کسی کو خبر نہ ہوگی اور نہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں کہ جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے۔ وہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت

کے والد محترم کی آنکھوں میں آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ بعد آپ کو کمرہ سے باہر لے آئے۔
(مجدد اسلام رحمت اللہ علیہ حوث) مگر آج کل بڑے بڑے جوانمرد امیر و کبیر نقل و حمل کے دعویدار
ہوٹلوں کے پردہ میں بیٹھے گلچھڑے اڑا اڑا کر رمضان المبارک کی توہین و بے ادبی میں مصروف
ہیں خدا تعالیٰ ہدایت دے۔ **نغمہ جبریل** [۴] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں
کہ ایک دن سید عالم ﷺ کے دیدار پر انوار کے شوق سے جہاں میرا غالب خیال تھا پہنچا مگر نہ پایا۔ پھر مسجد
نبوی میں حاضر ہوا مگر یہاں بھی آپ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکا۔ اچانک میری نظر محراب کی
طرف اٹھی تو آفتاب حق نما محراب میں جلوہ گر نظر آئے۔ آپ کے چاروں طرف انوار کی بارش
ہو رہی تھی۔ میں آگے بڑھا اور حضرت علیؓ کے قریب جا کھڑا ہوا۔ تو معاً ایک ایسی دلپذیر
آواز سنائی دی جو نفیس ترین نغمہ سے بھی زیادہ مرغوب و محبوب تھی۔ اسی اثنا میں رسول
کریم ﷺ نے فرمایا طوبیٰ لہٗ پھر آپ کے جواب میں آواز آئی۔ طوبیٰ لک یا رسول اللہ ﷺ و لمن صام
رمضان۔ پھر معمولی وقفہ کے بعد حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا یا علی من خلفک علی تمہارے پیچھے کو
کون ہے۔ عرض کی عبداللہ بن مسعودؓ۔ آپ نے فرمایا آگے آ جائیے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں
حاضر ہوئے تو آپ کی نورانی پیشانی اس طرح چمک رہی تھی جس طرح چودھویں رات کا چاند
مسجد کے محراب میں اتر آیا ہو یا نور خدا مجسم ہو کر دیدار دکھا رہا ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے
ہیں میں نے نہایت انکساری سے اس پاکیزہ نغمہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے عرض کیا
آپ نے فرمایا۔ تلک نغمۃ جبریل علیہ السلام۔ وہ جبریل علیہ السلام کا نغمہ تھا۔
جو حضرت خضر علیہ السلام کی حکایت بیان کر رہے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی ملاقات کیلئے
آ رہا تھا کہ راستہ میں حضرت خضرؑ سے ملاقات ہو گئی اور ہماری گفتگو کا موضوع آپ کی ذات
والا صفات تھی۔ اسی دوران میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے لعل و جواہرات اور موتیوں سے مرصع
و مزین تخت کو اپنی پشت پر اٹھایا ہوا ہے۔ اور اس پر ایک بندۂ خدا جلوہ افروز ذکر
خدا میں محو ہے۔ میں نے فرشتے سے اس کا حال دریافت کیا اس نے کہا۔ یہ بندۂ حق دو ہزار
سال جنگلوں میں مصروف عبادت رہا اور پھر اس نے سمندروں میں عبادت کرنے کے شوق
سے بارگاہ الٰہی میں التجا کی جو منظور ہوئی اور مجھے اس کی خدمت گاری کیلئے احکم الحاکمین کی طرف
سے آرڈر نافذ ہوا ہے۔ اور اب اسے سمندروں کی سیر و تفریح سے محظوظ کر رہا ہوں اور یہ اپنے
رب کی عبادت میں پیہم مصروف ہے۔ جب جبرئیل امین نے بیان کیا تو حضور ﷺ فرماتے ہیں میں نے
کہا طوبیٰ لہٗ۔ جبریل نے کہا۔ طوبیٰ لک ولامتک آپ کو اور آپ کی امت کو خوشخبری ہو۔ آپ نے

فرمایا کیا میری اُمت میں بھی کوئی ایسا خوش نصیب ہے؟ جبرئیل نے عرض کی یا رسول اللہ اللہ
تعالیٰ نے عظیم الشان شہر پیدا فرمایا ہے جس کے طول و عرض کو خالق حقیقی ہی جانتا ہے
اس میں فرشتے بے شمار رہتے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں سفید جھنڈا ہے جس پر لا الہ اللہ
محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ ان فرشتوں کی عبادت آپ کی اُمت کے روزہ داروں کیلئے دعائے
مغفرت ہے۔ یا رسول اللہ جب ماہ رمضان تشریف لاتا ہے۔ تو فرشتوں کی دوسری
جماعت کو حکم ہوتا ہے کہ اس شہر میں جا کر اسی دعائے مغفرت میں مشغول ہو جائیں۔
اور پہلے فرشتے عرش پر چلے جاتے ہیں۔ یہ دولتِ عظیمہ کی طلبِ مغفرت کی بدولت میسر
ہوئی۔ اور ہر ماہ رمضان کی آمد پر فرشتوں کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ

توبہ کا نور:۔ روایت ہے کہ جب بندہ عجز و انکساری سے بارگاہ الٰہی میں زاری کرتا
ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے۔ گواہ رہو، جو کچھ میرے بندے نے مجھ سے طلب کیا میں
میں نے اسے دے دیا۔ اور آتش دوزخ اس پر حرام کر دی بہشت اس کے لئے لازم کر دی اور
میں نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ؐ کی شفاعت سے اسے مشرف فرما دیا۔ اور اگر حاجات کے وقت
کسی بندہ کے آنسو جاری ہو جائیں تو آسمان کے فرشتے اس کی حالت کو دیکھ کر زار زار آنسو
بہاتے ہیں۔ اور بار بار عرض کرتے ہیں۔ خداوندا تیرے حبیب محمد مصطفیٰ ؐ کا امتی تیرے
عذاب کا خوف اور تیری رحمت کی امید پر روتا ہے۔ تو اس کے حال پر رحم فرما۔ ارشاد ہوتا۔
یا ملائکتی ما علمتم ان قد علمت لم یا دل قطرۃ خرجت من عینہ۔ اے فرشتو تمہیں معلوم
نہیں کہ جب میرے بندے کی آنکھ سے پہلا قطرہ نکلا ہے تو میں نے اس کے سارے گناہ بخش
دیئے اور اپنی ذات پر واجب کر رکھا ہے کہ میرے حبیب کا امتی میرے عذاب سے ڈرے اور میری
بارگاہ میں التجا کرے تو میں اس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔ اور قیامت کے روز اس سے
محبت کرنے والوں کو بھی بخش دوں گا۔ اور اسے بہشت میں اپنے حبیب کی قربت سے نوازوں
گا۔ اور اس ماہ رمضان میں جس بندہ کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ اس کی توبہ کا نور تمام آسمانوں
میں پھیل جاتا ہے۔ فرشتے تعجب سے ایک دوسرے کو پوچھتے ہیں۔ ما ھذا النور الساطع
فی السموات۔ یہ کس کے نور سے آسمان منور ہیں۔ ملائکہ مقربین جواب دیتے ہیں کہ
یہ امت محمدیہ ؐ کے ایک گنہگار کی توبہ کا نور ہے۔ جو بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے نوازی
گئی ہے۔ سبحان اللہ ماشاء اللہ۔ حدیث شریف میں ہے۔ جب رمضان کا مبارک مہینہ تشریف
لاتا ہے۔ تو اللہ کی طرف سے منادی ندا کرتا ہے۔ اے فرشتو میرے حبیب ؐ کے بندہ ما رامبوں

کے گناہ زائلکو۔ بلاشک میں انہیں بخشنے والا ہوں

احترام کا انعام ۔ نقل ہے کہ بخارا میں ایک مجوسی کا بیٹا برسرِ عام مسلمان روزہ داروں کے سامنے کچھ کھا پی رہا تھا۔ اس کے باپ نے اسے دیکھ کر سخت سزا دی۔ بیٹے نے کہا ابا جی آپ تو روزانہ گھر میں کھانا وغیرہ کھاتے دیکھتا ہوں۔ اور آپ روزہ کی عزت و حرمت کا قطعاً خیال نہیں کرتے اس نے کہا بیٹے بے شک میں گھر میں روزانہ جس وقت چاہتا ہوں کھاتا ہوں۔ کیونکہ میرے مذہب میں روزہ فرض نہیں۔ مگر اسلام میں مسلمانوں پر روزہ فرض ہے۔ اور ہمیں اخلاقی طور پر ان کے سامنے کھانے پینے سے پرہیز اور رمضان المبارک کا ادب و احترام کرنا چاہیئے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مجوسی فوت ہوا تو بخارا کے بزرگوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ انعامات والطافِ الٰہیہ سے مشرف ہے۔ اور اس پر انوارِ الٰہیہ کی بارش ہو رہی ہے۔ اس قدر و منزلت کے بارے میں بزرگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا میرے کھانا۔ جب میرا آخری وقت تھا تو میں نے غیب سے آواز سنی۔ تحف یا ملیدی قف حتی یتوب ملیہی ویومن فانہ حفظ حق شہر رمضان وحق العالمین بلطفہ۔ اے ملک الموت رک جا تاکہ میرا بندہ توبہ کرلے اور ایمان لائے کیونکہ اس نے ماہ رمضان کی عزت و حرمت اور روزہ داروں کی قدر و منزلت اپنے بیٹے کو سزا دے کر قائم رکھی۔ پھر اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو نورِ ایمان سے اور دولتِ عرفان کی سعادتِ ابدی سے نوازا اور ان مراتب و درجات سے عزت بخشی جو تم دیکھ رہے ہو۔ مسلمانوں قابل غور ہے کہ ایک مجوسی جو کفر و شرک کی ظلمات میں ساری عمر مبتلا رہا۔ وہ رمضان المبارک کی تعظیم و تکریم کے باعث ایمان و عرفان کی بے بہا دولتِ دائمی سے مالا مال ہو کر جنان و رضوان کا مستحق بن سکتا ہے تو افسوس ہے ایسے مسلمانوں پر جو اپنی حقیقی زندگی میں رمضان المبارک کا مہینہ پائیں اور رحمت و مغفرت سے محروم رہیں۔

از قلم محمد عباس عفی عنہ
جامع مسجد $\frac{365}{E.8}$

فرحت اللہ نوری نورالحبیب
رمضان المبارک بیت ۱۴۰۰

اور سنائے لطیفے ۔ (۱) روزہ اور روزہ ۔ (۲) کھوں کا جواب ۔ (۳) شیر چڑیا گھر

اظہار تشکر کا دن

بد عملی اور اسلام سے دوری کے موجودہ ماحول کے باوجود رمضان المبارک کے محدود اور مخصوص ایام میں مساجد کا آباد ہونا، فریضہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور تلاوت قرآن کریم کی کثرت جہاں ایک غنیمت ہے۔ وہاں اس بابرکت مہینے کے فوراً بعد جو منظر دکھائی دیتا ہے۔ وہ نہایت افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے۔ ماہ رمضان المبارک کے جاتے ہی نفس اور شیطان کو اس طرح ہم اپنی گردن پر سوار کر لیتے ہیں۔ جیسے ان سے بچھڑنے کا غم ہمیں مسلسل بے چین کیے جاتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی قیدی جیل سے رہا ہوا ہے۔ اور اب وہ گذشتہ ایام گن گن کر بدلہ چکانا چاہتا ہے۔ بد عملی اور اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا وہی بازار پھر گرم ہو جاتا ہے۔ جو رمضان المبارک سے پہلے تھا۔ اس حقیقت کے پیش نظر ضروری ہے۔ کہ ہم رمضان المبارک کے آخر میں بالخصوص عید الفطر کے فوراً بعد یہ جائزہ لیں کہ آیا ہم نے ایک مہینہ تک محض بھوک پیاس برداشت کی ہے یا روزے کے حقیقی مقاصد کو حاصل کر لیا ہے۔ کیا ہم چھلکوں پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں۔ یا مغز کے حصول کے لئے دوڑ دھوپ کرتے رہے ہیں؟

جن مقاصد کیلئے روزے فرض ہوئے ہیں۔ وہ کوئی ڈھکے چھپے نہیں ہیں تاہم ان کو مستحضر کر لینے سے بات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی مثلاً۔

(1) روزے کا ایک مقصد تو قرآن مجید نے صاف صاف بیان کیا ہے "لعلکم تتقون"۔ تاکہ تمہیں پرہیزگاری میسر آئے۔ (یعنی اہل ایمان کی اس ڈھب پر تربیت ہو جائے کہ وہ گناہ کے کاموں کے قریب جانے کو آگ میں ڈالے جانے کے برابر سمجھیں اور نیکی کے کام پر کشش دکھائی دیں۔

(2) دوسرا مقصد یہ ہے کہ ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم تاکہ تم اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ جس کی طرف اس نے تمہاری رہنمائی کی) ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار تبھی معتبر ہوگا جب دل بھی زبان کا ہمنوا ہو اور جب اللہ کی کبریائی کو یوں تسلیم کیا جائے کہ دنیا کی ہر قوت ہیچ دکھائی دینے لگے اور انسان اپنی فکری جسمانی انفرادی اور اجتماعی قوتوں کے اس مقصد کیلئے کھپا دے کہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور غلبے کے پھریرے لہرانے لگیں۔

(3) روزے کی اصل غایت دل و دماغ اور روح کو اپنے خالق حقیقی کی طرف جھکانا اور ملکوتی صورت پیدا کرنا ہے۔ کھانے پینے اور جنسی عمل سے پرہیز انسان کی باطنی اور روحانی قوتوں کو بیدار کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا دیتے ہیں۔ روزے کے روحانی، اخلاقی، اور ایمانی خواتر

ومقاصد کی فہرست خاصی طویل ہے۔ مگر مقام غور ہے کہ ان میں کوئی ایک مقصد بھی پورا ہوا یا نہیں
ایک رمضان نہیں کئی رمضان آئے اور گزر گئے روزے رکھے جاتے رہے تراویح ادا کی گئیں قرآن مجید
پڑھا گیا۔ ذکر الٰہی سے زبانیں تر رہیں۔ دعا واستغفار کے نالے بلند ہوئے اعتکاف نشینوں
نے مساجد اور گھروں کے گوشوں کو (وتبتل الیہ تبتیلا) اور سب سے کٹ کر اپنے رب کا ہو رہ
کے مصداق اپنے مولا کی عبادت سے روشن کیا لیکن رمضان المبارک گزر جانے کے بعد طبیعتوں میں
تبدیلی کی کوئی کرن نہ پھوٹی ـــ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ درحقیقت ہم نے روزہ نہ رکھا تھا۔
محض بھوک پیاس برداشت کی تھی تراویح میں قرآن نہ پڑھا سنا تھا۔ صرف لذت سماعت کی
تسکین کی کوشش میں لگے رہے تھے۔ دعائیں نہ مانگی تھیں اللہ سے استغفار نہ کیا تھا بلکہ
یہ سب کچھ وقتی جذباتیت کی رو میں غیر شعوری طور پر از خود ہوتا چلا گیا تھا اور ہماری نیت
کا اس میں کوئی عمل دخل نہ تھا ـــــ افسوسناک بات یہ ہے۔ اس کے باوجود کہ
ہم اپنے طور پر خدا کو حاضر ناظر جان کر اس سے ڈرتے ہوئے روزے کی عبادت کرتے رہے۔ مگر رمضان
شریف گزر جانے کے ساتھ ہی اللہ کا ڈر کر ہٹ گیا قرآن پر سے ایمان اٹھ گیا اور رسول ؐ
کے احکامات کی حیثیت گم ہو گئی نہ دوزخ کا کھٹکا نہ موت سے خوف اور نہ آخرت میں جواب
دہی کا احساس کہاں یہ حلال اور طیب اشیاء کی طرف اللہ کے ڈر کی وجہ سے ہاتھ بڑھانا گوارا نہ
تھا کہاں اب بعد از رمضان حلال اشیاء ایک طرف حرام اور ممنوع اشیاء بھی مباح سمجھ
لی جاتیں۔ اللہ کی بڑائی کا اعتراف یوں ہوتا ہے کیا؟

یہ بھی کیا تک ہے کہ رمضان المبارک کے آتے ہی تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیا اور پھر اس سے
یوں رشتہ منقطع کر لیا جیسے کبھی اس سے تعلق تھا ہی نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتوں کو اس طرح
موسم یا ماہ سال کے محدود دائروں میں ہم پر نچھاور فرماتا ہے۔ کیا اس نے آنکھ کان
دل و دماغ کی نعمت پھر دھن دولت اور آسائش دنیوی کی دولت کو کسی خاص ماہ کی
قید کے ساتھ ہمیں نوازا ہے۔ نہیں بلکہ اس کی نعمتوں میں دوام ہے ایک تسلسل ہے۔ اس
کی رحمت اور فضل و کرم کو ایک ساعت کیلئے بھی ہم سے جدا کر لیا جائے تو زندگی کا تصور ہی
ختم ہو جائے۔ پھر بندے کا یہ انداز عبادت جو ایک مہینے کی ساعتوں کے ساتھ بندھا ہوا ہے؟
اس کا کیا جواز ہے؟ کیا ہم ڈرتے نہیں کہ اگر ہمارے اس "مذاق" سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔
تو ہمارا کیا بنے گا؟ اس کی طرف سے اگر نظر التفات میں ذرا بھر کمی دکھائی دے "جو درحقیقت
رحمت کی ہی ایک شکل ہوتی ہے" تو ہم شکوہ شکایات کا لامتناہی دفتر کھول بیٹھتے ہیں مگر اس

رمضانی روش پر توجہ دینے کو تیار رہیں ۔ یاد رہنا چاہیئے ۔ کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک وہی عمل پسندیدہ اور پیارا ہے ۔ جو ہمیشہ کیا جائے ۔ ماہ و سال اور مہینوں کی قید
سے آزاد ، مسلسل اور ہمیشگی کا عمل ، خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو ۔ بلکہ تو ہر انسان کو ہر آن کو
اپنی ذات کا تجزیہ اور احتساب کرتے رہنا چاہیئے ۔ لیکن ایک عبادت شعار انسان کی تو یہ بنیادی
ضرورت ہے کہ وہ اپنی ذات کو محاسبہ کی کسوٹی سے گزارتا رہے ۔ اس کی ایک وجہ تو صاف ظاہر
ہے کہ کہیں انسان نفس اس زعم میں مبتلا نہ ہو جائے ۔ کہ وہ عبادت کے ذریعے اب اس
مقام پر پہنچ چکا ہے ۔ جہاں سے اسے نفس و شیطان کے بہکاوے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے ۔

ماہ صیام کے بعد پھر تشکر ادا کرنے اور رب کریم کی بلندی و بڑائی کا اجتماعی اعلان و اظہار کرنے
کے خصوصی دن کو یوم عید کہتے ہیں ۔ جو امت مسلمہ کا خوشی کا تہوار ہے ۔ جس طرح امور دنیا
میں ہر مزدور کو مزدوری کے بعد اس کے شکریے کے ساتھ محبت و خدمت کا معقول معاوضہ دیا جاتا ہے
اسی طرح حق تعالیٰ بندے کو اجر عظیم عطا فرماتا ہے ۔ وہ بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے ۔ اسی طرح
لئے اجرت محنت سے کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے ۔ عید کے روز اللہ تعالیٰ صبح فرشتوں سے فرماتا ہے
اے فرشتو! تم نے دیکھا میرے بندوں نے پورا مہینہ صرف میرے لئے روزے رکھے حلال امور کا ارتکاب
کیا اور حرام سے بچے ۔ رات کو تراویح میں قرآن کریم سنا ۔ اس ماہ میں میری محبت میں بہت صدقہ
و خیرات کیا ۔ شب قدر میں جاگے اور اب تکبیریں پڑھتے ہوئے ۔ میری بڑائی کا اعلان کرتے ہوئے
میرا شکر ادا کرتے ہوئے ۔ عید گاہوں میں جمع ہو رہے ہیں ۔ اے فرشتو! تم دیکھ رہے ہو ۔ سب
فرشتے عرض کرتے ہیں ۔ ہاں اے خالق ارض و سمٰوات ہم دیکھ رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے
فرشتو! تم گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا ۔ ان سب کو اپنی بخشش و رحمت کا مستحق ٹھہرا
لیا ۔ ان کی دعائیں قبول کیں ان سب سے خوش اور راضی ہو گیا ۔ اور ان کے گناہوں کو نہ صرف معاف
کیا بلکہ نیکیوں سے بدل دیا ۔ اس سے بڑھ کر بندوں کیلئے اور کیا اجر ہوگا ۔ کہ ان کا رب ان پر
راضی و مہربان ہو جائے ۔ ہر قوم میں خوشی کے تہوار ہوتے ہیں اور ان کے تہوار منانے کا
طور طریقے بھی مخصوص ہوتے ہیں ۔ گزشتہ انبیاء کرام کی امتوں کے احوال میں ہے کہ وہ مختلف قسم
کے پکوان اور مشروب تیار کر کے اپنے اہل خاندان کے ساتھ آبادیوں سے دور میدانوں یا ساحلوں
پر جمع ہوتے ۔ اور رقص و سرود اور شباب و شراب میں مست ہو کے اپنی خوشی و مسرت کا اظہار
کرتے ۔ ہندو مذہب میں ہولی دیوالی کے تہوار ہیں ۔ ان موقعوں پر لوگ صاف ستھرے کپڑے پہنے

کی بجائے سب سے خراب کپڑے پہنتے ہیں۔ کیونکہ ایک دوسرے پر رنگ وغیرہ پھینکنا ہی اس تہوار کی
خوشی کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس مذہب میں شراب و شباب کو خاصی
اہمیت حاصل ہے۔ اور اخلاقی قدروں کا معیار ہی مختلف ہے۔ اس لئے خوب ہلڑ بازی اور کئی
بازیاں ہوتی ہیں۔ دیگر مذاہب کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے
مذہبی تہوار طہارت و پاکیزگی، صفائی و ستھرائی، اخوت و محبت، اتحاد و یگانگت۔ ایثار و خلوص
کے اجتماعی اور باہمی ایسے مظاہروں پر مبنی ہوتے ہیں۔ کہ اقوام عالم میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

شب عید کی عبادت و ریاضت سے فارغ ہونے کے بعد مسلمان صبح نماز فجر ادا کرتے ہیں۔ پھر
نہا دھو کر صاف ستھرا لباس زیب تن کرتے ہیں خوشبو لگاتے ہیں۔ اور باوقار طریقے سے رب کریم کی
بڑائی و بلندی کا اعلان اور ہدیہ تشکر باآواز بلند پیش کرتے ہوئے عید گاہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں
راستہ میں کوئی غریب، یتیم ملے تو اسے صدقہ فطر دیتے ہیں۔ یہ صدقہ فطر اس کا کفارہ بن جاتا ہے۔
یہ صدقہ فطر نماز سے قبل ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ غرباء و مساکین کا حق ہے۔ اگر انہیں نماز سے
پہلے مل جائے گا تو وہ بھی دن بھر عید کی اس خوشی میں شریک ہو جائیں گے

نماز عید کیلئے سرور کائنات ؐ عید گاہ کو جاتے ہوئے جس راستے کو اختیار فرماتے لوٹتے ہوئے اسے
بدل دیتے اور دوسرے راستے سے آتے اس طرح جاتے اور آتے ہوئے زیادہ لوگوں کی خبر گیری بھی ہو جاتی اور
بھی حکمتیں تھیں۔ حضور اکرم کا ہر قول و فعل انسانیت اور کائنات کیلئے باعث رحمت و برکت ہے۔
رحمت عالم عید کی نماز ادا کرنے عید گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک کمسن
لڑکے کو ایک درخت تلے کھڑے دیکھا جو رو رہا تھا۔ حضور ؐ سے اس کا رونا دیکھا نہ گیا۔ پاس گئے
نہایت پیار سے اس کے سر پر دست شفقت و رحمت رکھا۔ پوچھا بیٹا کیوں روتے ہو؟ اس
نے عرض کی یا رسول اللہ ؐ میں یتیم ہوں اور آج عید کا دن ہے۔ میرے پاس پہننے کو اچھے کپڑے نہیں۔ اور
کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ لوگوں کے بچے خوشیاں کر رہے ہیں۔ کہ ان کے ماں باپ ہیں۔ جو ان کی
ناز برداری کر رہے ہیں۔ اور ہر خوشی پوری کر رہے ہیں۔ اس کمسن یتیم کے بخت جاگ اٹھے کہ وہ
در یتیم کے سامنے فریادی ہوا تھا۔ اسے پہلو میں ساتھ لگا کے اپنے گھر لے گئے۔ اور سیدۃ النساء
حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ سے فرمایا اسے نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا دو۔ سرمہ لگا دو۔ تیل لگا
کر دو۔ جب بچہ تیار ہو گیا تو سید عالم ؐ نے پوچھا۔ کیا تو اس پر خوش ہے کہ میں تیرا باپ بن
جاؤں اور حسنین کریمین تیرے بھائی بن جائیں۔ اس یتیم کے ساتھ یہ حسن سلوک دیکھ
کر وہ۔ جن کے ماں باپ زندہ تھے یہ تمنا کر رہے تھے کہ کاش آج ہم یتیم ہوتے۔ فرمایا جو کسی یتیم

کے سر پر محبت سے شفقت کا ہاتھ رکھنے تو یہ رضائے الٰہی کا موجب ہے۔ عزیزوں یتیموں، بیواؤں اور اسیروں کے ساتھ بالخصوص ماہ صیام اور ازمنہ سرکار دو عالم ؐ بہت زیادہ شفقت و رحمت سے پیش آتے ہر مسلمان کیلئے بھی ضروری ہے کہ یوم عید وایسے ہی اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرے جیسا کہ تعلیمات نبوی میں ہے۔ عید کا دن ہلے گلے کا دن نہیں، عیش و طرب کا دن نہیں۔ اظہار مسرت میں اوچھے پن کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہئیے۔ ہمیں بہترین امت کہا گیا ہے۔ ہمیں اپنے وقار اپنی اقدار و روایات کی پاس داری کرنی چاہئیے۔ جو خوشی منانی چاہئیے۔ مگر ہر جائز خوشی مناتے ہوئے یہ احساس باقی رہنا چاہئیے کہ ہماری خوشی کا اظہار کچھ ایسا تو نہیں کہ اس سے کسی دوسرے کو اذیت یا تکلیف پہنچ رہی ہو۔ ہمارے اخلاق و کردار بلند ہونے چاہئیں، ہمارا دین مذہب اور ہمارا تشخص اسلام ہے ہمیں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئیے۔ جو ہمارے دین و مذہب کے خلاف ہو یا اس کے شایان شان نہ ہو۔

عید کے دن عزیز و اقارب، دوست احباب، اہل محلہ وغیرہ سے محبت سے ملنا معانقہ و مصافحہ کرنا۔ محبت و خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کو ہدیے تحفے دینا بزرگوں کے مزارات پر حاضری دینا فاتحہ خوانی کرنا۔ اچھے کھانے پکا کر خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا قبرستان جانا مریضوں کی عیادت کرنا مستحق طبقے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا یہ سب ہمارے نبی مکرم ؐ اور بزرگان دین کا طریقہ ہے غیر قوموں کی اندھی تقلید میں اگر ہم اعمال قبیحہ کا مظاہرہ کریں گے۔ تو ان کے اور ہمارے درمیان وجہ امتیاز و تخصیص کیا رہ جائیگی

جس طرح پورا ماہ صیام اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کی خاطر تقویٰ کو اختیار کیا اور اس کی رحمتوں برکتوں کے طالب رہے۔ یوم عید وہ کیفیت کیوں ختم کر دی جائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی عبادت اور طریقہ پسند ہے۔ جو کم ہو لیکن مستقل ہو۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال اور افعال کی جو تربیت ماہ رمضان میں ہوتی ہے۔ آئندہ رمضان تک اس کا مظاہرہ ہونا چاہئیے اور جس کی نیت صادق اور جذبہ مخلص ہو عید کی حقیقی مسرتیں اسی کو ملتی ہیں۔ سعادتیں اسی کا مقدر ہوتی ہیں۔ حضور کے کاشانے کو کسی نے یوم عید روتے ہوئے دیکھا پوچھا کہ عید کے دن یہ آنسو کیسے فرمایا اے بھائی ماہ صیام اللہ تعالیٰ کا مہینہ تھا۔ نہیں معلوم وہ مجھ سے خوش گیا ہے یا ناراض رخصت ہو کے بارگاہ الٰہی میں عرض گزار رہیوں کہ اس ماہ مقدس و محترم کے احترام میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو معاف فرمادیا فیضان کرم الٰہی کی بارش جاری ہے یہ اپنا مقدر ہے کہ کس کے حصے کتنا آتا ہے۔ ہمیں تو یہی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ لگن اور محنت کا ثمر آخر مل کے رہتا ہے۔ اور رب کریم سے کوئی کیا مایوس ہو تو اس کی رحمت و بخشش سے بہرہ ور ہونے کی بات اس میں نہیں ہوتا کیونکہ اس کی رحمت بہانہ مانگتی ہے۔ واللہ نصیر۔

شوال المکرم سنہ ۱۴۰۸ء

عید کا مفہوم :- عید عود سے ہے اس کے معنی لوٹ کر آنے کے ہیں۔ کیونکہ یہ دن بار بار آتے اور دلوں کو نشاط زندگی سے روشناس کرتے۔ تمام اقوام میں ہزاروں سال سے یہ بات چلی آتی ہے کہ سال میں ایک یا ایک سے زائد ایسے دن ہیں جن میں اچھا لباس زیب تن کر کے آبادی سے باہر جا کر اپنی شوکت اور حیثیت کی نمائش کرتے ہیں کاروبار بند کر کے ہر قسم کی تفریحی کھیلوں میں وقت گزارتے ہیں ایسا دن مقرر کرنے کی بہت سی وجوہ ہیں جو ہر قوم میں مختلف پائی جاتی ہیں۔

تاریخ انسانی میں پہلی عید :- دنیا میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل اور قابیل کی اولاد میں جب کافی عرصہ جدا جدا رہنے کے بعد اکٹھی ہوئیں تو اس خوشی میں انہوں نے جشن اجتماع منایا اور اس کو ہمیشہ کے لئے ایک یادگار دن بنا لیا جیسا کہ تاریخ الامم للطبری صفحہ ۸۳ جلد اول میں ہے۔ واتخذوہ عیدًا یجتمعون الیہ فی سنۃ فتتبرج النساء للرجال۔

قوم ابراہیم کی عید۔ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں خوب زور شور سے عید منائی جاتی سارا وقت قسم قسم کی برائیوں میں گزرتا سب سے زیادہ زور بت پرستی پر تھا اسی عید کے دن قوم نے حضرت ابراہیم کو شرکت کی دعوت دی تھی۔ جس میں آپ نے جانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا تاکہ لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائیں۔ لیکن جاتے ہوئے راستے میں خود کو گرا دیا قوم اسی حالت میں چھوڑ گئی آپ نے واپس آکر وہ کام کیا جو اللہ کو منظور تھا۔ جیسا کہ تاریخ الامم للطبری صفحہ ۲۲ جلد ۱ میں ہے۔ فلما کان یوم العید خرجوا الیہ فخرج معہم ابراہیم علیہ السلام فلما کان ببعض الطریق القیٰ نفسہ وقال انی سقیم قرآن پاک نے بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین (سورۃ انبیاء)

مصریوں کی عید:- مصریوں میں عید منانے کا دستور بہت پرانا تھا اور سال میں ایک سے زیادہ عیدیں مناتے تھے لیکن عید نوروز خوب زور شور سے منائی جاتی تھی۔ قرآن نے ان کے تہوار کو یوم الزینۃ سے تعبیر کیا ہے۔ اس میلہ میں تمام قوم بالخصوص عورتیں بن سنور کر میلہ پر آتی تھیں۔ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے بعض عورتیں اپنے جسم کے کچھ کھلے حصے رکھ کر نکلتی تھیں۔

بنی اسرائیل کی عید :- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے ماہ محرم میں عاشورہ کے دن فرعون کے مقابلے میں فتح عظیم عطا کی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو فتح کا دن خیال کر کے خدا تعالیٰ کا شکر یوں ادا کیا کہ اس دن کا روزہ رکھا اور عبادت میں مصروف رہے۔

ہماری عید :- جب نبی کریمؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں اور چھوٹے چھوٹے تہواروں کے علاوہ نوروز اور مہرجان کے تہوار منائے جاتے تھے اور ان ایام میں لوگ عبادت الٰہی کے بجائے سارا وقت

لہو لعب خرافات میں گزارتے۔ حضور اکرمؐ نے تہواروں کو ختم کر کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن مقرر فرمائے۔
جاہلیت کے دور میں ہر سال دو دن تہوار کے طور پر منائے جاتے تھے جب نبی کریمؐ نے ہجرت فرمائی
تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے دن جن میں تم لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر
دنوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ نسائی ص ۱۳۱ جلد دوم۔

عید ایک عبادت ہے گذشتہ قوموں کی اعیاد کے تذکرے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ
انہوں نے کھیل تماشہ لہو لعب اور نفس پرستی کیلئے سال میں کچھ دن ایسے مقرر کر رکھے تھے جس میں
ان کے سفلی جذبات کی کسی حد تک تسکین ہو جاتی لیکن اخروی نعمتوں کے حصول کیلئے کچھ نہ تھا
اسلام نے جو عید مقرر کیں ان میں دنیوی اور اخروی دونوں قسم کے فوائد ہیں۔ توحید خداوندی اور اعلاء کلمۃ
اللہ کیلئے عید کے موقعہ پر تکبیرات پڑھنے کا حکم دیا۔ تاکہ عظمت خداوندی ہمارے رگ و ریشے میں رچ بس
جائے اس دن کی تقریبات منانے کیلئے ہر شخص کو اس کی صوابدید پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کے طریقے
متعین فرما دیئے۔ تاکہ اس موقع پر غیر شرعی اور فضول رسوم کیلئے قطعاً کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔
یہ دن تو مسلمانوں کی عظمت کے اظہار کا دن ہے۔ اور تقویٰ کے حصول کا دن ہے

لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِيْدَ — اِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ خَافَ الْوَعِيْدَ
لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا — اِنَّ الْعِيْدَ لِمَنْ تَرَكَ الْخَطَايَا

عید نئے نئے کپڑے پہننے اور بلند و بالا سواریوں پر سوار ہونے کا نام نہیں بلکہ گناہوں کو ترک کرنا
خدا کے غضب اور قہر سے ڈر کر اسلامی احکام بجا لانے والی قوم اصل عید ہے

ہم عید کیسے منائیں ۔ عید ایک عبادت ہے اور ہر عبادت کا طریق کار حضور اکرمؐ نے متعین
فرمایا ہے جس طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ کے طریق کار کو تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا ہے اسی طرح
عید کے احکام بھی وضاحت سے بیان فرمائے ہیں۔ نماز عید کو بلا اذان و تکبیر ادا کیا جائے عید کے روز
نئے یا کم از کم صاف کپڑے پہننا مسنون ہے۔ عید گاہ کی طرف آتے جاتے راستہ بدلنا بھی سنت ہے
احکام خداوندی کو پورا کرنے کے بعد اپنے اعزہ و اقارب سے ملے اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔
لیکن معاشرے کی حالت یہ ہے۔ کہ نماز عید سے فارغ ہو کر یوں سمجھتے ہیں جیسے ہم ہر قسم کے
قیود سے آزاد ہو گئے ہیں اب ذکر کوئی کام باقی نہیں رہا۔ اور پھر اسی طرح خدا اور رسول کی نافرمانی پر
اتر آتے ہیں۔ جذبہ نفس اور شکل کردار کا جو سبق برابر ایک ماہ تک پڑھتے رہے وہ عید کا
فوراً بعد بھلا دیا جاتا ہے۔ ہماری عید محض ایک تہوار ہی نہیں بلکہ عین عبادت ہے۔ مگر ہم نے
محض اسے ایک تہوار کی شکل دے رکھی ہے۔ — عید کے دن کھیل کود اور لہو لعب کا

پروگرام بنتے ہیں باطلوں کو سیر کے بہانے اپنے غلط قسم کے جذبات کو پورا کرنے کا سامان ہوتا ہے۔ اور
وہ تمام کام کر گزرتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے۔ جس کو ختم کرنے کیلئے آنحضرت کا ظہور
ہوا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس دن میں لہو و لعب کو چھوڑ کر خدا اور رسول اکرم کی
اطاعت کریں اسی میں نجات ہے اور یہی کامیابی کا راستہ ہے۔۔۔ ندائے حبیب شوال ۱۴۰۸ھ

دعائے بخشش:۔ عید سعید کی پر مسرت اور سہانی صبح ہے۔ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ کی جزائے
خیر کے حقدار بندگانِ خدا خوش و خرم ہیں اور اس سعادت و توفیق کے حاصل ہونے پر نازاں ہیں تو ادھر
خالقِ کائنات بھی اپنے فرشتوں کو جمع فرما کر اپنے ذاکر بندوں کے سبب مفاخرت فرماتا ہے کہ۔
اے فرشتو۔ دیکھ لو یہ اُس آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ جس کی پیدائش کے وقت تم نے اتجعل
فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء کہا تھا۔ اس وقت میرے علم میں ان کے ظاہر و باطن کی نورانیت
اور روحانیت کے یہی نظارے تھے۔ اسی لئے میں نے تمہارے جواب میں فرمایا تھا۔ انی اعلم ما لا تعلمون۔
اس کے بعد اپنے بے شمار فرشتوں کو زمین پر بھیج دیتا ہے۔ تاکہ وہ شہروں اور بستیوں میں پھیل کر
ندا کرتے پھریں کہ اے میرے حبیب کے امتیو! اپنے گھروں سے باہر نکلو! اور اپنے رب کریم کی طرف
دوڑو کیونکہ آج وہ تمہیں نعمت و عطا سے نوازنے والا ہے۔ اور تمہارے بڑے بڑے گناہوں کو بخشنے والا
ہے۔ تمام مخلوق فرشتوں کی اس پر سرور آواز سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور سب چھوٹے بڑے مسواک
اور غسل کرکے تیل اور خوشبو لگا کر اُجلا اُجلا عمدہ لباس زیبِ تن کئے اپنے گھروں سے نکل کر خدائے واحد کی
توحید کا اعلان کرتے اور تعالیٰ کی اس نعمت و بخشش کا شکریہ ادا کرتے اور اپنے مالکِ حقیقی سے
انعام و اکرام حاصل کرنے کے لئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں جہاں جمع ہو کر تمام خوش قسمت بندے
صف بستہ اپنے خالقِ مطلق کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ تو رب قدیر فرشتوں سے فرماتا ہے۔
اے میرے فرشتو! اس کی جزا کیا ہو سکتی ہے جس نے اپنا کام انجام دے لیا ہو۔ تو رب تعالیٰ کے
اس ارشاد کے جواب میں فرشتے عرض کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب جس مزدور نے اپنے کام کو بخیر
و خوبی انجام دیا ہو۔ اس کے لئے پوری پوری اجرت دینا ضروری ہے۔ پھر رب رحیم فرماتا ہے۔
اے فرشتو تم گواہ رہنا کہ میں نے اپنے بندوں کے روزوں اور شبانہ روز عبادتوں کو مقبول و منظور
فرما کر ان کو بخشش دیا ہے اور انہیں ثواب عظیم عطا کر دیا۔ اس کے بعد مولیٰ تعالیٰ اپنے روزہ دار بندوں
کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ۔ اے میرے بندو! مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم جو مانگو گے دیا
جائے گا۔ اور تمہاری ہر دینی اور دنیاوی مراد پوری کرنے کے علاوہ تمہیں اپنے دیدار پر انوار سے مشرف
فرماؤں گا۔ اس کے بعد بندے رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کر دینے کے لئے صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔

ابوبکر صدیق کی عید۔ عید گاہ میں لوگ دوگانہ عید ادا کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ تکبیر کی آواز سے مدینہ منورہ کی فضائے پاک گونج رہی ہے۔ لوگوں کے ہجوم میں ایک بزرگ صورت انسان، جن کے چہرے سے جلال برس رہا ہے۔ جلوہ افروز ہیں۔ وہ اپنی گفتگو میں مسائل بیان کرتے یا مومنین کے جواب دیتے وقت اپنے کلام کا آغاز قال اللہ عزوجل اور قال رسول اللہ ؐ سے کرتے ہیں۔ یعنی ہر مسئلہ ہر بات میں کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ہی سے استدلال فرماتے ہیں۔ کچھ معلوم کیا آپ نے یہ کون بزرگ ہیں؟ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے جانشین اور خسر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہی پہلے ہی روز یہ اعلان فرمایا کہ۔ یا معشر المسلمین آپ لوگوں کو جو عہدہ جلیلہ مجھے دے کر میری عزت افزائی کی ہے۔ اس کی ذمہ داریاں بڑی کٹھن ہیں۔ اور اس نازک ترین فرض سے عہدہ برآ ہونا ایک سخت امتحان ہے تاہم میں اس کو ادا کرنے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔ مگر سب سے پہلی بات جو میرے منہ سے نکل رہی ہے۔ یہ ہے کہ میرے نزدیک تم میں جو ضعیف ہے۔ وہ قوی ہے اور جو طاقتور ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ پس اے مسلمانوں تم پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ جن میں ایک فرض یہ ہے کہ اگر میں تمہیں راہ راست پر چلاؤں تو تم میری اطاعت کرو۔ اگر غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ قرآن و سنت کی پیروی کو لازم پکڑو۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ لوگو! ہر آن خدائے عزوجل کا خوف دل میں رکھو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو پیش نظر رکھو۔ اور اعمال صالحہ میں لگے رہو۔ اپنی ذمہ داریوں سے کبھی غافل نہ ہو۔ ہاں تو یہی صدیق اکبر ؓ ہیں جو انبوہ کثیر میں بیٹھے عید الفطر کے مسائل و احکام بیان فرما رہے ہیں۔ یہ وہی صدیق اکبر ہیں جن کی ہیبت سے تمام سلطنتیں لرزہ براندام ہیں۔ اور جن کا اسم سن کر بڑے بڑے جابر و ظالم بادشاہوں پر کپکپی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن آج کے دن اُن کے تہبند میں گیارہ اور اُن کے کرتے میں پانچ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ چادر میں جگہ جگہ سوراخ ہیں عمامہ بھی پھٹا ہوا ہے۔ اور جوتا بھی خود مرمت کر کے پہنا ہے۔ اسی مجلس میں کسی نے پوچھا اے خلیفۂ رسول آج عید کے روز تو کوئی اچھا لباس پہن لیا ہوتا۔ پروانۂ شمع نبوت نے جواب دیا۔ یہ سچ ہے کہ میں بنی نوع اسلام کا خلیفہ ہوں۔ لیکن یقین مانو۔ ابوبکر اسی قدر کا مستحق ہے۔ جس قدر قوت لا یموت کیلئے ضروری ہے۔ اور اسی قدر پہننا ہے۔ جس قدر تن ڈھانپنے کیلئے لازم ہے۔ یاد رکھو کھانا اور پہننا زندگی کے دو لوازم ہیں۔ لیکن ان کو اتنا بڑھا لینا اچھا نہیں۔ کہ یہ ہمارے پاس ضرورت سے زیادہ موجود رہیں۔ لوگو! جب میں رسول محترم کی حیات مقدسہ کا نقشہ سامنے لاتا ہوں۔ تو میرے دل پر عجیب کیفیت گزرتی ہے۔ حضور ؐ نے کبھی شکم سیر ہو کر روٹی نہ کھائی تھی۔ اور جب سے حضور نے پردہ فرمایا ہے۔ میں نے بھی

اچھا کھانا کھایا ہے۔ اور نہ اچھا کپڑا پہنا ہے۔ میرے لئے تو سید و رسالت کی محبت کافی ہے۔ اور میں اسی پر
اپنا خاتمہ چاہتا ہوں۔ نماز عید سے فارغ ہو کر لوگوں نے خلیفۂ رسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے گھر کا حال
دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے کاشانہ قدسی میں صبح صرف چار مٹھی ستو موجود تھے۔ جنہیں سب
افراد نے پانی سے کھا کر عید کی نماز پڑھی ہے۔ اور کپڑوں کا یہ حال کہ کسی بچہ تک کی نئی پوشاک نہیں
بن سکی۔ سب نے پھٹے ہوئے کپڑوں میں نماز ادا کی۔ اور اسی میں اللہ کا شکر ادا کیا۔
ہے۔ پاؤں تلے تو قیصر و کسریٰ کے تاج تھے۔ گھر کا یہ حال تھا کہ وہاں بوریا نہ تھا۔

فاروق اعظم کی عید:۔ حضرت سیدنا عمر بن الخطابؓ کا رعب و دبدبہ تھا چار دانگ عالم
میں پھیلا ہوا ہے۔ دور و نزدیک کی چھوٹی بڑی حکومتیں آپکا نام سن کر کانپ رہی ہیں جب کوئی جابر
و سرکش حکمران کسی سے عمر کا نام سنتا ہے تو اسے پسینہ آ جاتا ہے۔ اور مارے خوف کے اس کا
چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ ایک عید الفطر کا نظارہ دیکھنے کیلئے کسی بہت بڑی سلطنت
کا سفیر مدینہ منورہ میں مقیم ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ عید کے روز سیدنا فاروق اعظمؓ
کے سر پر تاج شہی جگمگا رہا ہوگا۔ بیش قیمت لباسِ دیبا زیب تن ہوگا اور فوجیں سلامی دینے کی توپیں
سر ہونگی محل شاہی سے لیکر عیدگاہ تک فوج اور پولیس کا مسلح پہرہ ہوگا۔ حفاظتی دستے باڈی
گارڈ اور امراء و عمائدِ سلطنت آپ کے ساتھ ہونگے اور ایوان خاص سے شاہانہ طریق سے باہر نکل
کر کسی مرصع تخت پر اجلاس فرمائیں گے لوگ آپ کو جھک جھک کر بلکہ زمین بوس ہو کر سلام کریں
گے۔ اور نذرانے دیں گے۔ لیکن سفیر کا یہ خیال غلط اور بالکل غلط نکلا اور اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ
رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ عمر فاروقؓ جنہیں نے سارے دنیا کو لرزا رکھا ہے۔ اور جو قیصر روم اور
کسریٰ ایران کے تخت و تاج کو پائے استحقار سے ٹھکراتا ممالکِ عظیمہ کو فتح پر فتح کرتا چلا جاتا
ہے ایک معمولی سے ٹوٹے پھوٹے مکان سے باہر نکلا ہے۔ نہ اس کے دروازے پر پہرہ ہے نہ سڑکوں
پر فوج اور پولیس متعین ہے۔ وہ پرانا دھلا ہوا لباس پہنے ہوئے ہے جس کی قیمت چند پیسوں
سے زیادہ نہیں۔ اور جس میں جا بجا چھوٹے بڑے پیوند لگے ہوئے ہیں۔ وہ عید کی نماز پڑھنے ایک
میدان کی طرف جا رہا ہے۔ راہ میں جو شخص اس سے ملتا ہے۔ اس کو امیر المومنین کہکر السلام علیکم
کہتا معمولی آدمیوں کی طرح اس سے مصافحہ کرتا اور سادہ طریقے سے مزاج پرسی کرتا ہے۔ اور بعض عمر
رسیدہ لوگ تو اس کا نام لیکر بھی مزاج پرسی کرتے ہیں۔ ہاں ایک قدرتی جاہ و جلال اس کے چہرے
مبارک سے ٹپکتا پڑتا ہے۔ کوئی آنکھ اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔ معلوم ہی اس کا احترام یہ ہے کہ
اسی کا حکم ہر سب کی زبانیں لبیک کہہ اٹھتی ہیں۔ ۔۔۔۔ جناب فاروق اعظمؓ عیدگاہ

تشریف لے گئے تو عمر کی مبارک بادی میں حاضرین نے آپ کو اھلاً وسھلاً مرحبا کہہ کر آپکا استقبال کیا۔
جب لوگ آپ سے شرعی مسائل پوچھنے لگے۔ تو اس وقت عوام کا انداز تکلم بے تکلفانہ تھا۔ اور
سیدنا فاروق اعظمؓ کے جواب پر بعض آدمی کچھ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ آپ کی بات بھی کاٹتے ہیں۔ اور جس
شخص کی کسی مسئلہ پر تسلی نہ ہوتی وہ بحث بھی کرتا اور اپنے دلائل بھی دیتا۔ فاروق اعظمؓ کو
کوئی دلیل اپنے ثبوت سے معقول نظر آتی تو فوراً تسلیم کر لیتے۔ اور کہہ دیتے کہ بھائی مجھ سے غلطی
ہوئی یہ مسئلہ واقعی ایسا ہی تھا جیسا تم نے بیان کیا۔ سفیر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔
اور دیکھ دیکھ کر ششدر ہو رہا تھا۔ کہ کہاں بادشاہوں اور ان کی سلطنتوں کو لرزا دینے والا عمر فاروق
اور کہاں یہ بے تکلفی کہ ہر شخص اس کے ساتھ بلا جھجک ایسی گفتگو کرتا ہے۔ جیسے بات چیت
عام لوگوں سے کی جاتی ہے ____ نماز سے فارغ ہوکر جناب عمر فاروق لوگوں سے مصافحہ
و معانقہ کرتے ہوئے گھر لوٹنے لگے۔ تو چند اللہ والے ان کے ہمراہ تھے۔ گھر نزدیک آیا۔ تو آپ سے لوگ
رخصت ہونے لگے۔ لیکن آپ انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ اور دوپہر کا کھانے کی دعوت دی۔ حضرت
فاروق اعظمؓ نے صحن میں معمولی چٹائیوں پر بٹھایا۔ اور خود اندر تشریف لے گئے سفیر نے سوچا کہ
خلیفہ صاحب اگر بظاہر سادہ سے آدمی ہیں تو کوئی بات نہیں سادگی کی انہیں عادت ہوگی مگر
دعوت میں تو بہت ہی پر تکلف اور لذیذ ترین کھانے آئیں گے۔ لیکن اس کا یہ طلسم بھی بہت
جلد ٹوٹ گیا۔ حضرت عمر ہاتھوں میں آفتابہ لے کر آئے اور بنفس نفیس لوگوں کے ہاتھ دھلانے لگے
پھر خود ہی اندر سے کھانا لانے لگے۔ ایک بڑے مٹی کے برتن میں جو کا دلیہ تھا ایک طباق میں چھوہارے
تھے۔ اور ایک رکابی میں شوربا تھا۔ یہ تھی اسلام کے بہت بڑے حکمران کی دعوت طعام جو نہایت
بے تکلفی سے کھائی گئی اور جس سے غیر ملکی سفیر کے دبدبے پیچھے کے پیچھے رہ گئے۔

امیر المومنین کی عید! عمر بن عبدالعزیز جس تاریخ عمر ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ کا عہد سعادت
ہے۔ مسلمانوں کی سطوت قوت کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ خوشحالی کا دور دورہ ہے۔ کوئی شخص
بھوکا نہیں ہے۔ لوگ زکوٰۃ لے کر حاجتمندوں کو تلاش کرتے ہیں۔ مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا۔ مال و دولت
کی ریل پیل کے زمانے میں عید آتی ہے۔ دارالحکومت دمشق کے باشندے تیاریوں میں لگ جاتے
ہیں کیا امیر کیا غریب سب اپنے بال بچوں کیلئے نئے کپڑے بنواتے ہیں لیکن امیر المومنین کے ہاں اس کا
کوئی اہتمام نہیں ہوتا نظر آتا امیر المومنین کے بچوں کے دل میں بھی فطری خواہش مچلنے لگتی ہے یا ان
کا بھی جی چاہتا ہے۔ کہ اچھے اچھے کپڑے پہنیں اپنی والدہ محترمہ (فاطمہ) کے پاس جاتے ہیں۔ اور
کہتے ہیں ہماری امی جان کل عید ہے۔ سب لوگ اپنے بچوں کیلئے نئے کپڑے سلوا رہے ہیں ہمارے پاس کوئی

Date

نیا کپڑا نہیں ہے۔ پرانے ہیں۔ تو ان میں بھی پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں نئے کپڑے بنوا دیجئے ہم امیرالمومنین
کے بیٹے ہوتے ہوئے پھٹے پرانے کپڑوں میں عید منائیں یہ کوئی اچھی بات نہ ہوگی۔ والدہ جو خلیفہ عبدالملک
بن مروان کی شہزادی بیٹی۔ اپنے بچوں کو ہر چند ٹالتی ہیں سمجھاتی ہیں۔ حتی کہ اسی میں رات ہو جاتی ہے
مگر بچے ہیں کہ نئے کپڑے بنوانے پر بضد ہیں۔ آخر پچھلی رات کو وہ اپنے شوہر کی خدمت میں حاضر
ہوتی ہیں۔ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز پھٹے پرانے کپڑے زیب تن کئے جانماز پر بیٹھے اپنے خالق و
مالک کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں داڑھی آنسوؤں سے تر ہو رہی ہے۔ فاطمہ
اس منظر سے بے حد متاثر ہوتی ہیں۔ بڑی دلسوزی کے انداز میں کہتی ہیں۔ امیرالمومنین
صبح عید ہے۔ تمام لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور آپ ایسے موقع پر گریہ زاری میں مصروف ہیں۔
رمضان کا پورا مہینہ گزر گیا ہے۔ امیرالمومنین جواب میں کہتے ہیں۔ کیا ہی مبارک مہینہ تھا۔
اللہ تعالیٰ نے ہمیں راست بازی اور تقویٰ و اطاعت شعاری کا کیسا اچھا موقع دیا تھا۔ مجھے یقین
نہیں کہ اس سنہری موقع سے ہم نے کوئی فائدہ اٹھایا اور اپنی اصلاح کی۔ کیا ہم نے اتنی نیکیاں
جمع کر لی ہیں۔ کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے بچ جائیں؟ میں اپنا احتساب کرتا ہوں
تو یہی محسوس ہوتا ہے۔ رمضان کا پورا مہینہ بیکار گنوا دیا۔ یہ کہتے ہی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ عمر
بن عبدالعزیز اگرچہ امیرالمومنین ہیں۔ لیکن ان کے گھر میں نہ خوشبو ہے۔ نہ عرق گلاب۔ چنانچہ ہوش
میں لانے کیلئے ان کے منہ پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔ ہوش میں آتے ہی تو اہلیہ سے یک جبات سے
پوچھتے ہیں۔ فاطمہ تم کس لئے آئی تھیں۔ بچوں نے مجھے رات بھر سونے نہیں دیا۔ وہ عید کیلئے نئے
کپڑوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم امیرالمومنین کے بیٹے ہیں۔ دوسرے سب لوگ تو نئے
اور اچھے اچھے کپڑوں میں عید منائیں اور ہم پرانے کپڑوں میں۔ یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ ان کے
اصرار سے مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ (فاطمہ جواب دیتی ہے)
امیرالمومنین کہتے ہیں۔ فاطمہ کیا تم نہیں جانتی ہمارے پاس پیسہ کہاں ہے۔ کہ بچوں کو نئے کپڑے
بنوا کر دیں۔ تمہیں اچھی طرح علم ہے میں بیت المال سے روزانہ صرف دو درہم لیتا ہوں۔ جن سے
روزمرہ کی ضروریات بھی بمشکل پوری ہوتی ہیں۔ پھر میں نئے کپڑوں کا اہتمام کیسے کر سکتا ہوں
فاطمہ کہتی ہے۔ آپ امیرالمومنین ہیں۔ خزانہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں سے بقدر ضرورت
رقم نکال سکتے ہیں۔ امیرالمومنین فرماتے ہیں۔ بیت المال جو کچھ ہے میرا نہیں ہے مسلمانوں
کا ہے۔ میں تو بس اس امانت کا امین ہوں مسلمانوں کی اجازت کے بغیر اس میں سے ایک پیسہ
بھی نہیں نکال سکتا۔ کیا تم پسند کرتی ہو کہ اپنے بچوں کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے میں اس

امانت میں خیانت کروں اور اپنے آپ کو آخرت کی سزا کا مستوجب قرار دے دوں امیرالمومنین کی باتوں سے فاطمہ بے حد متاثر ہوتی ہیں۔ اور کہتی ہیں اچھا میں آپ کو طریقہ بتاتی ہوں۔ ایک مہینہ کی تنخواہ پیشگی نکلوالیں۔ اس طرح ہم نئے کپڑے بنوالیں گے۔ بچوں کی خاطر تھوڑی سی تکلیف بھی اٹھا لی جائے تو کوئی بات نہیں۔ امیرالمومنین ایک نظر بیوی پر ڈالتے ہیں۔ اور کہتے ہیں فاطمہ کیا تمہیں یقین ہے کہ میں مہینے تک زندہ بھی رہوں گا۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ جبکہ موت یقینی ہے۔ اور کوئی شخص نہیں کہہ سکتا۔ کہ کب مرے گا۔ وہ کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ پھر میں پیشگی مشاہرہ کیسے کر سکتا ہوں۔ بچوں سے کہو دنیا کی عشرت سامانیوں کے پیچھے دیوانے نہ بنیں۔ عیش و عشرت کے یہ سامان نہ پائیدار اور ڈھلتی چھاؤں ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ آخرت کی مسرتوں کو تلاش کریں۔ وہاں کا عیش و آرام پائیدار اور ابدی ہوگا۔ فاطمہ خاموشی سے چلی جاتی ہے۔ امیرالمومنین کے بچے اپنے پرانے پیوند لگے کپڑوں میں عید مناتے ہیں اور دوبارہ حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتے

نورالحبیب جلد ۷ مارچ ۱۹۹۵ء شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

-o-

کاش ہم شہر مدینہ کا نظارا کرتے — غم و فکر کی دنیا سے کنارا کرتے

رحمت و نور کی دھاروں میں نہاتے دن رات — پیارے آقا کو محبت سے پکارا کرتے

پھول تو پھول ہیں کانٹوں سے محبت کرتے — شوق سے گیسوئے تقدیر سنوارا کرتے

زیرِ دامانِ شہنشاہِ عرب شام و سحر — نعت پڑھتے ہوئے آقا کی گزارا کرتے

خاکِ طیبہ بھی ہم آنکھوں کا بناتے سرمہ — ہر گھڑی گنبدِ خضریٰ کا نظارا کرتے

سبز گنبد کی تجلّی پہ نظر ہوتی نسیم
تا ابد بخشش و رحمت کا سہارا کرتے

کاش ہم شہر مدینہ کا نظارا کرتے — غم و فکر کی دنیا سے کنارا کرتے

حقائق شب قدر

علامہ غلام رسول سعیدی

اللہ تعالیٰ نے فرزندانِ اسلام کو متعدد مقدس اور مبارک راتیں عطا فرمائی ہیں۔ شب میلاد، شب معراج، شب برأت اور شب قدر یہ سب ہی قدر و منزلت کی راتیں ہیں۔ اِن راتوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے انعام و اکرام سے نوازا ہے۔ یوں تو کوئی لمحہ اس کی عطا سے خالی نہیں اگر اس کی عطا نہ ہو تو عالم ویران ہو جائے۔ مگر اس کی نوازشوں کا جو انداز شب قدر میں ہوتا ہے۔ وہ کسی اور رات میں نظر نہیں آتا۔ اس رات میں اس نے اپنا کلام اتارا۔ اور اس لغت سے کتنی ہی لفظوں کے دروازے کھلے زبان انسان نطق یزداں کی محافظ بنی سینہ بشریت لاہوتی اسرار کا محرم ہوا۔ اور پیکر آب و گل میں وحی الہی کے فانوس روشن ہو گئے۔

اس رات کے مجاہدوں پر غروب آفتاب سے سپیدۂ سحر تک نور برستا رہتا ہے۔ رحمتیں ہزار گنا بڑھ جاتی ہیں۔ اس رات کا منظر دیکھنے کیلئے فرشتے آسمانوں سے قطار در قطار اترتے ہیں۔ اور جب انسان کی عبادتوں کے شکوہ اور ریاضتوں کے جلال پران کی نگاہ پڑتی ہے۔ تو برسوں کے مان ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور لاکھوں سال کی عبادتوں پر ناز کرنے والے قدسیوں کو اس رات کے عابدوں پر سلام بھیجنا پڑتا ہے

شب قدر کا معنیٰ اور مفہوم۔ قدر کے معنے پائے اور مرتبے کے ہیں۔ اس رات کو شب قدر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سال کی باقی راتوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ بلند پائے اور عظیم مرتبہ کی رات ہے یا اس لئے کہ اس رات میں عبادت کی قدر و منزلت باقی راتوں کی نسبت ہزار درجہ سے بھی زیادہ ہے۔ یا اس سبب سے کہ اس رات کے عابدوں کی قدر اللہ کے نزدیک باقی راتوں کے عابدوں سے کہیں زیادہ ہے۔ قدر کا لفظ قضا و قدر کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور فرشتوں کو چونکہ اس رات انسان کی ایک سال تقدیر کا قلمدان سونپ دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس رات کو شب قدر کہتے ہیں۔ قدر کا ایک معنیٰ تنگی کے بھی ہیں۔ چونکہ فرشتے بڑی کثرت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے بھی اس رات کو شب قدر کہتے ہیں۔

حصول شب قدر کا سبب۔ رسول اکرم ﷺ گزشتہ امتوں کے احوال بیان فرماتے تھے۔ ان کی ریاضتوں کا طول اور عبادتوں کی کثرت بتلاتے تھے۔ اسی اثناء میں ایک دن فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ہزار ماہ جہاد کیا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ شمعون علیہ السلام۔ ایک ہزار ماہ تک راہ خدا میں کفار سے لڑتے رہے۔ وہ جو دن رات حصول عبادت اور مسابقت خیر میں کوشاں رہتے تھے۔ انہوں نے جب ان طویل عبادتوں کا قصہ سنا تو پژمردہ

ہو گئے۔ لمبی عبادت کی اس دوڑ میں آگے بڑھنے کیلئے شوق کا ایک شرارہ اٹھا اپنی عمروں کی تنگ
دامانی دیکھ کر سرد پڑ گیا۔ جب حضور فرماتے کہ بنی اسرائیل کے فلاں شخص نے اسی سال عبادت کی
اور کوئی گناہ نہ کیا۔ تو اس مقام کے حصول کیلئے دل مچلتے اور منزل کو دسترس سے باہر پاکر آزردہ ہو
جاتے۔ شوق کی لہریں ابھرتیں اور قضا و قدر کی چٹان سے ٹکرا کر بکھر جاتیں۔ رحمت خداوندی سے بندوں
کا یہ کرب دیکھا نہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا تمہاری عمر نہیں بڑھ سکتی اجر تو بڑھ سکتا ہے۔ ہزار
ماہ کی طویل عمر نہ سہی ہم تمہیں ایک ہی رات میں ہزار ماہ کا اجر دے دیتے ہیں۔

ماہ صیام اور شب قدر۔ قرآن کریم فیاض ہے۔ اسے نازل کرنے کیلئے رات بھی ایسی ہونی چاہیئے تھی
جو اپنی فیاضی میں آخری سرحدوں کو پہنچی ہوئی ہو۔ اس لئے قرآن کریم کو شب قدر جیسی فیاض شب
میں نازل کیا گیا۔ رمضان کی کسی ایک طاق رات میں شب قدر آتی ہے۔ کسی اور ماہ میں بھی آسکتی تھی۔
مگر اس رات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام اتارنا تھا۔ بندوں کو اپنی صفت کا امین بنانا تھا۔ لہٰذا اس
کے لئے وقت بھی ایسا درکار تھا۔ جس میں بندوں کو اپنے رب سے کچھ مناسبت ہوتی۔ رمضان میں
بندے اپنے مولا سے قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مادی اقتضاء کے باوصف تجرد
کو اپنانے میں لگے رہتے ہیں۔ تنزیہہ و تقدیس کی ایک جھلک کے حصول کی خاطر کھانے پینے
اور دوسرے طبعی تقاضوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر جب مادیت کے حجاب اٹھتے ہیں تو سینہ
بشریت اسرار وحی کے لائق ہو جاتا ہے۔

شب قدر کی تعیین۔ شب قدر کی تعیین میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں چھیالیس
اقوال دلائل کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ ہم ان میں سے آئمہ مذاہب کے اقوال منتخب کر لیتے ہیں
امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔ کہ شب قدر ہمیشہ ایک
تاریخ میں نہیں ہوتی بلکہ رمضان کے آخری عشرہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ امام شافعی کا مذہب
ہے کہ شب قدر آخری عشرہ کی پہلی رات میں ہے۔ اور مشہور رائے کے مطابق امام ابو حنیفہ کے
نزدیک سال کی کسی تاریخ میں یہ رات ہو سکتی ہے۔ لیکن علامہ بدرالدین عینی حنفی
فرماتے ہیں۔ کہ امام اعظم کے نزدیک شب قدر رمضان ہی کی کسی رات میں ہوتی ہے۔ اور امام ابو
یوسف امام محمد کے نزدیک شب قدر رمضان ہی میں کسی ایک رات معین رات میں ہوتی ہے۔
شب قدر کے تعیین میں اس قدر اختلاف کے باوجود جمہور امت کا اس پر اتفاق ہو
چکا ہے۔ کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ اور اکثریت کا مختار یہی ہے۔
کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت ابی کعب بغیر کسی استثناء کے

قسم کھا کر فرماتے تھے۔ کہ یہ ستائیسویں رات ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے۔ اور طاق اعداد میں سات کا عدد پسندیدہ ہے۔ اور اس پر سات زمینوں، سات آسمانوں، سات اطفاد ہر سیدہ، ہفتہ کے سات دنوں اور سات طواف کے پھیروں سے استدلال کرتے تھے۔ اور جب ثابت ہو گیا کہ سات کا عدد پسندیدہ ہے۔ تو پھر یہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی ساتویں رات ہونی چاہیئے۔ فخر رازی نے حضرت ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے حروف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن کریم میں تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ جن کا مجموعہ ستائیس ہے پس یہ رات ستائیسویں ہی ہونی چاہیئے۔ بہرحال یہ سب قرائن ہیں اور زیادہ سے زیادہ ظن کا فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور شب قدر کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کونسی رات ہے۔

شب قدر کے اخفا کی حکمتیں: اللہ اور اس کے رسول ؐ نے صراحتہً شب قدر کی تعیین نہیں فرمائی۔ اور طرح اس لیلۃ القدر کو ابہام کے حجاب میں مستور رکھا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں۔ کہ شب قدر کو اس لیئے آشکارا نہیں کیا تاکہ امت میں ذوق تجسس اور گرمئی عمل برقرار رہے نیز لکھتے ہیں۔ کہ اگر لیلۃ القدر کو ظاہر کیا جاتا تو لوگ عام طور پر اسی رات کی عبادت پر اکتفا کر لیتے اور راہ عمل مسدود ہو جاتی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا جاگنا اور اسے یاد کرنا زیادہ محبوب ہے۔ عدم تعیین کے سبب لوگ شب قدر کی تلاش میں متعدد راتیں جاگ کر گزاریں گے اس لیئے اس کو مخفی رکھا۔ امام رازی فرماتے ہیں۔ کہ اگر شب قدر کو معین کر دیا جاتا تو جس طرح اِک رات میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادت جتنا ہوتا اس طرح اس میں گناہ بھی ہزار درجہ بڑھ جاتا اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اس رات کو ابہام اور اخفا میں رکھا تاکہ اگر کوئی شخص اسکو اتفاقاً پا کر عبادت کرے تو اسے ہزار ماہ کی عبادتوں کا ثواب مل جائے لیکن اگر کوئی شخص غفلت اور جہالت سے اس رات میں کوئی گناہ کر بیٹھے تو تعیین کا علم نہ ہونے کی وجہ سے لیلۃ القدر کی عظمت مجروح کرنے کا گناہ اس کے ذمہ نہ آئے۔

علم رسالت اور شب قدر: رسول اکرم ؐ کو شب قدر کی تعیین کا علم تھا یا نہیں ہمارے نزدیک تو یہ ہے کہ اس کے بارے میں بحث ہی بے ادبی ہے۔ نبی کو دین کے احکام اور شریعت کے اسرار کا ہی علم نہ ہو تو پھر نبوت کا کیا مفہوم رہ جاتا ہے۔ لیکن اس بے لگام دور میں چونکہ کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضور ؐ کو بھی شب قدر کی تعیین کا علم نہیں تھا۔ اس لیئے ہم بھی اس موضوع پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں اس سلسلہ میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جسے عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں۔

کہ حضورؐ ہمیں لیلۃ القدر بتانے تشریف لائے۔ تو دو مسلمان آپس میں لڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو لیلۃ القدر کی خبر دینے آیا تھا۔ پس فلاں فلاں لڑ پڑے۔ اور اس کی تعیین کو اٹھا لیا گیا۔ اور شاید یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ پس اس رات کو انتیسویں ستائیسویں اور پچیسویں تاریخوں میں تلاش کرو۔

بخاری جلد ا صـ ۲۷۱ اس حدیث کے بعد حضورؐ کے اس فرمان سے نفی علم پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ خدا رہت دھنزہ لیلۃ القدر ثم انسیتھا = مجھے یہ رات دکھا دی گئی تھی۔ پھر بھلا دی گئی بخاری شریف جلد ا صـ ۲۷۱ آئیے دیکھیں شراح بخاری نے اس حدیث کی کیا شرح کی ہے۔ یہ ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ فتح الباری جلد ۴ صـ ۱۶۴ مراد یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی تعیین کا علم حضورؐ سے صرف اس سال بھلا دیا گیا اور اس کا سبب عبادہ بن صامت کا بیان کردہ واقعہ ہی بات اس حدیث کے تحت علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری جلد ۱۱ صـ ۱۳۳ میں اور جناب انور شاہ کشمیری نے فیض الباری جلد ۳ صـ ۱۸۳ میں بیان کی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے وما ادراک ما لیلۃ القدر اور سفیان بن عیینہ سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کہ قرآن کریم میں وما ادراک کے ساتھ جن چیزوں کا ذکر ہے۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتلا دی ہیں۔ بخاری جلد ا صـ ۲۷۱ اس کے علاوہ حافظ محمد بن علی شوکانی نے بھی تفسیر فتح القدیر جلد ۵ صـ ۴۷۲ میں اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ اور شارحین بخاری نے بھی اس کو تقویت پہنچائی ہے۔

اختلاف مطالع اور شب قدر: طلوع اور غروب کے اوقات علاقوں کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ ہمارے وقت کے لحاظ سے عرب ممالک میں دو سے لیکر چار گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ برطانیہ میں یہاں سے پانچ اور کینیڈا میں ۹ گھنٹے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے۔ اور امریکہ میں جاکر بارہ گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے تمام دنیا کیلئے ایک رات شب قدر نہیں ہو سکتی کیونکہ جو رات کسی علاقہ کیلئے طاق ہے۔ اور دوسرے کیلئے جفت ہوگی نیز قطب شمالی و جنوبی میں چھ چھ ماہ کے دن رات ہوتے ہیں۔ ان علاقوں میں شب قدر کا تعیین کیونکر ہوگا۔ اس کی وضاحت میں ایک بات تو کہی جا سکتی ہے۔ کہ جس طرح نمازوں میں ہر علاقہ کے اپنے اپنے مطلع کا اعتبار ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے طلوع کے حساب سے نماز پڑھتا ہے۔ اسی طرح شب قدر بھی ہر علاقے والے اپنے حساب سے تلاش کریں گے۔ اور ہر شخص اپنے مطلع کے حساب سے آخری عشرہ کی طاق رات کا تعیین کرے گا۔ اور جس طرح بعد مقام کی بنا پر دنوں میں بعید ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر دو راتوں میں شب قدر کی متحقق ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شب قدر صرف ایک رات ہو۔ اور جن علاقوں میں اس وقت دن ہو رات کی جگہ

دن پر۔ ان میں اسی دن سے متصل رات میں عبادت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ حکمی طور پر بہ خوالب
پر ثواب عطا فرما دے۔ باقی رہے قطبین تو وہاں اگرچہ شب قدر کا تحقق مشکل ہے لیکن
اس جگہ اس قدر ٹھنڈ ہوتی ہے کہ وہاں انسانی آبادی ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے وہاں شب
قدر پانے یا نہ پانے کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔

ثواب میں اضافہ :۔ شب قدر میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے۔ تو کیا
اس ایک رات میں عبادت کر کے انسان ہزار ماہ کی عبادتوں سے آزاد ہو جاتا ہے؟ ۔۔۔ اسی طرح ایک
نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے تو کیا ایک نماز پڑھنے کے بعد کوئی شخص دس نمازوں سے بری ہو
سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر کی عبادت نفلی ہے اور ہزار ماہ میں جو فرائض اور واجبات
ہیں۔ یہ نفلی عبادت ان کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ رہا یہ کہ ایک فرض کا ثواب اس کی دس
مثلوں کے برابر ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان مثلوں میں سے کوئی ایک مثل اس فرض
کے مساوی کیسے ہو سکتی ہے۔ جو خود اس جیسی دس مثال کے برابر ہے۔ اور انسان دس امثال
کے مساوی فرض کے ادا کرنے کا مکلف ہے۔ صرف ایک مثل کا نہیں لہذا ایک نماز پڑھ کر
انسان دس نمازوں سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی شب قدر کی عبادت پا کر ہزار ماہ کی عبادت
سے بری ہو سکتا ہے۔

گناہ میں اضافہ :۔ ایک بحث یہ بھی غور طلب ہے کہ جس طرح شب قدر میں عبادت کرنے
سے ثواب بڑھ جاتا ہے۔ کیا اسی طرح شب قدر میں گناہ کرنے سے سزا بھی زیادہ ہوتی ہے۔
اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قطعی طور پر شب قدر کا تعین حاصل ہو جائے اور پھر
وہ اس رات میں گناہ کرے تو یقیناً اس کا گناہ اور راتوں کے گناہ سے زیادہ ہوگا۔ یہ کہ قرآن کریم
میں ہے۔ من جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا۔ جو شخص برائی کرے اسے اس برائی کے برابر
عذاب ہوتا ہے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر شب قدر معلوم میں معصیت کرنے والا زیادہ عذاب کا مستحق
کیسے ہوگا۔ تو گزارش یہ ہے کہ جو شخص شب قدر معلوم ہونے کے بعد اس رات میں گناہ کرے گا۔ اس
دو گناہ ہیں۔ ایک تو فی نفسہ کوئی ناجائز کام کرنا دوسرا شب قدر کی حرمت پامال کرنا جس طرح گھر میں
بدکاری کی نسبت مسجد یا کعبہ میں بدکاری کرنا زیادہ معصیت ہے۔ کیونکہ یہاں ایک فعل معصیت ہے۔ اور
دوسرا فعل توہین حرم۔ اور فلا یجزی الا مثلھا کا مطلب یہ ہے کہ معصیت کے لحاظ سے جس جرم
کی سزا جو سزا مقرر کی ہے۔ اس جرم پر اسے ایک سزا ہی ملے۔ دو سزائیں نہیں ملیں گی۔ پس
کعبہ یا لیلۃ القدر میں معصیت کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ عام جگہ معصیت کی نسبت زیادہ سزا

کا مستحق ہے۔ لیکن اس جرم کے لحاظ سے جو سزا مقرر ہے۔ وہ سزا اسے ایک ہی ہوگی دو نہیں۔

نزولِ ملائکہ :- پیدائش آدم کے وقت فرشتوں نے انسان کے بارے میں خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ نسل جو خونریز اور فسادی ہوگا۔ اور اس کے مقابلہ میں اپنی حمد و تسبیح اور عبادتوں کا ذکر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی شاہکار تخلیق کے کمالات فرشتوں پر جتانا چاہتا ہے۔ اضطراری عبادتوں کے خول میں لپٹے رہنے والوں کو سوز و گداز اور ذوق و شوق کے جلوؤں سے روشناس کرانا تھا۔ اور یہ بتانا تھا۔ کہ حکم وجوبی تو الگ رہا اگر ہم استحباب کے درجہ میں کہیں بلکہ کہیں نہیں۔ صرف ترغیب ہی دیں تو ہمارے بندے نیند اور آرام کو چھوڑ کر محض ہماری خاطر ساری رات قیام کرتے رہیں گے۔ معصیت سے خائف، قلت اطاعت پر نادم لبوں پر آہیں، آنکھوں میں آنسو، سینے میں شوق کا طوفان چھپائے فرزندانِ آدم اس تاریخ کو ساری رات کھڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ منظر دکھانے کیلئے فرشتوں کو آسمان سے قطار در قطار نازل کرتا ہے۔ فرشتے آتے ہیں۔ اور جھک جھک کر انسان کی عظمتوں کو سلام کرتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ شب قدر میں عبادت کرنے والے انسان کو جس وقت روح الامین آکر سلام کرتا ہے۔ اور اس سے مصافحہ کرتا ہے۔ تو اس پر خشیت الٰہی کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں۔ اور بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں۔ فرشتوں کا سلام سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔ سات فرشتوں نے آکر حضرت ابراہیمؑ کو سلام کیا۔ تو ان پر نارِ نمرود برداً و سلاماً ہو گئی۔ لیلۃ القدر کے عابدوں پر جب لاتعداد فرشتے آکر سلام کرتے ہیں۔ تو کیونکر نہ یہ امید کی جائے کہ ان پر نارِ جہنم امن و سلامتی ہو جائے گی۔

نور الحبیب رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

[signature]

۱۵/۱/۲۰۱۶

سیدۂ عالمؓ

ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ کہ اے اہل بیت! وہ تمہیں ہر قسم کی معصیت اور رجس سے پاک و صاف کر دے۔ یعنی معصیت اور رجس کی آلودگی کا کوئی ذرہ بھی تمہاری سیرتوں میں باقی نہ رہے ویطھرکم تطھیرا۔ سورۃ احزاب 33/22 اور وہ تمہیں ایسی شان طہارت عطا کر دے جو طہارت کا حق ہے۔

قرآن مجید کے سیاق و سباق کے حوالے سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس آیت کریمہ کا اصل شان نزول ازواج مطہرات کی شان کا بیان کرنا ہے۔ یہاں ازواج مطہرات اور ام المومنین کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اور اسی ذکر پاک کے تناظر میں اللہ رب العزت نے ازواج مطہرات کو اہل بیت قرار دے کر انہیں مخاطب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ لیکن حضورؐ نے اہل بیت کے اس دائرے کو خود وسیع فرمایا ہے (جامع ترمذی شریف ص ۸۲۳/۲ج عن ام سلمہ ص ۷۹۹ عمرو بن ابی سلمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۵۱/۸ج مستدرک حاکم جز ثالث ص ۳۹، منہاج السنہ ابن تیمیہ جز ثالث ص ۴۱ صحیح مسلم جز سابع ص ۱۳۰ مسند احمد جز ثالث ص ۱۵۱ جز رابع ص ۵ جز سادس ص ۲۹۲ ۲۹۶ اشعۃ اللمعات ص ۶۸۱/۲ج الاستیعاب تفسیر کشاف زمخشری)

حدیث بیان ہوئی ہے۔ کہ حضورؐ کالے رنگ کی کملی اوڑھے ہوئے تھے۔ کہ اچانک سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ پھر سیدنا امام حسینؓ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ بعد ازاں حضرت علیؓ اور سیدہ عالم فاطمۃ الزہراؓ حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں اپنی کملی میں داخل فرما لیا اور رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی۔ اللھم ھولاء اھل بیتی۔ باری تعالیٰ تو نے تو میری اہل مطہرات کو اہل بیت قرار دیا تھا۔ میں اس اہل بیت کے دامن میں علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضوان اللہ کو بھی شامل کرتا ہوں اور ان کے حق میں دعا کی۔ وہی دعا کہ اے باری تعالیٰ تو ان کو بھی ہر رجس سے پاک فرما اور ان کو وہ طہارت عطا کر جو طہارت کے عطا کرنے کا حق ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۵۲۰ نسائی

... سیدہ عالمؓ اور آپ کی اولاد امجاد کو حضور علیہ السلام نے اسی طرح قرآن مجید کی بشارت تطہیر کے دامن میں داخل فرمایا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے۔ کہ آپ کا اسم گرامی تو فاطمہ ہے اور فاطمہ کے کئی معانی ہیں۔ جن میں سے ایک معروف معنی مرادی یہ دوزخ کی آگ سے روکنے والی۔ آئمہ و محدثین نے کہا۔ چونکہ فاطمہ سے فاطمہ بنا ہے۔ اور اس کا معنی ہے روکا گیا کسی کو۔ اور اس معنی میں اس لفظ کا استعمال یوں کیا گیا۔ کہ فاطمہ سے مراد

وہ خاتونِ جنت ہے۔ کہ جن عقیدت مندوں کو ان سے سچی محبت ہوتی ہے۔ اور ان کے نقشِ قدم
پر چلتے ہیں۔ یہ نہ صرف خود دوزخ سے بچی ہوئی بلکہ انہیں بھی دوزخ سے روک لیتی ہے۔
جہنم سے بچا لیتی ہے۔ آپ کے متعدد القاب کتب احادیث و سیر میں وارد ہوئے۔ بعض کتابوں
میں ایک سو پینتیس 135 تک القاب سیدۂ عالم رضی کے منقول ہیں۔ جن میں سے آپ کا
ایک لقب سیدہ بھی ہے۔ اور سیدہ کا معنی ہے۔ سردار۔ امتِ محمدیہ میں کسی نسب
نسل اور خاندان کیلئے سید کے لفظ کا باقاعدہ استعمال شروع ہی حضرت سیدہ
فاطمہ رضی کی ذاتِ اقدس سے ہوا۔

پھر آپ کے مبارک القاب میں سے سیدہ طاہرہ بھی تھا۔ طاہرہ کہتے ہیں پاک دامن کو۔ آپ
کے القاب میں سے راضیہ۔ مرضیہ بھی تھا۔ ذاکیہ بھی تھا۔ زہرا بھی تھا۔ الغرض آپ کے القاب میں سے
بتول بھی تھا۔ بتول کا معنی ہے۔ وہ ہستی جو ہر محبت سے کٹ کر فقط اللہ کی ہو گئی ہو۔ قرآن مجید
میں آتا ہے۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ سورۃ مزمل 8/29 کہ ہر بندہ اپنے رب کے نام کو یاد
کر اور ہر شئے سے کٹ کر فقط اسی کا ہو جا۔ یہ قرآن مجید کا حکم ہے۔ تو سیدۂ عالم رضی کے کردار اور سیرت
طیبہ کا نمایاں پہلو یہ تھا۔ کہ آپ سارے محبتوں سے کٹ کر فقط اللہ کی محبت کے سمندر میں کچھ ایسی
مستغرق ہو گئیں۔ کہ دنیا و ما فیہا سے بالکل بے نیاز ہو گئی تھیں۔

سو اللہ کی محبت میں ہر شئے سے دل کے بے نیاز ہو جانے نے آپ کو شرفِ قبولیت عطا کر دیا۔
حضور علیہ السلام نے آپ کے حق میں یہ بھی فرمایا۔ فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی ومن
ابغضھا فقد ابغضنی شرح مشکوٰۃ ص ۳۵۹ ج ۸، ترمذی ص ۸۸۲ ج ۲، کنز العمال ص ۱۰۶۷۹ ج ۱۲ ۔ کہ فاطمہ میرے
جگر کا ٹکڑا ہے۔ سو جو شخص اس فاطمہ کو اذیت دیتا ہے۔ وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔ اور جو میری
فاطمہ سے بغض رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی بیان فرمایا
متعدد کتب احادیث میں درج ہے۔ کہ جو شخص میری اہلبیت کا بغض دل میں رکھ کر مرے گا کبھی بھی حالت
ایمان میں نہیں مر سکتا صواعق محرقہ ص ۶۲۳، ۶۲۴ بحوالہ بخاری، کنز العمال ص ۶۲۳ ج ۱۱ ینابیع المودہ ص ۳۲۵
صحیح مسلم جلد ۳۔ بغض ایمان اور حبِ اہلبیت ہو نہیں یکدیگر ہیں۔ اور کفر و منافقت اور بغض اہل
بیت بھی یکدیگر ہیں۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہے۔ وہ اہل بیت سے بغض نہیں رکھ سکتا۔
اور جس کے دل میں منافقت ہے۔ وہ اہلبیت سے محبت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا
سے محبت، حسنین کریمین سے محبت، حضرت علی شیر خدا سے محبت اور اسی طرح حضور کے
صحابہ اور خلفاء سے محبت اور ازواج مطہرات سے محبت یہ عین ایمان ہے۔ اور ان میں سے کسی

کے ساتھ کوئی بغض و کینہ یا منافقت ہے۔ سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا کے فضائل و کمالات کا عالم غیر محدود اور لا متناہی ہے۔ کہ بڑے بڑے آئمہ علماء اور محدثین یہ امتیاز نہ کر سکے کہ سب سے اعلیٰ و افضل حضرت سیدۂ عالم کو قرار دیا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قرار دیا جائے۔ یا حضرت خدیجہ الکبریٰ کو قرار دیا جائے۔ مدارج النبوۃ ص ۸۰ ج ۲ بحوالہ ابو العاص بن النقاش۔ سو بعض نے تو یہ کہہ دیا کہ اوائلِ دورِ اسلام میں خدماتِ اسلام کو دیکھو تو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ افضل ہیں۔ اور تعلیماتِ اسلام کی نشر و اشاعت کو دیکھو تو حضرت عائشہ صدیقہؓ افضل ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کی محبت اور حضور علیہ السلام کی شفقت اور آخرت میں حضور علیہ السلام کے قرب کی اولیت کو دیکھو تو سیدۂ عالم سب سے افضل ہیں۔

سو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ان مقدس ہستیوں کے مابین فضیلت و ترجیح کو مختلف پیمانوں پر ناپتے ہیں وہ ناپنے کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ یہ جاننا ممکن ہے کہ ماں افضل ہے یا بیٹی؟ یہ ساری ہستیاں فضائل و مراتب کی پیکر ہیں۔ اور ہر ہر جہت سے کسی نہ کسی ایک کو ترجیح حاصل ہے۔ بعض احباب کم علمی کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا کے مابین منافقت یا تعلقات کی ناخوشگواری کا گمان کر بیٹھتے ہیں۔ یہ سب کچھ امتِ مسلمہ کو تفرقہ اور انتشار میں مبتلا کرنے کیلئے بدگمانی پھیلائی گئی۔

اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ام المومنین! فرمائیے۔ کہ حضورؐ کو اس دنیا میں عورتوں میں سب سے بڑھ کر محبت کس سے تھی۔ مراۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۶۹ ج ۸ ترمذی شریف ص ۸۲۲ ج ۲ بروایت حضرت بریدہؓ۔ ام المومنین جواب دیتی ہیں کہ اللہ کی قسم کائنات کی عورتوں میں سے حضورؐ کو سب سے بڑھ کر محبت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے تھی۔ یہ کون جواب دے رہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ایمان سے کہیے اگر دلوں میں ناچاقی ہو۔ ناخوشگواری ہو بغض ہو تو زوجہ کبھی اس طرح جواب دیا کرتی ہے؟ پھر سوال کیا گیا اور مردوں میں سب سے بڑھ کر حضورؐ کو پیار کس سے تھا؟ قربان جائیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنے والد ماجد حضرت صدیق اکبر بھی تھے۔ لیکن جواب دیا۔ کہ خدا کی قسم! لگتا ہے کہ آپ کو مردوں میں سب سے بڑھ کر محبت فاطمہ کے شوہر حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے تھی۔ یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان۔

اب ذرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی پوچھ لو۔ آپ سے یہی سوال کیا گیا۔ کہ فرمائیے۔ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا الزہرا رضی اللہ عنہا عورتوں میں سے حضورؐ کو سب سے بڑھ کر محبت کس سے تھی؟ وہ حضرت عائشہ کی سوتن تھی جو کچھ انہوں نے دیکھا بیان کر دیا۔ اب یہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نقل ہے۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا بیان کیا جا رہا ہے

آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں ساری کائنات میں مجھے یوں لگتا ہے۔ کہ سب سے بڑھ کر محبت آپ کو حضرت عائشہ سے تھی۔ اور پھر پوچھا گیا اے سیدہ عالم رضی اللہ عنہا آپ کو مردوں میں سب سے بڑھ کر محبت کس سے تھی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدِ ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔

ہمیں تو یوں لگتا ہے کہ یہ باہم محبت کے پیکر تھے۔ باہم عقیدتوں کے پیکر تھے۔ اور ان کے دل حضور ؐ کی نسبت ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے یہ اس امت کا نفاق تھا۔ اور یہودی فتنہ و سازش تھی کہ امت مسلمہ میں تفرقہ و انتشار پھیلا کر ٹکڑے ٹکڑے کرنے کیلئے صحابہ کو اہل بیت سے جدا کر دیا۔ ازواج و بناتِ رسول ؐ سے جدا کر دیا۔ اور اپنی جنگ کی صفائی پیش کرنے کی خاطر حضور کے صحابہ اور اہل بیت کو جنگ میں لا کھڑا کر دیا گیا۔ ورنہ حقیقتِ حال اس سے مختلف تھی۔

حضرت سیدہ عالم رضی اللہ عنہا معروف روایتوں کے مطابق حضور ؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ یاد رکھیئے حضور ؐ کے گھر سات اولادیں ہوئیں۔ چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ان سات میں سے چھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں سے ہوئیں۔ اور ایک حضرتِ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ہیں۔ باقی دو بیٹے سیدنا قاسم اور سیدنا طاہر و طیب رضوان اللہ تعالیٰ جن کا نام عبد اللہ بھی آتا ہے۔ تو قاسم، عبد اللہ اور ابراہیم یہ تین صاحبزادے اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کیئے جو بچپن میں ہی وصال پا گئے چار صاحبزادیاں عطا ہوئیں۔ سب سے بڑی معروف روایات کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ دوسری حضرت رقیہ۔ تیسری حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور چوتھی حضرت سیدہ عالم فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت زینب کا نکاح حضرت ابو العاص سے ہوا۔ الاستیعاب ص $\frac{53}{ج 2}$ طبقات ص $\frac{39}{ج 8}$ مدارج النبوۃ $\frac{469}{ج 2}$

اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح مکی زندگی میں ابولہب طبقات ص $\frac{55-58}{ج 8}$ مدارج النبوۃ ص $\frac{483-486}{ج 2}$ کے دو بیٹوں سے ہوا تھا۔ جنہوں نے رخصتی سے قبل ہی ابولہب کے کہنے پر طلاق دے دی۔ اور بعد ازاں یکے بعد دیگرے ان دونوں کا نکاح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ طبقات ص $\frac{55}{ج 8}$ مدارج النبوۃ ص $\frac{486}{ج 2}$ طبری و ابن ہشام۔ یہ مقدر کی بات ہے۔ کہ ان دونوں شہزادیوں نے ان کو ذوالنورین بنا دیا یعنی دو نوروں والا۔ صواعق محرقہ ص ۳۲۲ مدارج النبوۃ ص $\frac{496}{ج 2}$ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۸۸، ۱۸۹

سنن بیہقی عن عبد اللہ بن عمر ابو نعیم عن حضرت حسن خیثمہ فی فضائل صحابہ و ابن عساکر عن حضرت علی کنز العمال $\frac{11}{ج}$

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت حضور ؐ کی بعثت سے دس سال قبل ہوئی۔ جب کہ حضور ؐ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ حضرت رقیہ کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات سال قبل ہوئی۔ جب آقا کی عمر ۳۳ برس تھی۔ حضرت ام کلثوم کی ولادت بعثت سے چھ برس قبل ہوئی

جب حضورؐ کی عمر مبارک ۳۲ برس تھی۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سن ولادت پر اختلاف ہے
بعض محققین کے نزدیک آپ حضورؐ کے اعلان نبوت سے پانچ برس قبل پیدا ہوئیں۔ بعض کے نزدیک
آپ کی ولادت حضور کی بعثت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ اور بعض کے نزدیک اعلان نبوۃ کے
دوسرے سال میں ہوئی بعض کے نزدیک اعلان نبوۃ کے پانچویں سال میں ہوئی۔ طبری و ابن اسحٰق
و سیرۃ ابن ہشام، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵۔ سو مختلف ترجیحات کی بنا پر مختلف آئمہ محدثین و مورخین
نے جدا جدا سنین کو اپنایا ہے۔ لیکن محسوس یوں ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ عالمؓ کی ولادت
حضور علیہ السلام کے اعلان نبوۃ کے بعد پہلے سال ہوئی۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۸ مستدرک حاکم الاستیعاب۔
اس لحاظ سے آپ کو ولادت کے اعتبار سے بھی زمانہ بعثت ملا ہے۔

سیدہ عالمؓ کے ساتھ حضورؐ کو اپنی دیگر صاحبزادیوں کی طرح بچپن ہی سے بے حد پیار تھا۔
اور آپ چونکہ سب سے چھوٹی تھیں۔ اس لئے طبعاً بشری تقاضے کے تحت آپ نے سب سے بڑھ کر
حضور علیہ السلامؐ کی محبت اور پیار کو پایا۔ اور بعض کتب میں یہ روایت آئی ہے۔ بحار الانوار ج ۳ ص ۸ اگر
چہ روایتاً تو ضعیف ہے۔ لیکن کئی اہل تحقیق نے اس کو بیان کیا کہ ابھی سیدہ عالم فاطمۃ الزہراؓ
اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن مبارک میں تھیں کہ ایک روز حضور علیہ السلام گھر
تشریف لائے اور آپ نے دیکھا کہ خدیجۃ الکبریٰ اکیلی بیٹھی کسی سے گفتگو کر رہی ہیں۔ حضورؐ نے
پوچھا خدیجہ اکیلی بیٹھی ہو کس سے گفتگو کر رہی ہو۔ انہوں نے عرض کی آقا جو بچہ میرے پیٹ میں
ہے وہ مجھ سے کلام کرتا ہے۔ اور خلوت میں میرا ساتھی بن جاتا ہے۔ اس سے کلام کر رہی ہوں
اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے ابھی جبرائیل امین کے ذریعے اطلاع دی ہے کہ خدیجہ تیرے
پیٹ میں بیٹا نہیں بیٹی ہے۔ فاطمہ اور یہ بیٹی اس کائنات کی تمام عورتوں میں سے بزرگ ترین خاتون
ہے۔ آپ نے حضور علیہ السلام کے دور تبلیغ کی مشکلات کو بھی دیکھا مصائب و آلام کو نہ صرف دیکھا
بلکہ اپنے جسد اقدس پر جھیلا بھی۔ جب ہجرت مدینہ ہوئی تو سن دو ہجری میں حضرت سیدہ عالم
کا نکاح حضور علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کر دیا۔ طبری حصہ اول ص ۱۵۲ مدارج النبوۃ
ص ۲۸۷ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۷۔ حضرت سیدہ عالمؓ کے نکاح کیلئے مختلف صحابہ کی طرف سے پیشکش ہوئی لیکن
حضورؐ خاموش رہے۔ اور یہی فرماتے رہے۔ کہ ابھی مجھے اللہ کے امر کا انتظار ہے۔ سو جب امر آ گیا۔
تو پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، بعض دیگر مہاجر اور انصار صحابہ
اور حضرت علی کی آزاد کردہ باندی ان سب لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس جا کر انہیں
ترغیب دی کہ آپ حضورؐ کی بارگاہ میں جا کر حضرت فاطمہؓ کے رشتے کیلئے بات کریں۔ حضرت علی قائل تھے

اور فرماتے تھے۔ کہ میرے پاس ہے کیا۔ کہ میں تاجدار کائنات کی بیٹی کے رشتے کی بات کروں۔ دامن خالی ہے۔
لیکن انہوں نے کہا۔ پیارے علی۔ آپ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں جائیے۔ تو سہی آپ تو وہ آقا ہیں
کہ جنہیں امارت سے نہیں فقر سے محبت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام
کی بارگاہ میں آئے۔ کتب سیر میں آتا ہے۔ کہ شرم و حیا کے باعث بارگاہِ نبوت میں چپکے سے بیٹھ گئے
اور مدعا زبان پر نہ لا سکے۔ خاموش بیٹھے تھے۔ کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ علی آج چپ چاپ خاموش بیٹھے ہو۔ لگتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کی بات کرنے
آئے ہو۔ حضرت علی بول اٹھے۔ عرض کیا حضور یہی خواہش لے کر آیا تھا۔ لیکن اپنی ظاہری بے حیثیتی دیکھ
کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زبان کھولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آقائے دوجہاں علیہ السلام۔ طبقات
ص ۳۵ ج ۸ صواعق محرقہ ص ۱۴۷ بحوالہ ابن ابی حاتم و احمد بروایت حضرت انس اور ابوالخیر قزوینی الحاکمی، مراۃ شرح مشکوۃ
ص ۳۳۶ ج ۸ بحوالہ نسائی ابن شاہین مروزی فی فضائل فاطمہ عن ابی بریدہ البدایہ والنہایہ جز ص ۳۴۲ ج ۷ تاریخ خمیس
جز اول ص ۴۰۸ مدارج النبوۃ ص ۱۳۷ ج ۲ اشعۃ اللمعات ص ۲۳۵ ج ۴ مرقات شرح مشکوٰۃ نے پوچھا اے علی
تمہاری پیشکش قبول کرتا ہوں۔ لیکن بتا شادی کیلئے کچھ پاس ہے بھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم
بولے۔ آقا فقط ایک گھوڑا ہے۔ اور ایک زرہ ہے۔ میرے آقا نے فرمایا کہ گھوڑا تو اپنے پاس رکھو
کہ تمہارے جہاد میں کام آئے گا۔ زرہ کو بیچ دے اس سے جو پیسے آئیں اسی سے مہر کی تیاری کر لینا۔
اسی سے شادی کی بھی تیاری کر لینا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے زرہ اٹھائی اور صحابہ کے
مجمع میں پوچھا کون ہے جو میری یہ زرہ خرید لے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے فرمانے لگے علی
بھائی تیری زرہ میں خریدتا ہوں تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم میں حضرت علی کی زرہ
خریدی۔ جب حضرت علی ۴۸۰ درہم لے چکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زرہ بھی انہیں لوٹا دی اور
فرمایا کہ علی! یہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی سیدہ عالم رضی اللہ عنہا سے جس
مال کے ذریعے ہوئی۔ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہدیہ تھا۔ آپ کو ان سارے امور سے پتہ
چل جانا چاہیے۔ کہ حضور کے ان غلاموں کی آپس میں محبت و شفقت کا عالم کیا تھا۔
چودہ ستارے سید نجم الحسن کراروی ص ۱۵ لسان المیزان، مدارج النبوۃ ص ۱۲۸ ج ۲ حضور علیہ السلام کے
عقد سے پہلے ایک مجلس منعقد کی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اچانک حضور پر
ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس میں آقا پر وحی کا نزول ہوا کرتا تھا۔ ہم جان گئے کہ اللہ کی طرف
سے کوئی پیغام آیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے۔ کہ اللہ
تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں اعلان کر دے کہ میری طرف سے

پر اذن آیا ہے۔ کہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو۔ سو یہ عقد اللہ کے اذن خاص کے ساتھ طے ہوا اور حضور علیہ السلام نے خطبہ نکاح پڑھا۔ چار سو اسی درہم یا پانچ سو درہم یا چار سو مثقال چاندی پر مہر مقرر ہوا۔ صواعق محرقہ ص ۲۷۸ بروایت حضرت انس رض ص ۳۸۲ بحوالہ لسان المیزان مدارج النبوۃ ص ۱۲۹ ج ۲؛ صواعق محرقہ اردو ص ۳۸۰ بروایت حضرت انس الاستیعاب ابن عبد البر۔ کچھ خوشبو لی گئی کچھ کپڑے حضرت علی کو سیدہ عالم رض عقد میں عطا کر دی گئیں۔ پھر بعض نے کہا کہ اگلے دن رخصتی ہوئی سو جب آقا کی بارگاہ سے رخصتی ہوئی حضرت علی رض ایک الگ مکان رہائش کے لئے کرایہ پر لے چکے تھے۔ رخصتی کا وقت آیا حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی عقد کا اہتمام تو نے کیا تھا۔ اب ولیمے کا اہتمام میری طرف سے میں کرتا ہوں۔

سو حضور علیہ السلام نے حضرت علی رض کے ولیمے کا اہتمام فرمایا۔ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کو بلایا گیا۔ اور آقائے دو جہاں ص نے ولیمہ تیار کر کے انہیں کھلایا۔ رخصتی کے وقت آپ نے سیدہ عالم رض سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میری بیٹی فاطمہ مجھے اللہ کی عزت کی قسم طبقات ابن سعد ص ۳۱ ج ۸ ینابیع المودۃ ص ۳۱۹ مدارج النبوۃ ص ۱۳۰ ج ۲ مسند حاکم، طبرانی، خطیب بغدادی۔ میرے خاندان بنو ہاشم میں جو سب سے بہتر شخص تھا میں نے تیرا عقد اسی علی کے ساتھ کر دیا۔ اور تلقین کی کہ تیری ذمہ داری خاوند کی اطاعت ہے۔ اور حضرت علی رض سے فرمایا۔ مدارج النبوۃ ص ۲۸۸ ج ۲ علی تیری ذمہ داری یہ ہے کہ فاطمہ بنت رسول ص جو رسول کائنات کا جگر گوشہ ہے۔ جس کی خوشی رسول ص کی خوشی ہے جس کا دکھ رسول ص کا دکھ ہے۔ کو ہر لمحہ خوش رکھنا اس لئے کہ میری آنکھیں اس کی آنکھوں کو پرنم نہیں دیکھ سکتیں مجھے فاطمۃ الزہرا سے ایسی محبت ہے کہ میں اسے دکھ میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا سو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت سیدہ عالم رض کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ حضور علیہ السلام کی محبت کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک دن بھی اپنی فاطمۃ الزہرا کا چہرہ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہر روز تاجدار کائنات ص اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر حضرت فاطمہ کے گھر انہیں فقط دیکھنے اور ان کی خیریت پوچھنے کیلئے جاتے۔

اب آئیے۔ ان کی عبادت گذاری کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ قربان جائیں آپ کی عبادت اور بندگی کا یہ عالم تھا۔ کہ زہد خود سیدہ عالم پر فخر کرتا تھا۔ عبادت گذاری سیدہ عالم کے سجدوں پر فخر کرتی تھی۔ ارے سجدے ان کی پیشانی پر فخر کرتے تھے۔ رکوع ان کے رکوعوں پر فخر کرتے تھے۔ دعائیں ان کے لہجے پر فخر کرتی تھیں۔ ساری ساری رات کھڑی ہو کر اللہ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرتی۔ صبح سے شام تک اپنے ہاتھوں سے چکی پیس

(طبقات ص ۳۴ ج ۸، مدارج النبوۃ ص ۱۳۰ ج ۲) پانی کا مشکیزہ کندھوں پر اٹھا کر گھر کیلئے لاتی۔ سارا دن کام کاج کرتیں۔ کوئی خادمہ نہ تھی۔ حضرت حسن مجتبیٰ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی قسم ہم دیکھتے کہ ہماری امی جان سارا دن تو چکی پیستیں۔ لیکن زبان پر تلاوتِ قرآن ہوتی۔ ہم دیکھتے کہ ہماری امی جان گھر میں کھانا پکاتیں۔ لیکن زبان پر اللہ کا ذکر ہوتا۔ اور سارا دن مسلسل کام کاج کرنے کے باوجود رات کو جب ہم سونے کے لئے تیاری کرتے آپ اپنے گھر کی مسجد میں چلی جاتیں۔ صبح سے شام تک سارا دن کام کاج میں گزرتا۔ اور شام سے صبح تک کی ساری رات خدا کی بارگاہ میں عاجزی اور انکساری میں بسر ہوتی۔ اور سجدہ ریزی کا یہ عالم کبھی سجدہ میں تشریف لے جاتیں تو ساری رات سجدے میں بسر ہو جاتی۔ کبھی رکوع کرتیں تو حضرت حسن مجتبیٰ فرماتے ہیں۔ کہ مصلیٰ بھیگ جاتا امی جان کا کبھی سجدوں میں دعا ختم نہ ہوتا۔ کبھی دعائیں مانگنے پر آتیں تو ساری رات اللہ کی بارگاہ میں دعا مانگتی چلی جاتیں۔

حضرت حسین مجتبیٰ ذرا بڑے ہوئے تھے۔ (مدارج النبوۃ ص ۴۹ ج ۲) اور بیٹوں کو ماں کے ساتھ پیار ہوتا ہے۔ وہ ماں کو دیکھتے اور کان لگا کر سنتے کہ ہماری ماں کہتی کیا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ساری رات کان لگا کر سنا۔ کہ میری امی جان شام سے صبح تک ساری رات دعائیں مانگتی رہیں۔ اور اللہ کی عزت کی قسم میں نے دیکھا۔ اور کانوں سے سنا۔ کہ ساری رات دعائیں مانگیں مگر فقط میرے نانا کی امت کیلئے۔ ایک دعا بھی اپنی ذات کیلئے نہ مانگی۔ جب صبح ہوئی دعاؤں کا سلسلہ ختم ہوا۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے عرض کیا امی جان! یہ کیا ہوا۔ آپ نے ساری رات دعاؤں میں بسر کر دی اور نانا کی امت کیلئے دعائیں کرتی رہیں۔ لیکن میرے کانوں نے نہیں سنا۔ کہ ایک دعا بھی آپ کی زبان پر اپنی ذات کیلئے آئی ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا بیٹا! بات یہ ہے کہ پہلے دوسروں کا حق ہوتا ہے۔ بعد میں اپنا حق ہوتا ہے۔ میں ابھی حضور کی امت کا حق ادا نہیں کر سکی۔ اپنے لئے کس طرح زبان کھول سکتی ہوں۔ یہ ان کا استغناء اور زہد و تقویٰ کا عالم تھا۔ اور پھر زہد و قناعت کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ فقر اختیاری جس پر آقائے دو جہاں کو فخر تھا۔ جو امتیاز سیرت مصطفوی تھا۔ وہ زہراؓ نے حضرت فاطمہؓ کو عطا کیا۔ گفتار میں آپ اپنے ابا کی نظیر تھیں۔ کردار میں آپ اپنے ابا کی مثال تھیں حتیٰ کہ رفتار میں بھی آپ اپنے ابا کی مثال تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

(ترمذی ص ۲۲۳ ج ۲، طبقات ص ۲۲-۲۶ ج ۸ عن عائشہ صدیقہ، مراۃ شرح مشکوٰۃ ص ۵ ج ۸)

کہ فاطمۃ الزاہرا رضہ جب چلتیں تو یوں لگتا کہ حضور علیہ السلام کی طرح کوئی چل رہا ہے۔ ان کی
شکل اپنے ابا پر تھی۔ گفتار کا لب و لہجہ ابا پر تھا۔ سخاوت ابا پر تھی۔ زہد و تقویٰ ابا پر تھا۔
الغرض حضور کے سارے فضائل و خصائل جو بیٹوں میں مجتمع ہوتے تھے وہ اپنی آل میں منتقل کرنے کیلئے
حضرت فاطمۃ الزہرا رضہ کو عطا کر دیئے گئے یہ معلوم تھا۔ کہ آل نبوی اور عترت مصطفوی ساری کی ساری
اسی فاطمۃ الزہراء رضہ کے بطن اطہر سے چلنی ہے۔ اس لئے سارے خصائل نبوت اور فضائل محمدی ص کا مرقع
آپ کی سیرت کو بنا دیا۔ زہد و ورع اور قناعت کا یہ عالم کہ حضور علیہ السلام کی طرح آپ کی بھی
پوری عمر مبارک اکثر فاقوں میں گزری۔ کبھی پیٹ بھر کے کھانا نہ کھایا۔ اور فاقوں کا یہ عالم حضرت
عبداللہ بن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ کئی دنوں سے سیدہ عالم رضہ کے گھر فاقہ تھا۔ کسی یہودی کے ساتھ
پانی بھر کے باغ کو سیراب کرنے کا معاہدہ ہوا۔ حضرت علی شیر خدا نے ساری رات پانی بھرا اور باغ کو
سیراب کیا۔ صبح کچھ جو مزدوری میں ملے وہ لے کر آپ سیدہ عالم کے پاس آئے۔ کئی دنوں سے
فاقہ تھا۔ آپ نے انہیں پیسا اور روٹی پکائی ابھی لقمہ منہ میں ڈالا نہ تھا۔ کہ دروازے پر ندا آئی
کہ اے بنت رسول ص تیرے دروازے پر مسکین آیا ہے۔ کئی دنوں سے بھوکا ہے۔ آپ نے وہ سارا
کھانا اٹھا کے اس کو دے دیا۔ کچھ جو بچ گئے تھے۔ ان کو پھر پیسا۔ روٹی پکائی۔ ابھی روٹی تیار ہوئی ہی تھی۔
کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک کی آواز آئی بنت رسول ص تیرے دروازے پر یتیم آیا ہے۔ بھوکا ہے
وہ کھانا اٹھا کر اسے دے دیئے۔ آپ نے بچے ہوئے جو پھر پیسے۔ روٹی ابھی کھائی نہ تھی کہ پھر ندا آئی ایک
مظلوم قیدی آیا ہے۔ بھوکا ہے کچھ کھانے کو چاہیے۔ پھر کھانا اٹھا کے اسی کو دے دیا۔ اور خود فاقے
میں رہیں۔ یہ ایثار کا عالم۔ ادھر حکم ہوا جبرئیل جا میرا پیغام پہنچا دے کہ ویطعمون الطعام علی حبہ

مسکینا و یتیما و اسیرا سورۃ الدھر 10/29 تفسیر کشاف علامہ جار اللہ زمخشری جز ثانی صفحہ 511-512

کہ اللہ کی تو محبت ان بندوں سے ہے جو اپنا پکا ہوا کھانا کبھی مسکینوں کو دیتے ہیں کبھی یتیموں کو
اور کبھی اسیروں کو دیتے ہیں۔

سو ساری زندگی فقر کے اس حال میں بسر ہوگئی اور باوجود اس فقر کے عالم کے سخا میں کمی نہ تھی۔
استغنا میں کمی نہ تھی۔ ایثار کے جذبے میں کمی نہ تھی۔ ایک روز قبیلہ بنو سلیم کے ایک بوڑھے شخص

جامع المعجزات صفوری صفحہ 65 خاتون جنت محمد وہبی صفحہ 133-135 سیدۃ فاطمۃ الزہرا فاسیلان کھپر صفحہ 82

نے اسلام قبول کیا۔ اور عرض کی آقا بہت غریب ہوں میری مدد کی جائے حضور علیہ السلام نے صحابہ
سے فرمایا کہ کون شخص ہے جو اس کی مدد کرے۔ ایک صحابی اٹھے انہوں نے ایک اونٹ اس
نو مسلم اعرابی کو دے دیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کوئی اس کا سر ڈھانپنے والا ہے۔ حضرت علی نے اپنا

عمامہ اور دستار اس کو عطا کر دی۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کوئی اسے کھانا کھلانے والا بھی ہے۔ حضرت سلمان
فارسی رضہ اٹھے عرض کیا آقا میں اس کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ اور پتہ کرتا ہوں جس گھر سے کھانا ملے گا
اس کو کھلا دوں گا۔ حضرت سلمان فارسی رضہ چند گھروں میں گئے۔ لیکن حسن اتفاق کہ کھانا
کہیں نہ تھا۔ بالآخر سیدہ عالم رضہ کے دروازے پر آگئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا عرض کی بنت رسول ص
یہ ایک نو مسلم اعرابی آیا ہے بھوکا ہے۔ اگر گھر میں کچھ کھانا ہو تو اس کو کھلا دیجئے۔ سیدہ عالم رضہ
نے سلمان فارسی رضہ سے فرمایا۔ چچا جان اللہ کی قسم ہمارے گھر میں تو تین دنوں سے پہلے ہی فاقہ
ہے۔ اور ابھی حسن اور حسین بھی بھوک سے روتے روتے سو گئے ہیں۔ کھانے کو کچھ نہیں۔
حضرت سلمان فارسی رضہ نے فرق کا یہ عالم دیکھا۔ تو نگاہیں جھکا کر دردناک دل کے ساتھ اعرابی کو لیکر
واپس پلٹنے لگے۔ لیکن اندر سے ندا آئی۔ سیدۂ عالم رضہ نے فرمایا۔ چچا جان سلمان فارسی
بیشک فاقہ ہی سہی لیکن بنت رسول ص کے گھر سے سائل کبھی خالی نہیں جاسکتا۔ آپ نے چادر
اپنی چادر اتار کر دے دی۔ اور فرمایا چچا جان یہ فلاں یہودی کے پاس لے جاؤ۔ اور اس سے
کہو کہ یہ فاطمۃ الزہرا رضہ کی چادر ہے۔ اسے رکھ لو۔ اور کچھ غلہ ادھار دے دو۔ تاکہ سائل کو
کھلایا جائے۔ حضرت سلمان رضہ سیدۂ عالم رضہ کی وہ چادر اطہر لے کر اس یہودی کے پاس پہنچے
اور کہا کہ یہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول کی چادر ہے۔ رکھ لو۔ اور کھانے پکانے کی کوئی جنس دے دو۔
جب یہودی نے یہ نظارہ دیکھا۔ انگشت بدنداں رہ گیا۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ
زمین سے لیکر آسمان تک ایک نظارے میں گم ہوگیا۔ کہنے لگا خدا کی قسم! یہ وہی کردار ہے
جس کا ذکر ہم تورات میں پڑھا کرتے تھے۔ سو تو گواہ ہو جا کہ یہ فاطمۃ الزہرا رضہ جو خود فاقوں
میں ہے۔ جن کے بچے فاقوں سے ہیں۔ اور اپنی چادر رہن رکھ کر سائل کو کھلا رہی ہے۔ گواہ ہو جا
مجھے اللہ کی قسم میں اس فاطمۃ الزہرا کا کردار دیکھ کر اس کے باپ پر ایمان لے آیا۔ چادر لوٹا دی
اور کچھ جَو دے دیئے۔ حضرت سلمان فارسی لیکر سیدۂ عالم رضہ کے گھر آئے۔ آپ کو جَو پہنچا دیئے۔
آپ نے ان کو پیس کر کھانا پکایا۔ اس سائل کو کھلایا۔ اور باقی حضرت سلمان کو دے دیا۔
اس پر حضرت سلمان فارسی رضہ نے سیدہ عالم سے عرض کیا۔ کہ کچھ کھانا حسن اور حسین کے لئے بھی رکھ
لو۔ شرح مشکوۃ صفحہ ۳۸۲ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۹ نزہۃ صفحہ ۲۹۵ بروایت ابن عباس وبلال بن طالب —
وہ شہزادے جو حضور ص کے کندھوں پر سواری کرنے والے۔ حضور ص کی زبان کو چوسنے والے۔ حضور کی گود میں
بیٹھ کر مستی کرنے والے۔ اور حضور ص جن کو جنت کا پھول کہتے تھے۔ بخاری بروایت ابن عمر ترمذی صفحہ ۲۹۳
بروایت الحسن بن ابی بکرہ و عبدالرحمن بن نعیم عن ابن عمر ینابیع المودۃ صفحہ ۳۲۱ طبع قسطنطنیہ۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۹

بحوالہ حاکم بروایت زید بن ارقم ترمذی شریف صفحہ ۶۹۲ بروایت عبدالرحمن بن نعیم ۔ وہ کئی دن سے بھوکے
ہیں۔ فاطمہ! کچھ کھانا ان کے لئے بھی رکھ لو۔ لیکن سیدۂ عالم نے جواب دیا۔ آپ سلمان فارسی کا
خاطر جو تھے خدا کی راہ میں دے چکی ہے۔ اس کے بیٹوں کے لئے وہ جائز نہیں۔ ان کے لئے بھوک کافی ہے
یہ کھانا آپ لے جائیں۔ یہ کردار ہے۔ یہ سیرت ہے۔ بنت رسول سیدۃ النساء کی۔

اور جو فقر خانۂ مصطفیٰ میں تھا۔ وہی فقر کی شان خانۂ فاطمہ میں تھی۔ جو رنگ سیرت
و کردار اور شان استغنا باپ کے ہاں ہے۔ وہی بیٹی کے ہاں ہے۔ پھر ان کی باہمی محبت
کا یہ عالم کہ اگر حضورؐ کو فاطمہ سے محبت ہے تو حضرت فاطمہ کی محبت بھی اپنے ابا جان سے
کمال پر ہے۔ دونوں ملے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حضرت سیدۂ عالم یعنی حضورؐ کی بارگاہ
میں بار بار زیارت کرنے کیلئے جاتیں۔ اور حضورؐ کا معمول یہ تھا۔ احادیث میں آتا ہے کہ
مستدرک حاکم صفحہ ۱۵۹/۳ بروایت عبداللہ بن عمر مدارج النبوۃ صفحہ ۴۸۹/۲۔ جب سیدۂ عالم حضور کی بارگاہ میں آتیں۔
آپ از راہ شفقت و محبت کھڑے ہو جاتے۔ اٹھ کر استقبال کرتے۔ حضور فاطمہؓ کی پیشانی کو بوسہ
دیتے۔ اپنی جگہ سے ہٹ کر وہیں بٹھاتے جہاں خود بیٹھے ہوتے تھے۔ اور جب حضورؐ ان کے ہاں تشریف
لے جاتے وہ کھڑی ہو جاتیں اور حضورؐ کے ہاتھوں پر بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ جب حضور کے
وصال کے دن آگئے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا قریب تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا فاطمہ میرے بیٹوں کو
یعنی حسن اور حسین کو تو لے آؤ۔ مدارج النبوۃ صفحہ ۴۳۰/۲ وہ گئیں اور حسن اور حسین کو لے آئیں۔ اور
اپنی صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم کو بھی لے آئیں حضرت سیدۂ عالمؓ کی پانچ
اولادیں تھیں۔ حضرت حسن۔ اور حضرت حسین اور ایک تیسرے بیٹے محسن بھی تھے۔ جو بچپن میں وصال
فرما گئے اور دو بیٹیاں تھیں۔ حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم

چنانچہ حضورؐ نے فرمایا۔ فاطمہ! بچوں کو لے آؤ۔ تاکہ دم رخصت میں ایک ملاقات ان سے
کر لوں۔ نواسوں اور نواسیوں کو ملنے کیلئے دل چاہ رہا ہے۔ حسن اور حسین اور زینب و ام کلثوم
یہ حضورؐ کی بارگاہ میں لائے گئے۔ آقائے دو جہاں پر بخار کی شدت تھی۔ بار بار غشی طاری ہوتی تھی۔
اس شدت کی کیفیت کو دیکھ کر یہ چاروں شہزادے اور شہزادیاں اپنے نانا سے لپٹ گئے اور
زار و قطار رونے لگے۔ بچوں کو روتا دیکھ کر سیدۂ عالمؓ سے بھی رہا نہ گیا۔ وہ بھی زار و قطار رو پڑیں۔
اپنے ابا جان سے لپٹ گئیں۔ اس پر آقائے دو جہاں کی چشمان مقدس پرنم ہو گئیں اور
فرمایا۔ بیٹی فاطمہ۔ خدا کے نام پر خاموش ہو جا۔ کہ تیرے رونے سے اللہ کا عرش بھی رو رہا ہے۔
آپ خاموش ہو گئیں۔ جب حضورؐ کا وصال ہو گیا۔ تو آپ کی تدفین کے بعد۔ حضرت انس نے

حضرت فاطمہؓ کے پاس جب آئے۔ صحابہ آپ کے پاس تعزیت کیلئے زیادہ آتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا نے پوچھا۔ اے انس تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی صفحہ ۳۱۵ مجھے یہ بتاؤ تو سہی تم نے کس طرح گوارہ کیا کہ میرے ابا کو تم زمین کے سپرد کر کے چلے آئے۔ بس یہ کہنا تھا کہ زار و قطار رو پڑیں۔ اس طرح ایک عجیب حزن و ملال اور رنج و غم کا عالم تھا۔ اور چھ ماہ کے قریب طبقات صفحہ ۳۶ جلد ۸ بروایت ابو جعفر صفحہ ۳۷ بروایت حضرت عائشہ بخاری صفحہ ۵۱۲ جلد ۱ طبری صفحہ ۵۶ جلد ۲ بروایت عروہ، سیرۃ النبویہ برحاشیہ حلبیہ جلد ۳ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم صفحہ ۴۳ جلد ۲ بروایت حضرت امام باقر۔ سیدۂ عالم کے اسی حال میں بیتے تا وقتیکہ ہجر رسول میں رو رو کر آپ کے وصال کا وقت آ گیا۔

آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ طبقات صفحہ ۳۳ جلد ۸ مدارج النبوۃ صفحہ ۸۰۳ جلد ۲ حضرت اسماء بنت عمیس کو بلا بھیجا انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہرا کے وصال سے پہلے ان کی خدمت کی آپ کے غسل میں بھی شریک ہوئیں۔ دیگر خواتین اور حضرت علیؓ بھی شریک ہوئے۔ تین رمضان المبارک آیا۔ اپنے ابا کے غم میں اور روگ رسیدہ عالم عبادت گزار کی۔ کیفیت میں اور استغفار کی کیفیت میں اور اس تنہائی کی کیفیت میں چل بسیں اور جاتے ہوئے آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ رات کی تاریکی میں اس طرح اٹھایا جائے۔ کہ بنت رسول کے جنازہ پر غیر محرم کی نگاہ نہ پڑے

سو آپ کے جنازے پر ایک پردہ طبقات صفحہ ۳۹ جلد ۸، مدارج النبوۃ صفحہ ۸۰۳ جلد ۲ مرآۃ شرح مشکوۃ جلد ۸ تانا گیا۔ رات کو جنازہ طبقات صفحہ ۳۸ جلد ۹ بروایت زہری عن عروہ حضرت عائشہ و یحیٰ بن سعید مدارج النبوۃ طبری اٹھا۔ خاندان بنو ہاشم کے سو چند قریبی صحابہ تھے۔ اور کوئی شریک نہ کیا گیا۔ سیدنا فاروق اعظم شریک ہوئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق شریک ہوئے۔ سیدنا عثمان غنی شریک ہو گئے۔ سیدنا علی شیر خدا اور یہ سب لوگ جنازہ لے کر جنازہ گاہ آئے۔ تو کنز العمال میں آتا ہے کہ امام جعفر صادق طبقات صفحہ ۳۸ جلد ۸ بروایت شعبی و حماد و ابراہیم مدارج النبوۃ صفحہ ۷۹۱ جلد ۲ کنز العمال نے اپنے باپ سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کا جنازہ کس نے پڑھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں جب جنازے کا وقت آیا۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ کہ علی آگے بڑھیے مصلے پر تشریف لائیے اور سیدۂ عالم کا جنازہ پڑھائیے۔ لیکن حضرت علی بولے کہ یہ کیسے ابوبکر خلیفہ رسول کی موجودگی میں علی جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ سو حضرت صدیق اکبر آگے بڑھے اور سیدۂ عالم کا جنازہ پڑھایا۔ اور کئی مقام پر امام زین العابدین روایت کرتے ہیں۔ کہ سیدۂ عالم کا جنازہ سیدنا صدیق اکبر نے پڑھایا۔ اور حضرت علی اور طبقات صفحہ ۳۹ جلد ۸ بروایت زہری و عروہ اور حضرت علی بن حسین، مرآۃ شرح مشکوۃ جلد ۸ بحوالہ مرقات اور حضرت مالک بن طبقات صفحہ ۳۹ جلد ۸ طبری صفحہ ۵۶ جلد ۲ عن عمرۃ بنت عبدالرحمن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے جنازہ پڑھانے کی روایات

بھی منقول ہیں۔ سو ان مختلف روایات میں سے جنازہ جس نے بھی پڑھایا ہو۔ سیدۂ عالم کو کسی کے جنازہ پڑھانے کی فضیلت کی محتاج نہ تھیں۔ ان کا تو وجودِ مسعود خود ساری فضیلتوں کا منبع اور سرچشمہ تھا۔ جنازہ ہوا۔ بیت عقیل طبقات ج ۸ ص ۳۸ بروایت محمد بن عمر عن عبدالرحمٰن بن ... یا جنت البقیع میں تدفین ہو گئی۔

سو محمد رسولِ معظم جو ساری زندگی اپنی فاطمہ سے پیار کرتے تھے۔ اپنی فاطمہ ؓ کو اپنا جگر گوشہ مرأة شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۳۵۶ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۹۷ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۵۲-۱۶۰ ینابیع المودۃ ص ۲۱۹ عن عائشہ ؓ قرار دیتے رہے۔ فاطمہ کا چہرۂ اقدس دیکھے بغیر کہیں جا نہ سکے۔ فاطمہ کی پیشانی ترمذی ج ۲ ص ۸۲۳ سیرۃ حضرت عائشہ ص ... سیمان ندوی مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۸۲ ینابیع المودۃ ص ۲۱۹ چوم چوم کر دل کی محبت کے جذبات کی تسکین فرماتے رہے۔ اور جنہوں نے برملا اعلان فرمایا کہ جس نے فاطمہ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے ترمذی ج ۲ ص ۸۲۳ عن زید بن ارقم فاطمۃ الزہرا ؓ کو دکھ دیا اس نے محمد ؐ کو دکھ دیا۔ جس نے ترمذی ج ۲ ص ۶۹ عن اسامہ فاطمۃ الزہرا ؓ اور اس کے بیٹوں سے بغض رکھا اس نے محمد ؐ سے بغض رکھا جس نے محمد ؐ سے بغض رکھا۔ اس نے خدا سے بغض رکھا۔ ایک طرف بیٹیوں کا یہ عالم ہے۔ اور دوسری طرف سیدۂ عالم ؓ کا مزارِ اقدس آج واقعات دکھ اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ جن ذوات مقدسہ سے اسلام کی آبیاری ہوئی۔ بدقسمتی سے نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں غیر مسلم سازش کے تحت ان شعائر اللہ کو مٹانے کی سعی مشکور کی گئی۔ حتیٰ کہ نجدی سرکاروں کے ہاتھوں مکہ معظمہ مدینہ طیبہ کے متبرک مقامات مولد النبی مولد فاطمہ، قبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ مسجد حضرت حمزہ قبر مطہرہ کے قبہ جات کو اور جنت البقیع کے تمام مزارات کو منہدم کیا گیا۔ اور اس کی توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ یہ واقعات ۱۲۱۳ھ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء کے شیطانی نجدی حاکم نیچے پیش آئے۔ حوالہ جات کے لئے المجدی تاریخ النجد محمد بن عبدالوہاب حیات مسعود بن مسعود تاریخ نجد و حجاز الغنیۃ الصادق المنزل الاول زاد السبیل سیرۃ الرسول ضیائے الایمان ترجمان وہابیہ انوار خمسہ جلد ۲ بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ ظاہر اور پرانی کے عالم میں زبانِ حال سے پکار پکار کر اس امت سے خطاب کر رہا ہے۔ کہ میرے آبا کا کلمہ پڑھنے والو! میرے ابا کی محبت کو بھی دیکھو۔ اور آج میری قبر کے عالم کو بھی دیکھو۔ ہر ایک دعوت ہے یہ ایک نظارہ ہے۔ جو عبرت کیلئے اس امت کو پکار رہا ہے۔ سو حاضرین محترم اور پاک کی بارگاہ میں دعا اور التجا ہے۔ کہ وہ ہماری عورتوں کو ہماری بیٹیوں کو سیدۂ عالم ؓ کی سیرت اور اسوہ پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور ہم سب کو اہلِ بیت عظام کی سچی محبت اور قدر شناسی کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والصلوٰۃ علی — نور الحبیب ۱۹ اپریل ۱۹۸۹ء

حضرت ابو الحسن علی رض

:- (محمد مجیب اللہ نوری)

رات اپنی سیاہ زلفیں بکھیرے ہوئی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چار سو خاموشی کا پہرہ تھا۔ لوگ محوِ خواب ہیں۔ قبولیت کا وقت ہے۔ رحمتِ الٰہیہ کا نزول ہو رہا ہے۔ کہیں سے مسلسل صدا آ رہی تھی۔۔۔ بارِ الٰہا۔ نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قریبی عزیز کی زیارت کرا دے۔ یہ یمن کے رہنے والے کتب سابقہ کے عالم مثرم کے دعائیہ الفاظ ہی کی صدا تھی۔

شہسوارِ مشرق کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ چاند نے اپنی ردا سمیٹی، ستاروں نے اپنی محفل برخاست کر لی۔ ہوا کے خوشگوار جھونکوں میں آفتاب کی حدت رچ گئی اور سورج کی کرنیں عالم کو منور کرنے لگیں۔ ادھر ابو طالب کسی ضروری کام سے یمن روانہ ہو رہے ہیں مگر کسی سنگلاخ اور پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے۔ تپتے صحراؤں سے گزرتے ہوئے اور طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ایک عرصہ کے بعد یمن پہنچتے ہیں۔

مثرم اپنی عبادت گاہ میں مجسمۂ حسرت بنا ہوا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دنیا فانی ہے یہاں جو آیا ہے اُسے کوچ کرنا ہے۔ زندگی کے آخری لمحات سے گزر رہا ہوں۔ اور پھر اب تو میری عمر بھی ۱۹۰ سال ہو چکی ہے۔ میری دعا قبول بھی ہوگی یا نہیں؟ آخر وہ دن کب آئیگا جب کہ میری دعا کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس کے ذہن میں ایسے ہی اور بھی بے شمار سوال کروٹیں لے رہے تھے۔

ابو طالب نے جہاں دیگر سرداران یمن سے ملاقات کی۔ وہاں مثرم کی زیارت کیلئے بھی اس کی عبادت گاہ میں گئے۔ مثرم نے پوچھا کہاں سے آنا ہوا۔ مکہ سے آیا ہوں۔ ابو طالب نے جواب دیا۔ کون سے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو۔ مثرم نے دوسرا سوال کرتے ہوئے کہا۔ بنی ہاشم بن عبد المناف سے ابو طالب نے جواباً کہا۔ مثرم کو شاید اب اپنی دعا کی قبولیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ تبھی تو اس نے ابو طالب کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔ آپ اپنا نام تو بتائیں۔ میں ابو طالب بن عبد المطلب ہوں۔ آپ نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔ اب تو مثرم کو اپنی دعا کی قبولیت کے مشرک یقین کے ڈھانچے میں ڈھلتے ہوئے دکھائی دینے لگے تھے۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے خوشخبری دی۔ میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ عبد المطلب کی اولاد سے دو لڑکے پیدا ہونگے ایک نبی آخر الزمان ہوگا۔ جن کے باپ کا نام عبداللہ ہوگا۔ ان کی پیدائش سے تیس سال بعد دوسرے لڑکے کی ولادت ہوگی۔ جن کے باپ کو لوگ ابو طالب کے نام سے پکارتے ہوں گے۔ اور وہ لڑکا ولیِ کامل ہوگا۔ مثرم ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔ اور پھر تفصیل پوچھتے ہوئے گویا ہوا۔ کیا عبداللہ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا ہے کیونکہ اس کی ظاہر عمر بھی انتیس سال کی ہو گئی ہے

اور ان کا نام محمدؐ ہے۔ ابو طالب نے وضاحت کیساتھ جواب دیا۔ تو پھر تمہیں مبارک ہو کہ اسی سال وہ فرزند دلبند عطا ہوگا۔ جو امام متقیاں اور پیشوائے مومناں ہوگا۔ یہاں سے جب واپس لوٹو تو محمدؐ کو میرا سلام شوق پہنچا دینے کے بعد یہ بھی کہہ دینا کہ مثرم آپ کے نیاز مندوں میں سے ہے۔ اللہ کو ایک اور آپ کو اس کا آخری نبی مانتا ہے۔ اور جب آپ کے ہاں بھی وہ لڑکا پیدا ہو تو اسے بھی میری طرف سے سلام شوق کہنا۔

ابو طالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد جب بھی بتوں کے سامنے سجدہ کرنے کیلئے جھکنے کا ارادہ کرتیں۔ پیٹ کا بچہ جھکنے نہیں دیتا۔ فاطمہ حیرانگی کے عالم میں سوچتی ہیں کہ آخر کیا ماجرا ہے ایک آدھ بار تو ایسا ہوا ہی نہیں کہ اسے واہمہ قرار دے دیا جائے۔ ابو طالب مکہ میں نہیں ہیں۔ فاطمہ بنت اسد گھر سے نکل کر مسجد حرام میں پہنچ کر طواف کعبہ میں مشغول ہو جاتی ہیں ابھی طواف پورا بھی نہ کر پائی تھیں۔ کہ آپ کو دردِ زہ ہونے لگا۔ ابو طالب نے آپ کو کعبہ میں داخل کر دیا۔ اور پھر وہاں وہ بچہ پیدا ہوا جس کی بشارت مثرم نے دی تھی۔ اور جس کی پیشانی والدہ کے پیٹ سے لیکر مرتے دم تک کبھی بتوں کے آگے سجدہ ریز نہ ہوئی تھی۔ مگر کائنات کی پیشانیاں آج بھی عقیدت سے ان کے سامنے خمیدہ ہیں۔

ع بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش۔ کہ وہ اسلام کا کعبہ ہے ایمان کا قبلہ۔

کعبہ میں پیدا ہونے والا یہ بچہ وہ تھا جو بعد میں سرخیل اولیاء اور اہل تصوف کا پیشوا بنا جسے کائنات آج ابوالحسن حیدر کرار علی المرتضیٰ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

آپ کا رنگ سفید۔ آنکھیں خوبصورت۔ بڑی اور سیاہ رنگ کی تھیں۔ داڑھی مبارک گھنی۔ قد قدرے پست۔ اور چاندی کی طرح چمکتی ہوئی صراحی دار گردن تھی۔ چہرہ کیا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آپ کی پرورش حضور علیہ السلام نے فرمائی۔ بچوں میں سب سے قبل آپ نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔ جبکہ آپ کی عمر ابھی آٹھ سال کی تھی۔ آپ کا لقب مرتضیٰ، حیدر کرار۔ امیر المؤمنین۔ کنیت ابوالحسن ابو السبطین اور پسندیدہ کنیت ابو تراب تھی۔ جب آپ کو اس سے پکارا جاتا تو آپ بہت ہی مسرور و شادماں ہوتے۔ کیونکہ یہ انوکھا اعزاز آپ کو بارگاہ نبوی سے مرحمت ہوا تھا۔ چنانچہ مروی ہے۔ کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے آپ کو مسجد میں سویا ہوا پایا اس وقت آپ کے کندھوں سے چادر سرکی ہوئی تھی۔ اور کندھے خاک آلود تھے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کے کندھوں سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا۔ قم ابا التراب۔ قم ابا التراب۔ اے ابو تراب

اُٹھتے اُٹھتے۔ آپ نے خرقۂ خلافت حضور کے دست حق پرست سے حاصل کیا۔ اور ایک جہان کو مطلوب حقیقی تک پہنچایا۔ سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ آپ ہی سے مستفیض ہیں۔ اہل تصوف کے سردار سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ شیخنا فی الاصول والعذی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب حضور علیہ السلام نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ ہمیشہ گریہ زاری میں مشغول رہتے۔ نیز فرمایا کرتے میں نے حضور کا خرقہ پہنا ہے مبادا آپ کی اتباع و سنت کے منافی کوئی کام سرزد ہو جائے اور روز محشر شرمساری کا بارگراں اٹھانا پڑے۔ آپ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آتے۔ قول و فعل میں سرور عالم علیہ السلام کی اتباع کرتے اور آپ کے فرمودات میں سر مو فرق نہ آنے دیتے۔

مناقب و فضائل۔ یوں تو احادیث اور سلف صالحین کے اقوال کا انبوہ کثیر آپ کی شان میں وارد ہے۔ جن کا حیطۂ تحریر میں لانا ممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ مگر اختصار کے پیش نظر چند احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو چاہتا ہو کہ آدم کو ان کے علم میں نوح کو ان کی سمجھ میں ابراہیم کو ان کے حلم میں موسیٰ کو ان کے زہد میں اور محمد کو ان کی رونق و تازگی میں دیکھے وہ علی بن ابی طالب کو دیکھے۔

جلالِ چہرہ یزداں جمالِ سیدۂ رسول۔ فروغ جبیں تجلی سکون قلب ملول۔

نیز فرمایا۔ النظر الی علی عبادۃ کہ علی کی زیارت عبادت ہے۔

جس مسلمان نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام۔

پھر فرمایا جس نے علی کو دوست رکھا۔ اس نے گویا مجھے دوست رکھا۔ اور جس نے مجھے دوست رکھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو دوست رکھا۔ اور جس نے علی سے بغض رکھا۔ اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ علی کا محب خدا کا پسندیدہ اور آپ کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ اور سرکار علیہ السلام نے فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے۔

نیز آپ نے فرمایا۔ اے علی تیری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے۔ کہ یہودیوں نے

ان سے ایسی دشمنی کی کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھا اور نصاریٰ نے ان سے اس درجہ
محبت کی کہ انکو ایسے مرتبے پر پہنچا دیا۔ جس کے وہ لائق نہ تھے۔ الحمدللہ کہ مذہب حقہ
اہل سنت والجماعت راہ اعتدال پر گامزن ہے۔ نہ ہی روافض کی طرح آپ کی محبت
میں ایسے گم گشتہ ہیں کہ محبت کی آڑ لے کر شیخین اور دیگر صحابہ پر طعن و تشنیع
کے نشتر چلاتے ہیں۔ حالانکہ مولا علیؓ خود فرماتے ہیں۔ لا یجتمع حبی و بغض ابی بکر و عمر فی
قلب مومن۔ میری محبت اور ابوبکر و عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔
اور نہ ہی نواصب و خوارج کی مانند مولا علی سے بغض و کینہ رکھتے ہیں۔ بلکہ دل و جان
سے آپ کے غلام ہیں۔ اور آپ کے ہر قول و فعل کو اپنے لئے مشعل راہ گردانتے ہیں۔
حضور علیہ السلام نے کمال قرابت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ علی مجھ سے ہے۔
اور میں علی سے ہوں۔ جب آپ نے مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ مؤاخات قائم
کیا تو حضرت علی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں حضور نے رونے
کا سبب دریافت فرمایا۔ تو آپ نے عرض کی حضور آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔
حضور نے فرمایا۔ انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ اے علی تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔
اس فضیلت میں آپ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ چنانچہ اس حدیث کی روشنی میں
خود فرماتے ہیں۔ انا عبداللہ واخو رسولہ لا یقولہا غیری الا کذاب۔ تو آپ نے اس
قول میں جہاں اپنی امتیازی خصوصیت کی نشاندہی کی ہے وہاں یہ بھی واضح فرما دیا۔
کہ میرے سوا حضور کے بھائی بننے کے دعویدار کذاب ہونگے۔ اب ان لوگوں کو غور کرنا
چاہئیے جن کے عقیدہ کی زبان یہ ہے۔ اولیاء و انبیاء امام و امام زادہ پیر و شہید یعنی
جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔ تقویۃ الایمان
عبادت و ریاضت۔ عبادات میں سے نماز کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ آپ کو نماز سے حد درجہ محبت تھی۔ نماز میں ایسے مستغرق ہوتے۔ کہ کسی دوسری
طرف خیال تک نہ جاتے۔ ایک مرتبہ جنگ کے دوران آپ کی پنڈلی میں تیر لگ گیا۔ ماہر
طبیبوں نے تیر نکالنے کیلئے بہتیرا جتن کئے۔ مگر اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ آپ نے فرمایا
میں اس درد میں بے حد لذت محسوس کر رہا ہوں۔ جب تیر نکالنے کی تمام تدابیر
ناکام ہو چکیں تو امام حسن مجتبیٰ نے فرمایا۔ کہ جب آپ نماز میں مشغول ہوں تو
تیر با آسانی نکالا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب آپ نماز میں مستغرق ہوئے تو تیر نکال لیا

اور بدستور نماز میں مشغول رہے۔ جب فارغ ہوئے۔ تو لوگوں نے کہا۔ حضرت نماز کا اعادہ فرمائیں۔ کیونکہ آپ کا تیر نکال لیا گیا ہے۔ دیکھئے ابھی آپ کی پنڈلی سے خون جاری ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں چلا۔

؎ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو ۔ عجب چیز ہے لذت آشنائی۔

آپ نے وضو فرمایا۔ اور نماز دوبارہ ادا کر لی۔ آپ بڑے صاحب ذوق اور شب بیدار تھے۔ تمام رات عبادت و مجاہدہ ذکر و تلاوت کلام مجید میں محو رہتے۔ نماز فجر کے بعد قبلہ رو ہو کر سورج طلوع ہونے تک حضور علیہ السلام پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے۔ علم و ذکا۔ علم و ذکاوت کے اعتبار سے آپ صحابہ میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ آپ سے ان کی زیادتی علم و فضل اور قوت حافظہ کے تیز ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا جب میں رسول کریم ؐ کو غسل دے رہا تھا۔ تو تھوڑا سا پانی آپ کے چشم خانہ میں رہ گیا۔ میں نے زمین پر گرنے سے دریغ کیا اور اسے چوس لیا۔ یہی میرے علم و فضل اور قوت حافظہ ہونے کا باعث ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ؐ نے یمن میں بھیجا کہ وہاں عدل و انصاف کا منصب سنبھالوں۔ اور احکام شریعت کے مطابق فیصلے کروں۔ میں نے عذر کیا کہ میں قضا و عدل پر ماہر نہیں ہوں۔ تو رسول اکرم ؐ نے میرے سینے پر اپنا دست شفقت رکھا۔ اور فرمایا۔ اللھم اھد قلبہ وثبت لسانہ۔ اس کے بعد عمر بھر فیصلہ کرتے وقت مجھے کبھی شبہ تک نہیں گزرا۔ نیز آپ نے تحدیث نعمت کے طور پر اپنی علمیت اور فضل و کمال کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ سلونی قبل ان تفقدونی سلونی عن علم لا یعلمہ جبریل ولا میکائیل۔ میری وفات سے پہلے ایسے علوم کے بارے میں سوال کر لو۔ جن کا علم نہ جبریل کو ہے اور نہ میکائیل کو۔ یہ علم مجھے حضور علیہ السلام نے عطا کیا ہے۔ اور ان علوم کا ایک حصہ ہے۔ جو شب معراج آپ کو بارگاہ خداوندی سے حاصل ہوئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے مخالفوں کے ساتھ جھگڑوں سے فرصت ملتی تو ہمارے لئے علمی اور روحانی معلومات کا وہ ذخیرہ چھوڑ جاتے جسے دل برداشت کرنے کے متحمل نہ ہوتے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر آپ کو

بلا مبالغہ کہا جائے گا کہ آپ علم و عرفان کے منبع و سرچشمہ ہیں یہ سمندر اپنی بے پناہ وسعتوں اور بیکرانیوں بیکرانیوں کے باوصف آپ کے علم و فضل کے بحر لامتناہی کے آگے ایک چھینٹے کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ ایک دن آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور فرمایا سلونی قبل ان تفقدونی۔ عرش کے سوا جو چاہو پوچھو۔ کیونکہ میرا سینہ علم سے بھرپور ہے۔ یہ علم حضور کا عطا کردہ ہے۔ اور آپ نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ یہ اسی کی برکت ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تورات و انجیل کو اذن تکلم ہو تو میری اس بات کی تصدیق کریں اس مجلس میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولا علیؓ نے اپنی باطنی قوت اور کشف سے اس کی نیت اور اندرونی کیفیت کو بھانپتے ہوئے فرمایا۔ تم صرف فقہ و دانائی کے متعلق سوال کرنا امتحان اور آزمائش قابلیت کے متعلق بات نہ پوچھنا اس نے کہا اب آپ نے مجھے اس کا پابند بنا لیا۔ لہٰذا آپ بتائیں کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے۔ مولا علیؓ نے فرمایا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کروں اور اسے نہ دیکھوں۔ اس نے کہا۔ آپ نے اسے کیسا پایا۔ آپ نے اس کے جواب میں نہایت ہی حسین پیرائے میں وہ الفاظ ادا فرمائے۔ جنہیں ان کی جامعیت کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار کہا جا سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

آنکھوں کے مشاہدہ سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ بصیرت قلب اور حقائق و القان سے دیکھ سکتے ہو۔ وہ واحد و لاشریک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ بے نظیر و بے مثال ہے اس کا کوئی مکان نہیں۔ اور نہ وہ کسی زمانے کا پابند ہے۔ اسے حواس سے پہنچانا نہیں جا سکتا۔ اور نہ اسے انسانوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ سوال کرنے والا یہ باتیں سن کر چیخنے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو کہنے لگا۔ اب میں نے اپنے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ کسی سے بر سبیل امتحان و آزمائش سوال نہیں کروں گا۔

کرامات :- (1) شواہد النبوۃ میں ہے کہ اپنے زمانہ خلافت میں ایک بار زمین بابل پر پہنچے راستے طے کرنے کی عجلت میں آپ سے نماز قضا ہو گئی آپ نے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا۔ آفتاب نکل آیا۔ اور ظہر کا وقت ہو گیا۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو سورج غروب ہو گیا۔ (2) آپ سے محبت رکھنے والے لوگوں میں سے

ایک سیاہ فام غلام نے کسی کی چوری کرلی۔ اسے حضرت کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ
نے پوچھا کیا تو نے چوری کی ہے۔ جی ہاں میں نے چوری کی ہے۔ غلام نے جواب دیا۔ آپ
نے شرعی حد نافذ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ غلام عدالت سے واپس لوٹا کہ
راستے میں اسے سلمان فارسی ابن کرّار ملے۔ یہ تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے۔ ابن کرّار نے
دریافت کیا۔ یہ اس نے کاٹا ہے جو مومنوں کا امیر ہے۔ اور مسلمانوں کا سردار ہے
جو داماد رسول اور زوج بتول ہے۔ غلام نے محبت آمیز لہجہ میں کہا۔

حضرت علی نے تیرا ہاتھ تو کاٹ دیا ہے۔ اور تو ان کی مدح کر رہا ہے۔ ابن کرّار نے حیرانگی
کے عالم میں کہا۔ مجھے تعریف کا حق پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ تعریف کے لائق ہے۔ اور میں کیوں
نہ انکی تعریف کروں جبکہ انہوں نے میرا ہاتھ کاٹ کر مجھے آخرت عذاب سے بچا لیا ہے
غلام نے بڑے وقار سے کہا۔ اور چل دیا۔

سلمان فارسی اور ابن کرار مولا علیؑ کے دربار میں پہنچے۔ میں سلمان نے تمام ماجرا
آپ کے گوش گزار کر دیا۔ آپ نے اس غلام کو بلا کر اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کو کلائی کے ساتھ
رکھ کر چادر سے ڈھانپ دیا۔ اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ آسمان سے
ندا آئی۔ ہاتھ پر سے چادر کو اٹھا دو۔ چادر اٹھائی گئی تو کیا تھا۔ دیکھتے ہیں کہ ہاتھ یوں
صحیح سلامت ہے جیسے کٹا ہی نہ تھا۔

شہادت۔ آپ اپنی عادت کے مطابق لوگوں کو بیدار کرتے ہوئے مسجد کی طرف
تشریف لے جا رہے تھے۔ ابن ملجم نے آپ پر بڑا سخت وار کیا جس سے آپ جانبر
نہ ہو سکے۔ آخر ۲۱ رمضان المبارک بروز اتوار ۴۰ھ میں اس دنیا فانی سے کوچ
فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گذشتہ اوراق پر بکھرے ہوئے مضمون کو یوں مختصر کیا جا سکتا ہے
کہ آپ عادات و صفات نبویہ کے مظہر۔ خصائل و شمائل مصطفویہ کے بہت بڑے
مصور۔ عبادت و ریاضت میں غار حرا کے خلوت نشین کا نقشہ، مسجد نبوی کے سپاہ سے
بڑے قاضی القضات کے جلوے اور حلم و بردباری اور رسالت مآب کے اصل کے پرتو تھے۔ مفسر قرآن
فقیہہ علم و عرفان امت کے راہنما اور نگہبان، صوفیا کے امام اور اہل علم کا سہارا بھی آپ
ہیں۔ بال بال شعراء کے قصائد کا مطلع، واعظوں خطیبوں مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں
کا ابتدائیہ فصیحوں، بلیغوں اور ادیبوں کے لئے فخر آپ ہیں۔ حالانکہ ہم اس عاشق رسول

ہمارے قلوب محبت و عشق مصطفیٰ سے لبریز اور باب مدینۃ العلم کے وسیلہ جلیلہ سے علم و عمل نصیب فرمائے۔ (آمین)

علی ہے معنی ام الکتاب و نفس رسول۔
علی لطیف علی حسین علت و معلول
علی خبیر و علی مخبر و علی ہے خبر
علی نظیر و علی ناظر و علی ہے نظر
ہر ایک ادا میں ہیں سو جلوے بے حجابی کے
نثار دیدہ و دل شان بو ترابی کے

ماخذ:۔ تفسیر کبیر، روح البیان، البدایہ والنہایہ، نور الابصار، مشکوۃ شریف، سنن بیہقی، زرقانی، تاریخ الخلفاء، سیر الاقطاب، شواہد النبوۃ، الاستیعاب، نزہۃ المجالس، وغیرھم۔

نور الحبیب
رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ ستمبر ۱۹۷۶ء
تبلیغ سلسلہ نمبر ۱۲۶

27-11-03

مومن کون ہے

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
(داتا گنج بخش خطاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

وبشر المومنین بان لہم من اللہ فضلا کبیرا

آج کی اس نشست میں جس موضوع پر چند کلمات گوش گذار کر رہا ہوں۔ وہ ہے مومن
کون ہیں۔ اور ان پر اللہ کا بڑا فضل کیا ہوتا ہے۔ آیت کریمہ کے جو چند الفاظ میں نے
تلاوت کیے ہیں۔ ان میں اللہ جل مجدہ الکریم نے فرمایا۔ وبشر المومنین بان لہم من
اللہ فضلا کبیرا۔ مومنین کو خوشخبری سنا دو کہ بے شک ان کے لیے ان کی طرف سے بہت
بڑا فضل ہے۔ تو موضوع گفتگو یہ ہے۔ کہ مومنین کون ہوتے ہیں۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کا
بڑا فضل کیا ہوتا ہے۔ آپ حضرات کیلئے جو کچھ عرض کروں گا اس کا
مقصد اور غرض و غایت یہ ہے۔ کہ اسے یاد کر لیں۔ اور اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔
اور دل و دماغ کی تختیوں پر ثبت کر لیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ رب العزت کی بہت سی
نعمتوں میں سے کچھ نعمتیں ایسی بھی ہیں۔ کہ اگر ہم ان کا شکرانہ ادا کرنا بھی چاہیں
تو نہیں کر سکتے۔ ان میں سے ایک نعمت اس امت مسلمہ میں اولیاء و صلحاء اور علماء حق
کا وجود مسعود بھی ہے۔ علماء حق اور صلحاء کا وجود خود اتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر ان
کے جوتوں کی خاک آنکھوں کا سرمہ بنانے کیلئے مل جائے تو اس سے بڑی سعادت نہ دنیا میں
ہے۔ اور نہ آخرت میں۔ یہ فیوضات ہیں۔ ان اولیاء کاملین کے اور صلحاء مقربین کے جو مخلوق
پیکروں میں امت کے پاس ہر دور میں آتے رہے اور قیامت تک آتے رہیں گے۔

حاضرین محترم: جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس
میں بیان فرمایا۔ کہ اے میرے محبوب ﷺ مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔ اور بشارت دے دو۔
کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم
اس بات کا تعین کیسے کریں کہ مومن کون ہیں۔ اس کا آسان اور واضح جواب یہ ہے
کہ مومن یہ مرد حق آگاہ ہے۔ جس کی بارگاہ میں ہم بیٹھے ہیں۔ ایک مرد مومن کس طرح
بنتا ہے۔ اسے قرآن مجید سے سمجھنا ہے۔ اور اسی آیت کے سیاق و سباق سے سمجھنا
ہے ویسے تو متعدد مقامات ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں سے انسان ایمان اور مومن کی
مفہوم سمجھ سکتا ہے۔ مگر اس موقع پر اسی مقام کے سیاق و سباق کے حوالے سے
سمجھنا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے پہلے جو آیت کریمہ وارد کی ہے

وہ مومن کا مفہوم متعین کرنا میں کافی اور وافی ہے۔ اس سے پہلے کیا آیت کریمہ ہے۔ یہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا (احزاب ۳۳ : ۴۵، ۴۶) ۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو شاہد مطلق، بشارت دینے والا، ہر وقت متنبہ کرنے والا اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور منور کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

یہ اوصاف ہیں۔ نبوت مصطفٰے کے جو اللہ رب العزت نے یہاں بیان فرمائے اور قابل توجہ بات یہ ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ شانوں کو ترتیب کے ساتھ بیک وقت بیان فرمانے کے بعد اب فرمایا۔ پس خوشخبری سنا دو۔ ان لوگوں کو جو مومنین ہیں مومن اسے کہتے ہیں۔ جو دل سے بھی مانے اور زبان سے بھی مانے۔ جو بامر مجبوری زبان سے تو مانے مگر دل سے نہ مانے وہ مومن نہیں منافق کہلاتا ہے۔ آپ ذرا مومن، منافق اور کافر کا فرق اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ کافر نہ دل سے مانتا ہے۔ نہ زبان سے مانتا ہے۔ منافق زبان سے مانتا ہے۔ لیکن دل سے نہیں مانتا۔ اور مومن زبان سے بھی مانتا ہے۔ اور دل سے بھی مانتا ہے۔ یہ بات بڑی واضح ہے۔ کہ یہاں ایمان باللہ کا ذکر اس آیت کے سیاق میں مفصلاً نہیں۔ اسی طرح ایمان بالآخرت اور ایمان بالکتاب کا بھی ذکر نہیں۔ اگر ہم یہاں ایمان اور مومن سے مراد معاشرتی تعریف لیں تو وہ یہاں صادق نہیں آتی۔ کیونکہ اس آیت میں سیاق میں نہ ایمان بالملائکہ کا ذکر ہے۔ اور نہ ایمان بالجنۃ کا ذکر ہے۔ اور نہ ہی ایمان بالحشر کا ذکر ہے۔ اس مقام پر نہ اقامت صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ نہ ایتاء الزکوٰۃ کا ذکر ہے۔ نہ صوم رمضان کا ذکر ہے۔ اور نہ حج کا ذکر ہے۔ یہاں تو صرف ایک ہی بات کا ذکر ہے۔ اور اس کا ذکر ہے جس کے سوا کوئی مذکور ہی نہیں۔ جب اللہ پاک نے فرمایا کہ ماننے والوں کو خوشخبری دے دو۔ جو زبان و دل سے مانتے ہیں۔ ایمان لائے رہے ہیں انہیں خوشخبری دے دو۔

کس چیز کی خوشخبری؟ یہ سوال بعد میں آئے گا پہلے یہ طے کر لیں کہ مومن یعنی ماننے والا کون ہے۔ اور اس کیلئے خوشخبری کیا ہے۔؟ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ خلود متعلقین نہیں ہونے دیئے۔ کہ ہم اپنی سمجھ اپنی فکر اور اپنی رائے سے فیصلے خطوط متعین کرتے پھریں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کیلئے مومن ہونے کیلئے ایک ہی راستہ متعین کر دیا اور مومنین کے بیان سے پہلے ان کی شرائط بیان کر دیں کہ اے محبوب اپنی امت

کو بتا دو۔ کہ ہم نے تمہیں چھ شانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ یوں بھی تو بیان کیا جا سکتا تھا کہ ہم نے تمہیں نبی بنا کر بھیجا اور بس! لیکن ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا۔ ہم نے آپ کو چھ شانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس لئے اس چھ شانوں کو مانتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آؤ۔ نبوت پر ایمان لانے کا دعویٰ تو ہر کوئی کرتا ہے۔ مگر نبوت پر ایمان کس شرط پر ہونا چاہئے۔ کن اوصاف کے ساتھ ہونا چاہئے۔ کن تقاضوں کے ساتھ ہونا چاہئے۔ جب تک وہ تقاضے پورے نہ ہوں، وہ شرائط پوری نہ ہوں اور اوصاف بتمام و کمال پورے نہ کئے جائیں۔ آپ لاکھ بار اپنے آپ کو مومن کہتے جائیں۔ آپ مومن نہیں ہو سکتے۔ قرآن پاک نے ان شرائط اور نبی کی چھ شانوں کا ذکر اس طرح بیان فرمایا ہے۔

نبی علیہ السلام کی چھ شانیں:- نبی علیہ السلام کی چھ شانیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شانِ نبوت (۲) شانِ شاہدیت (۳) شانِ مبشریت (۴) شانِ نذیریت (۵) اللہ کے لئے داعی ہونا۔ (۶) شانِ سراجِ منیر۔

پہلی شان نبوت پھر دوسری شان شاہدیت۔ تیسری شان مبشریت چوتھی شان نذیریت اور پانچویں شانِ دعوتِ الی اللہ یعنی اللہ کی طرف بلانا۔ یہ نبوت اور شہادت یہ تبشیر یہ انذار یہ دعوت۔ یہ پانچوں شانیں عطا کی ہیں۔ اور اگلی بات سراجاً منیرا کی فضل کبیر کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی ہم نے اے محبوب تمہیں ان پانچ شانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ سو مومن وہ ہے۔ جو تمہیں ان پانچ شانوں کے ساتھ مانے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک شان کا بھی منکر ہو جائے۔ اور باقی ساری مانے وہ طبقہ مومنین میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اور جب مومنین کے طبقے سے خارج ہے۔ تو اللہ کے فضل کا حق دار بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مومن ہونے کے لئے اور رحمتِ الٰہیہ کا مستحق ہونے کے لئے اور فضل و رحمتِ الٰہیہ کا حق دار ہونے کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ ان پانچ تقاضوں اور شرائط کو پورا کرے۔ اب اختصار کے ساتھ ان پانچ شانوں کو بیان کرنا ہے۔ تاکہ مومن کا مفہوم واضح ہو جائے۔

۱۔ شانِ نبوت:- پہلی شان، شانِ نبوت ہے۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا اختصار کے ساتھ تھوڑی سی بات سمجھانا چاہتا ہوں۔ نبی وہ ہے۔ جو ان حقائق کی خبر دے۔ جنہیں کوئی آنکھ نہ دیکھ سکے۔ ان حقائق کی خبر دے جو کوئی کان نہ سن سکے۔

۲۰۱۹/۰۱/۱۰

ان حقائق کی خبر دے جنہیں کوئی چھو نہ سکے۔ اور ان حقائق کی خبر دے جنہیں عقل سمجھ نہ سکے۔ اس کو نبی کہتے ہیں۔ اس لئے نبی کا معنیٰ ہے۔ غیب کی خبریں دینے والا۔ یہ لفظ نبا سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے خبر۔

باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ذلك من انباء الغیب نوحیه الیک (آل عمران ۳۔ ۴۴) یہ غیب کی خبریں ہیں۔ یہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں۔ وہ خبر جو نبی کے متعلق ہے۔ جس خبر سے باخبر ہو کر اور جس خبر کا مخبر ہو کر نبی بنتا ہے۔ اس کا تعلق ہی غیب سے ہے۔ فرمایا، محبوب! ہم نے تمہیں نبی بنا کر بھیجا۔ یعنی ان حقیقتوں کی خبر دینے والا۔ بنا کر بھیجا جن کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اور نہ کوئی سمجھتا تھا۔ اور بھیجا اس لیے کہ لوگ مومن بن جائیں اور ماننے لگیں۔ انسان مانتا ہے کسی شئے کو دیکھ کر مانتا ہے۔ کسی شئے کے متعلق سن کر یا مانتا ہے کسی شئے کو سمجھ کر۔ اے محبوب! تمہیں بھیجا ہے کہ خدا کی خبر دو۔ تم ملائکہ کے وجود کی خبر دو۔ تم قیامت کی خبر دو تم بعث بعد الموت کی خبر دو۔ تم جنت و دوزخ کی خبر دو۔ تم میری قدرت کی خبر دو۔ میری ذات و صفات کی خبر دو۔ الغرض ان حقیقتوں کی خبر دو۔ جن حقیقتوں کو آج تک سوائے نبی کے نہ کوئی دیکھ سکا نہ کوئی سن سکا۔ نہ کوئی پہچان سکا۔ اور نہ کوئی دلائل عقلیہ سے جان سکا۔ انسان جنہیں سننے سے قاصر تھا۔ جن کے جاننے سے قاصر تھا۔ بس تم جا کر اتنا ہی کہہ دو کہ وہ ہے۔ اور تیری زبان سے سن کر وہ ایمان لے آئیں۔ تم فقط اتنا اعلان کر دو کہ رب ہے۔ تو وہ لوگ جو دیوار کے پیچھے بیٹھے ہوئے شیر کو بھی دیکھے بغیر نہیں مانتے اور جب تک اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کر لیں۔ کچھ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ ان سے کہہ دو۔ کہ تم کائنات کی مختلف ذوات اور موجودات کی بات کرتے ہو۔ میں ساری کائنات کے خالق و مالک کی بات کرتا ہوں۔ کہ وہ ہے۔ اب تمہیں سمجھ آئے یا نہ آئے دیکھو نہ دیکھو۔ پا سکو نہ پا سکو مگر بیر کتنے پیر بن دیکھے مان لوگے تو ایمان کی پہلی شرط پوری ہو گی۔ یہ ایمان بالغیب ہے۔ اور اگر تم یہ شرط لگاؤ۔ کہ مانتے تو ہیں۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ سمجھ میں آ جائے۔ تو کبھی بھی مومن نہیں ہو سکو گے۔ کیونکہ مومن ہونے کے لئے شرط ہے۔ کہ بن دیکھے مان لیا جائے۔ اور فقط اسی لیے مان لیا جائے کہ کملی والے آقا نے کہہ دیا ہے۔ کہ وہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا ہے۔ کہ وہ ہے چونکہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تو جو بن دیکھے مان لے۔ اس نے مومن ہونے کی پہلی شرط پوری کر دی۔

اب جو بات قابل توجہ ہے۔ اس ماننے میں وہ یہ ہے۔ کہ میں آپ سے اگر یہ کہوں کہ حضرت علامہ مقصود احمد قادری صاحب بہت بڑے جید عالم ہیں۔ اور آپ نے انہیں نہ کبھی سنا ہو۔ اور نہ پڑھا ہو۔ نہ دیکھا ہو۔ ان سے واقفیت بھی نہ ہو۔ آپ پہلی بار ان کی بات میری زبان سے سنیں گے۔ اور میری بات سن کر آپ مان لیں کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں۔ اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ آپ نے پہلے انہیں مانا یا مجھے۔ اس لئے کہ اگر پہلے مجھے نہ مانتے تو ان کو تو آپ جانتے ہی نہ تھے۔ آپ نے میری زبان سے سنا۔ کہ علامہ مقصود احمد صاحب بہت بڑے عالم ہیں۔ آپ ماننے لگے فوراً ماننے لگا ضمناً انہیں کو مقصود تھا۔ مگر پہلے کسے مانا۔ پہلے مخبر کو مانتے ہیں۔ اور بعد میں مخبر عنہ کو مانتے ہیں۔ جب تک مخبر یعنی خبر دینے والے کو نہ مانا جائے جس کی خبر دے رہا ہے۔ اسے کون مان سکتا ہے؟

فرمایا محبوب۔ یہ لوگ سمجھ لیں اگر میری توحید کی معرفت چاہتے ہیں اگر میری الوہیت پر ایمان چاہتے ہیں۔ میری واحدانیت پر اعتقاد چاہتے ہیں۔ تو انہیں معلوم ہو جانا چاہئے۔ کہ محبوب مجھے ماننے کیلئے شرط یہ ہے۔ کہ پہلے تمہیں مانیں محبوب میرا ماننا تیرے ماننے سے گزر کر آئے گا۔ پہلے تجھ تک پھر مجھ تک پہنچیں گے۔

دوستو! اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب ہم نے تمہیں خبر دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ پہلے تمہیں مانیں پھر جس کی خبر تو لے کر آیا ہے۔ اس تک پہنچیں تو گویا ایمان کی پہلی شرط یہ ہوئی کہ دہلیز رسالت پر پہلے سر تسلیم خم کرو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے۔ کہ توحید کی بارگاہ تک ایمان باللہ تک رسائی پہلے ہوگی اور پھر اس بارگاہ میں آئیں گے۔ یہ گمان باطل ہے۔ اس بارگاہ تک ایمان اس ایمان کے واسطے سے ملے گا۔ ہم جو ایمان باللہ پہلے کہتے ہیں۔ اور ایمان بالرسالت بعد میں کہتے ہیں۔ تو کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ اگر یہ بات ہے۔ تو ترتیب مختلف کیوں نہیں ایمان باللہ پہلے ہے۔ اور ایمان بالرسالت بعد میں ہے۔ تو بات یہ ہے۔ دوستو! کہ ترتیب میں اختلاف ہے۔ حفظ مراتب کے لئے۔ اللہ اور کہا ہے۔ اور رسول اس کے بعد ہیں۔ تاکہ ترتیب میں حفظ مراتب بھی قائم رہے۔ رہ گیا تقدم اور تاخر کا ذکر۔

Date

تو رسالت پر ایمان مقدم ہے۔ اللہ پر ایمان مؤخر ہے۔ اور اگر آپ کے ذہن میں یہ سوال آئے
کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں بھی اللہ پہلے ہے اور رسول ؐ کا ذکر بعد میں ہے۔ تو
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ کلمۂ طیبہ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت عروجی
اور دوسری جہت نزولی ہے۔ ایک جہت یہ ہے کہ جب اللہ کا حکم آسمان سے اترتا ہے
اور جہت یہ ہے کہ جب مخلوق سے اللہ کی طرف جاتا ہے۔ جہت عروجی اور جہت
نزولی کلمہ طیبہ کی دونوں جہتوں کو دونوں سمتوں کو سامنے رکھ لیں۔ تو اوپر سے
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جب یہ حکم وہاں سے چلتا ہے۔ تو وہاں رب کی بات
پہلے ہے۔ رسول کی بات بعد میں ہے۔ تم رب نہیں ہو۔ بندے ہو۔ رب اونچا ہے
تم نیچے ہو۔ جب یہاں سے چلو گے تو جو نیچے ہے۔ وہ پہلے آئے گا۔ اور جو اوپر
ہے وہ بعد میں آئے گا۔ جب انسان کسی چھت پر چڑھتا ہے۔ تو پہلا قدم پہلی
سیڑھی پر پڑتا ہے۔ اور اترتے ہوئے پہلا قدم آخری سیڑھی پر پڑتا ہے۔ مخلوق
جب اوپر کی طرف رسائی حاصل کرنا چاہے۔ تو اس کے لئے پہلا قدم دہلیز مصطفےٰ
ہے۔ یہاں سے وہ چڑھائی کا آغاز کرے گی۔ یہاں ذکر مصطفےٰ ہوگا۔ اور صعود مراتب
کے لحاظ سے پہلے ذکر خدا ہوگا۔

۲۔ شان شاہدیت ۔ ارشاد خداوندی ہے۔ انا ارسلنٰک شاہدًا۔ آپ محبوب
صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم نے تمہیں شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ شاہد شہود سے مشتق
ہے۔ اس کا معنیٰ ہے۔ الحضور مع المشاہدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ۔
مفردات امام راغب ص ۲۶۸ ۔ مشاہدہ کے ساتھ
حاضر ہونا۔ خواہ ظاہر آنکھ سے خواہ دل کی آنکھ سے۔ شاہد وہ ہوتا ہے۔ جو با
خبر ہو۔ اگر اس کا مرادی معنیٰ گواہ بھی کر لیں۔ تو وہ معنی بھی درست ہے۔ گواہ
کبھی بھی بے خبر نہیں ہوتا۔ اگر عدالت میں گواہ چلا جائے۔ عدالت اسے پوچھے
اور وہ کہے کہ مجھے خبر نہیں۔ تو کیا اسے کوئی گواہ مانے گا۔ نہیں۔ عدالت کہے گی۔
نادان گواہ بے خبر نہیں ہوتا۔ گواہ ہمیشہ باخبر ہوتا ہے۔ اگر شاہد کا معنیٰ
مشاہدہ کی بنا پر حاضر ہونے والا یا حاضر ناظر کریں تو تب بھی درست ہے۔ مقصود
یہاں یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ باخبر ہیں۔ تو مومن ہونے کے لئے دوسرا
شرط یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہدیت پر ایمان رکھے اور جانے کہ

کہ میرے احوال واقوال سے حضور علیہ السلام باخبر ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ البقرہ ۲ : (۱۴۳) اور رسول کہ ہم تو تم پر نگہبان اور گواہ ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ باخبر ہونے کی بنا پر تم پر گواہی دیں گے۔ جو نبی امت کے احوال سے بے خبر ہو۔ وہ نبی اور رسول ہی نہیں ہو سکتا اس شان شاہدیت پر اس طرح ایمان لاؤ کہ میرے رسول باخبر ہیں اور صبح و شام میرے احوال سے باخبر ہیں۔ اور میں ہمہ وقت بطور امتی اپنے نبی علیہ السلام کی نظر میں ہوں۔ میرے نبی مجھ سے بے خبر نہیں ہیں۔ یہ بات بیشمار دلائل سے ثابت ہے۔ تفصیلات میں نہیں جا رہا۔ صرف نکتے سمجھا رہا ہوں۔ اس سلسلے کا ایک نکتہ یہ بھی ہے۔ کہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کس کا گواہ کس شئے کا گواہ؟ باری تعالیٰ آیت میں اس سوال کا جواب دے رہا ہے۔ کہ باقی چیزوں کے گواہ تو اور بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ خود میری ذات کا، میری ہستی کا گواہ ہے۔ جو میرے حسن کو جاننا چاہے۔ میرے مصطفیٰ کے حسن کو دیکھ لے۔ جو میرے علم کا اندازہ کرنا چاہے۔ وہ علم نبی کی وسعتوں کو دیکھ لے۔ جو میری عظمتوں کو دیکھنا چاہے۔ وہ میرے نبی کی عظمتوں کو دیکھ لے۔ جو میری قدرتوں کا نظارہ کرنا چاہے۔ وہ تصرفات مصطفیٰ کو دیکھ لے۔ گویا میری ہستی پر سب سے بڑی دلالت تو یہ میرا نبی ہے۔ اپنی اپنی ذات پر گواہ مطلق بنا کر بھیجا جو اسے دیکھ لے جان لے کہ میں نے رب کو دیکھ لیا ہے۔ اس شان شاہدیت پر ایمان لائے اور یہ خیال رکھے کہ نبی بے شک گواہ تھے۔ مگر ان کی شہادتیں زمانی تھیں۔ مکانی تھیں۔ مگر جس طرح نبوۃ مصطفیٰ زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔ اس طرح شہادت مصطفیٰ بھی کائنات میں ازل سے ابد تک سب زمانوں پر حاوی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید و جئنا بک علی ھؤلاء شہیدا۔ النساء ۴: ۴۱ اس وقت کا کیا عالم ہوگا۔ جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے۔ اور آپ کو ان تمام پر گواہ بنائیں گے۔ ہر نبی فقط اپنی امت پر گواہ ہوگا۔ مگر یہ نبی ازل سے ابد تک ساری کائنات کے لئے سب امتوں پر گواہ ہوں گے۔ یہ حضور ؐ کی شان شاہدیت ہے۔ جس پر ایمان لانا فرض ہے اس کے بغیر بندہ ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

۳ - شانِ مبشّراً :- تیسری شان ہے مبشّراً یعنی خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا
ہے۔ مبشّر وہ ہوتا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ یہ اچھا کام ہے۔ کرو گے تو بخشے جاؤ گے۔ ہم
اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ ابھی بہت کچھ بیان کرنا باقی ہے۔

۴ شانِ نذیراً :- چوتھی شان نذیراً ہے۔ نذیر کا معنیٰ ہے کہ آپ کو
ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ڈرانے کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ جس کام کی نسبت یہ نبی
فرما دے کہ یہ کام بُرا ہے۔ اسے نہ کرو۔ ورنہ دوزخ میں جاؤ گے۔ تو اس سے فوراً رک
جاؤ۔ اگرچہ تم نے اس کام کا انجام نہیں دیکھا۔ دوزخ بھی تمہاری نظروں سے
اوجھل ہے۔ مگر بتانے والا چونکہ نذیر ہے اسے شانِ نذیریت دے کر بھیجا گیا ہے۔
اس لئے اس کے کلام سے سرتابی نہ کرو۔ اور اس کی بات مانو۔ نجات اسی میں ہے۔

۵ شانِ داعی الی اللہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں شان داعی الی اللہ
ہونا ہے۔ جس کا مطلب ہے اللہ کی طرف بلانے والا اس شان سے مانو کہ یہ نبی جس
طرف بلائے اس طرف چل پڑو۔ روکے تو رک جاؤ۔ تمہیں رلائے تو رو پڑو۔ ہنسائے تو
ہنس پڑو۔ اٹھائے تو اٹھ جاؤ۔ بٹھائے تو بیٹھ جاؤ۔ کھلائے تو کھاؤ۔ پلائے تو پی لو۔
خلاصہ یہ کہ نبی کی ذات کو مرکزِ دین بنا لو۔ اور زندگی کے تمام امور میں اسی کے پیچھے
چلو۔ چونکہ وہ اللہ کے اذن سے اسی کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ اس لئے اللہ
کی طرف بھی جاؤ۔ تو اس کے بلاوے سے جاؤ۔ خود بخود نہ جاؤ۔ بھٹک جاؤ گے۔
میرے محبوب کے بلاوے کے پیچھے چلو گے تو رسائی پا جاؤ گے۔ گویا وداعیاً الی اللہ
بتا رہا ہے کہ نبی کے بلاوے کے بغیر اور نبی کی نسبتوں کے بغیر کسی کو رب بھی
نہیں ملتا۔ مذکورہ مقام پر ارشاد فرمایا۔ ادع الی سبیل
ربک۔ النحل ۱۶ : ۱۲۵ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ سوچنے کی بات
یہ ہے۔ کہ کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے۔ ہمارا رب نہیں ہے۔ کیوں ہمیں بھی ایسا کہا۔
کہ ان کے رب کی طرف بلاؤ۔ اگر کہا جاتا تو درست تھا یا نہیں۔ فرمایا ادع الی سبیل ربک
اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ تاکہ یہ لوگ میری طرف آئیں۔ اور مجھ کو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سمجھ کر آئیں۔ رب کو رب مانو۔ مگر رب محمد علیہ السلام سمجھ کر مانو۔ پھر توحید معتبر
ہے۔ ادع الی سبیل ربک۔ اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ۔ باری تعالیٰ
بات تو اپنی کرتا ہے۔ لیکن اپنی بات بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کرتا ہے۔ اللہ

ہم تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ نسبت کوئی ضروری نہیں ہوتی۔ ہم لوگ تو سمجھتے ہیں۔ کہ تو نسبتوں کا مطلب بھی نہیں ہے۔ پھر بھی اپنی بات کرتا ہے۔ محبوب کی نسبت سے یہ ماجرا کیا ہے یہ آیت کریمہ زبان حال سے جواب دیتی ہے۔ کہ لوگو۔ تمہیں کیا خبر ہے۔ جس طرح رب تنہا ہے۔ میں ہی ہوں اسی طرح اس کائنات میں محبوب بھی فقط ایک ہی ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رب بھی ایک ہے، الحمد للہ محبوب بھی ایک ہے۔ اور وہ گئے یہ ساری کائنات تو یہ ان کے وسیلے سے ہے۔ اور ان کے فیضان نبوت کے اجالے کی طفیل ہے۔ ادع الی سبیل ربک اپنے رب کی راہ کی طرف بلا۔

اس میں نکتہ محبت بھی ہے۔ یعنی اے محبوب۔ رب تو سب کا ہوں مگر جو بات تیرا رب کہلانے میں ہے۔ وہ کسی اور کا رب کہلانے میں نہیں۔ جب میں سنتا ہوں کہ محمد ﷺ میں کا رب ہوں۔ تو میری شان ربوبیت بھی جھوم جھوم جاتی ہے۔ رب تو سب کا ہوں مگر تیرا رب ہونا کچھ اور ہی بات ہے۔

یہ قرآن کا اسلوب ہے لوگو۔ قرآن رب کی راہ، نسبت محمدیہ کے بغیر کبھی نہیں دکھاتا۔ جو کوئی تمہیں حضور کی نسبت کے بغیر رب کی راہ دکھائے تو سمجھ لو۔ کہ وہ رب کی راہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ دوسرا مقام یہ ارشاد فرمایا۔ کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۰) ہم سب کی مدد کرتے ہیں۔ ان کی بھی اور ان کی بھی۔ تیرے رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں ہے۔

ہم سب کی مدد کرتے ہیں۔ ساری مخلوق کی مدد کرتے ہیں۔ جو اس نے پیدا کیا۔ مدد تو کرنا ہی ہے۔ کیونکہ رب جو ہوا۔ مدد ایک ایک کی کرتے ہیں۔ مگر اے میرے محبوب ان کو بتا دے۔ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ مگر من عطاء ربک یہ لوگ جان لیں کہ محبوب ساری کائنات کو جو نعمتیں مل رہی ہیں۔ یہ عطائیں تیرے رب کی ہیں۔ کوئی اپنا حق نہ جتاتا پھرے۔ کہ ہمارا حق تھا۔ ہمیں مل گیا۔ نہیں دینے والا رب ہے۔ لیکن ملتی نسبت مصطفیٰ سے ہے۔ کوئی مانے نہ مانے۔ اپنا تو یہی عقیدہ ہے۔

دیتا ہے خدا سب کو مگر در سے محمد کا ۔

Date

من عطائی ربک - یہ ساری میری ہی عطائیں ہیں کوئی شک نہیں مگر یہ بھی جان لو کہ عطائیں ہیں کس کے سبب سے نادانو! مصطفیٰ کے رب کی عطائیں ہیں - ادھر جھکو گے تو عطائیں قائم رہیں گی. منہ پھیر لو گے تو وہ بھی منہ پھیر لے گا. اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے فرمایا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں -

کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے. کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ حیات ظاہری بھی ان کو تو سب عطائیں حضور کی نسبت سے ملتی تھیں. اب چودہ سو سال گزر گئے اب تو (معاذ اللہ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں ہیں رب ذوالجلال عالم الغیب ہے. جو خیال پیدا بھی نہ ہو. وہ پہلے سے جانتا ہے. فرمایا جو کچھ انہیں مل چکا ہے۔ اے میرے محبوب تیرے رب کی عطا تھی اور اگلوں کو بتا دو۔ وما کان عطاء ربک محظورا - قیامت تک آنے والوں کو جو کچھ ملے گا. وہ بھی تیرے رب کی عطا ہو گی. جو کچھ پچھلوں کو ملا. محبوب وہ بھی تیرے رب کا ہو کر ملا. جو اگلوں کو ملے گا. وہ بھی تیرے رب کا ہو کر ملے گا -

دوستو! یہ پانچ نشانیاں ہیں نبوت کی اگر ان پانچ نشانوں کے ساتھ حضور پر ایمان لے آؤ. بشیر المومنین میں داخل ہو جاؤ گے. مومن بن جاؤ گے. سیدھا فیصلہ قرآن کا. آپ نہ میری بات مانیں اور نہ علماء کی بات مانیں قرآن کی بات مانیں. قرآن پر فیصلہ تو آسانی سے ہو سکتا ہے. دوستو! ہم کو سیدھی سادھی ایمان کی راہ قرآن کے ذریعے بتائی جا رہی ہے. اگر مومن بننا چاہتے ہو. تو حضور علیہ السلام کو ان نشانوں کے ساتھ مان لو. حقیقت یہ ہے کہ ایمان فقط خود کو غلامی مصطفیٰ میں دے دینے کا نام ہے. اپنے گلے میں غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پٹہ ڈال لینے کا نام ہے. خود کو حضور علیہ السلام کی ملکیت میں دے دینے کا نام ہے. خود کو دہلیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں دے دینے کا نام ہے. عقل و خرد کے چراغ بجھا کر حضور علیہ السلام کے پیچھے پھرنے کا نام ایمان ہے. اور حضور علیہ السلام کے گلی کوچوں میں کتوں کی طرح روتے پھرنے کا نام ایمان ہے. اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ منافقت ہے. وہ دجل ہے. وہ فریب ہے. وہ دھوکہ ہے. ایمان

فقط یہ ہے۔ کہ خود کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دو۔ اس پر قرآن گواہ ہے۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت مزید تشریح کیلئے پیش کرتا ہوں، پھر مخفلہ کبریٰ کی طرف آتے ہیں۔ یہ جو بات میں نے کی کہ عقل و خرد کو چھوڑ کر پیچھے پیچھے غلام بن کر چلو۔ اسی کو قرآن کہتے ہیں۔ اٹھائیے قرآن پاک اور دیکھیے۔

باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ واعلموا ان فیکم رسول اللہ (الحجرات ۴۹: ۷) اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہیں۔ بہت معاملوں میں اگر یہ تمہاری اطاعت کریں تو تم ضرور مشقت میں پڑو۔ لیکن اللہ نے تمہیں پیارا کر دیا ایمان اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔ اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی۔ قرآن مجید نے دو ٹوک فیصلہ کر دیا۔ فرمایا۔ لوگو! سن لو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ رسول اللہ تم میں موجود ہیں۔ یہ قرآن ہے۔ واعلموا ان فیکم رسول اللہ جان لو کہ رسول اللہ تم میں موجود ہیں میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ یہ قرآن کا خطاب صرف صحابہ کے ساتھ خاص تھا۔ یا قیامت تک پوری امت مسلمہ کیلئے ہے۔ اگر صرف صحابہ کیلئے تھا۔ اور امت مسلمہ کے ہر دور کیلئے نہ تھا۔ تو قرآن کا حکم پھر امت کیلئے باقی نہ رہا۔ کیونکہ حکم خطاب اللہ ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ الحکم ما ثبت بخطاب اللہ۔ اللہ کے خطاب ہی سے حکم نکلتا ہے اگر حکم کیلئے خطاب ہی نہ رہا تو حکم بھی باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واعلموا ان فیکم رسول اللہ فیکم میں تم شامل ہو کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ کہ لوگو! جان لو رسول اللہ تم میں موجود ہیں۔ اب اس پر جھگڑا کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام موجود ہیں یا نہیں۔ اے نادان اپنی بات بھی چھوڑ میری بات بھی چھوڑ، قرآن پہ فیصلہ کر لو۔ قرآن کہتا ہے کہ جان لو رسول اللہ تم میں موجود ہیں۔ لو یطیعکم فی کثیر من الامر اگر بہت سی باتوں میں رسول اللہ تمہاری پیروی کرنے لگیں یا بالفاظ دیگر رسول کا حکم تمہاری خواہشوں کے مطابقت میں ہو۔ یا رسول تمہارے پیچھے تو کیا ہو؟ لعنتم تم تباہ ہو جاؤ تم برباد ہو جاؤ اگر رسول تمہاری مان لے تو تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ یہ جان فرما کر ان سے فرمایا۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان جان لو رسول تم میں موجود ہیں۔ اگر وہ تمہارے پیچھے چلیں تو تم برباد ہو جاؤ۔ ہلاک ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا۔ کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔ تو اس نے کیا کیا۔ تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین

کر دیا۔ ایمان کو تمہارے لئے محبوب کر دیا۔ اب بتائیے! صدق اور اخلاص سے بغیر جانبداری سے نہ اِس کی سنو اور نہ اُس کی سنو قرآن پر فیصلہ کر دو کہ یہاں ایمان کا معنیٰ کیا ہے۔ قرآن مقدسہ پیش کر رہا ہے۔ واعلموا ان فیکم رسول اللہ۔ پہلے تو یہ مانو کہ رسول تم میں موجود ہیں۔ اور پھر یہ مانو کہ عافیت آنکھیں بند کر کے یار کے پیچھے چلنے میں ہے۔ اور ملاح دارین یار کے نقش قدم کو تلاش کرنے میں ہے۔

ہے مجھے ہوش کب تھی رکوع کی مجھے کیا خبر تھی سجود کی۔
ترے نقش پا کی تلاش تھی کہ میں جھک رہا نماز میں۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان۔ اللہ نے یہ ایمان تمہارے دلوں میں محبوب کر دیا کہ تم جاننے لگو کہ رسول موجود ہیں۔ اور عافیت اسی میں ہے۔ کہ عقل و خرد کے چراغ بجھا کر حضور علیہ السلام کے پیچھے ہو جاؤ۔ یہ ماننا ایمان قرار پایا۔ وزینہ فی قلوبکم اور اسی ایمان سے تمہارے دلوں کو مزین کر دیا تو ایمان کا معنیٰ متعین ہو گیا۔ کہ حضور نبی اکرم کی ذات حاضر و موجود ہے۔ اور عافیت عقل و خرد کے چراغ بجھا کر حضور علیہ السلام کے پیچھے چلنے میں ہے۔ جب تم نے یہ مان لیا تو ایمان آگیا۔

وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ اگر اس بات کا اعتقاد رکھو تو ایمان پر ہو۔ اور اگر چھوڑ دو۔ تو یا کفر ہے یا فسوق ہے۔ یا گناہ ہے۔ قرآن پاک نے تینوں مقامات بیان کر دیئے کفر ہے۔ یا فسوق ہے۔ یا عصیان ہے۔ یعنی اس اتباع رسول کے سوا جو کچھ ہے۔ گمراہی ہے۔ ایمان نہیں ہے۔

حاضرین محترم! اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں بتا دیا سمجھا دیا کہ مومن وہ ہے۔ کہ حضور جو لیس بن دیکھے مان لے۔ اور حضور علیہ السلام کو ہر وقت سکے کر جو سے باخبر ہیں۔ اور حضور علیہ السلام جدھر بالکل دوڑ پڑیں جس سمت سے ہو کہیں رک جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے تو اسی پہچان سے جو شخص ان پانچ شرطوں کے ساتھ حضور علیہ السلام کو مانتا ہے۔ وہ مومن ہے۔ اب فرمایا۔ وبشر المومنین بان لھم من اللہ فضلاً کبیرا۔

4۔ شان سراجاً منیرا۔ مومنین کو خوشخبری دے دو۔ کہ جو ایمان کی ایسی نسبت میرے محبوب سے استوار کر لیتے ہیں۔ تو پھر کیا ہوتا ہے۔ انہیں فضل کبیر ملتا ہے۔ انہیں بڑے فضل کی خیرات ملتی ہے۔ وہ کہاں سے ملتی ہے۔ ادھر پانچ صفتیں بیان ہوئیں۔ اور آخر میں فرمایا

وسراجاً منیرا۔ محبوب پاک صفتیں دیکر تمہیں چمکتا ہوا سورج بنا کر نور بکھیرتا ہوا چراغ بنا دیا
ادھر سراج منیر او بنایا اور ادھر ایسے مومن کا سینہ اس چراغ منیر سے منور کر کے فضل
کبیر عطا کر دیا۔ فرمایا کہ جو مومن ہے۔ جو اپنی نسبت ﷺ سے قائم کر لے۔ اسے چراغ
مصطفےٰ کا نور ملتا ہے۔ اور سراج منیر نبوت سے پہلے اپنے آپ کو مستنیر کرتا ہے۔ اور جیسے
حضور علیہ السلام کے سینے کا نور ملنا شروع ہو جائے بس اسی نور کو فضل کبیر کہتے ہیں
وہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ حاضرین محترم ہمیشہ نبی کی نسبت سے اللہ کا فضل ملتا ہے
پہلی امتوں کو اپنے انبیاء کی نسبت سے اللہ کا فضل ملا۔ مگر فرق یہ ہے۔ کہ وہ پہلی
امتوں کے نبی تھے۔ یہ ساری کائنات کے نبی ہیں۔ قرآن بتاتا ہے۔ کہ ان انبیاء کی
نسبت جن کو ملی انہیں اللہ کا فضل ملا۔ اور جن کو حضور علیہ السلام کی نسبت ملی۔
انہیں فضل کبیر ملا۔ انہیں بڑا فضل ملا۔ فیصلہ قرآن سے لیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں نبوت سلیمانی سے نسبت رکھنے
والا شخص اٹھا۔ قال الذی عندہٗ علم من الکتاب انا اٰتیک بہٖ قبل ان یرتد
الیک طرفک۔ النمل ۲۷ : ۴۰۔ کہا اس شخص نے جس کے پاس کچھ علم الکتاب
تھا۔ میں اس کو لے آؤں گا۔ آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے۔ آنکھ جھپکنے سے پہلے
ہزاروں میل کی مسافت سے تخت لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے قدموں میں رکھ
دیا۔ کیا آپ سینکڑوں میلوں کی مسافت سے آنکھ جھپکنے میں غائب ہو سکتے ہیں۔
آنکھ جھپکنے میں آپ بیٹھے ہوئے اٹھ بھی نہیں سکتے۔ مگر یہاں سینکڑوں میلوں کی
مسافت طے ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ نبوت سلیمان کی نسبت رکھنے والا آنکھ
جھپکنے میں۔ یہاں بھی موجود تھا۔ وہاں بھی موجود تھا۔ جب تخت آ گیا۔ تو فرمایا۔ ھذا
من فضل ربی۔ یہ میرے رب کا فضل ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔ بڑا فضل ہے۔ اور جب نبوت
مصطفےٰ کی نسبت کی باری آئی تو فرمایا۔ بان لھم من اللہ فضلاً کبیرا۔ وہاں خالی فضل ہے
یہاں فضل کبیر ہے۔ وہاں فضل کا اعلان نبی کر رہا ہے۔ اور یہاں فضل کبیر کا اعلان خود
رب ذوالجلال کر رہا ہے۔ رب کا بڑا فضل ہے۔ تو جس طرح ان انبیاء کے مدارج اور مراتب
میں فرق ہے۔ اسی طرح ان نبوتوں کے مراتب فیض میں بھی فرق ہے۔

حضور قبلہ گنج بخش علی ہجویری مراتب نبوت کے بارے میں ایک لطیف نکتہ بیان
کرتے ہوئے کشف المحجوب میں محادثہ اور مسامرہ کے فرق میں بیان کرتے ہیں

Date

کہ محادثہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص کسی لمحے رب سے ملے۔ اور رب کی معیت کا مقام پائے اور وقت دن کا ہو۔ یہ محادثہ ہے۔ اور جو کوئی رب کی معیت پائے وقت رات کا ہو۔ تو مسامرہ ہے۔ مگر فرق یہ ہے۔ داتا گنج بخش رح فرماتے ہیں۔ کہ محادثہ پہلے نبیوں کا مقام ہے۔ اور مسامرہ حضور علیہ السلام کا مقام ہے۔ محادثہ اور مسامرہ میں فرق بیان فرماتے ہوئے حضور داتا گنج بخش رح نے فرمایا۔ کہ جو صاحب محادثہ ہے۔ وہ التجا کرتا ہے۔ کہ باری تعالیٰ تیری بارگاہ میں آنا چاہتا ہوں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر میرے پاس آنا چاہتا ہے۔ تو پہلے چالیس روز سارے کو چھوڑ میرے طور پر آ۔ تو صاحب محادثہ چالیس دن انتظار کرتا ہے۔ اور انتظار کرنے والا جب طور پر جاتا ہے۔ تو رب ہم کلام ہوتا ہے۔ پھر بھی کلام سے اس کا دل مچل جاتا ہے۔ اس وقت صاحب محادثہ آرزو کرتا ہے۔ کہ اسے کلام کرنے والے حسین ایک پردہ اٹھا کر دیدار کی جھلک بھی نصیب ہو جائے۔ وہ اپنی عرض یوں پیش کرتا ہے۔ رب ارنی انظر الیک الاعراف ۷ : ۱۴۳ : اے میرے رب مجھے اپنا دیدار کرا کہ میں تجھے دیکھوں۔ صاحب محادثہ کو ندا آتی ہے۔ لن ترانی الاعراف ۷ : ۱۴۳۔ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ تیرا مقام فقط کلام تک ہے۔ دیدار کا نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رح فرماتے ہیں۔ کہ جو صاحب مسامرہ ہوتا ہے۔ وہ رات کو بستر پر سوئے ہوتے ہیں۔ انہیں بھیج کر بلایا جاتا ہے۔ کہ اے جبرئیل جا محبوب علیہ السلام کو اسی حال میں اٹھا کر لے آ۔ اور چشم زدن میں لے آ۔

اسری بعبدہ لیلا ۔ بنی اسرائیل ۱۷ : ۱) جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ آن واحد میں لے آ۔ ہم اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب صاحب مسامرہ جاتا ہے۔ تو رب ارنی نہیں کہتا۔ وہاں کلام بھی ہوتا ہے۔ وہاں دیدار بھی ہوتا ہے۔ اس لئے آپ فرماتے ہیں۔ صاحب محادثہ کیلئے فرمایا۔ ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا ۔ الاعراف ۷ : ۱۴۳ ، جب موسیٰ علیہ السلام ہماری مقرر کردہ جگہوں پر آئے۔ چنانچہ صاحب محادثہ خود آتا ہے۔ صاحب مسامرہ کے بارے میں فرمایا۔ سبحان الذی اسری ۔ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو۔

دوستو! جس طرح نبوتوں کے مراتب میں فرق ہے۔ اسی طرح اللہ کے فیضان نبوت میں بھی فرق ہے۔ وہ اولیاء جو بنی اسرائیل کی امت کے اولیاء تھے۔ اگر چشم زدن میں۔ کئی جگہوں پر ہو سکتے ہیں۔ تو یہ داتا گنج بخش، غوث پاک، خواجہ اجمیر۔

اور اولیاءِ اُمتِ مصطفوی جنہیں فضلِ کبیر عطا ہوا۔ جب ان کی نسبت قائم ہوئی تو یہ بھی چشم زدن میں اپنے غلاموں کو فیض دینے کے لئے کائنات کے گوشے گوشے میں جا سکتے ہیں۔ حاضرین محترم! جہاں تک ان کے فیض کا تعلق ہے۔ آپ جہاں بھی ہوں۔ ان کا فیض پہنچنے میں تاخیر نہیں۔ ہر جگہ توجہات آپ کے سینے کو منور کر سکتی ہیں مگر جب کسی پر کرم ہوتا ہے۔ تو اسے بلایا جاتا ہے۔ حاضرین محترم۔ حضور علیہ السلام کی نبوت سے جب اس طرح کا تعلق قائم ہو جاتے اور بندہ ایسا مومن حق بن جائے۔ اور مردِ مومن بن جائے۔ تو پھر اس پر فضلِ کبیر کی بارشیں نازل ہیں۔ اس کے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ حجابات مرتفع کر دیئے جاتے ہیں۔ قرب و بُعد کی مسافتیں ختم کر دی جاتی ہیں۔ دوریاں مٹ جاتی ہیں۔ پھر وہ اللہ کا بندہ فضلِ کبیر کی نگاہ سے جس وقت چاہتا ہے اس کی نگاہ کام کرتی ہے۔ چونکہ اس کا سینہ نورِ مصطفیٰ سے منور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا۔ افمن شرح اللہ صدرہٗ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہٖ۔ زمر ۳۹-۲۲۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ وہ رب کی طرف سے نور پر قائم ہو جاتا ہے۔ اور جسے یہ نورِ نبی ﷺ نصیب ہو جائے اور جو مرد ولی اس فیضان سے بہرہ ور ہو جائے۔ اس کے بارے میں حضرت شیخ روز بہان بقلیؒ فرماتے ہیں۔ یبصرون الحق بنورہ ویبصرون ما دون الحق من العرش الی تحت الثریٰ بنورہ۔ (عرائس البیان) مومن شخص حق کا اور حق کے علاوہ عرش سے تحت الثریٰ تک بھی اسی نور سے مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ رب کے نورِ الوہیت سے اور مصطفیٰ ﷺ کے نورِ نبوت سے ایسا منور ہو جاتا ہے کہ اس نور کی نگاہ سے رب کا صفاتی جلوہ کرتا ہے۔ اللہ اور رب کے سوا۔ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر شے کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی دولت عطا کرے۔ ان اولیاء کی نسبت سے وہ فیض عطا کرے۔ کہ ہم بھی فضلِ کبیر میں سے حصہ حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں۔ (آمین)

نور الحبیب جلد ۱ دسمبر ۱۹۸۹

[signature]

30-11-03

بادشاہ کا حکم یا عالم کا فتویٰ

ایک دفعہ سلطان ملک شاہ ماہ رمضان میں شہر نیشاپور میں مقیم تھا۔ ۲۹ تاریخ آئی تو حسب معمول خواص و عوام نے مکانوں کی چھتوں اور چوراہوں پر کھڑے ہو کر ہلال عید دیکھنے کی پر زور جدوجہد اور سر توڑ کوشش شروع کر دی، عید کا چاند دیکھنے میں جو لطف آتا ہے۔ اور جو بے چینی اور بے قراری ہوتی ہے۔ تقریباً ہر مسلمان کو اس کا اندازہ ہے۔ چونکہ ذہن میں چاند کا تصور ہوتا ہے۔ اس لیے قدرتی طور پر چاند کی صورت بار بار نگاہوں میں پھرتی نظر آتی ہے۔ کہ۔

پتہ پتہ شب زینت مجھے ہلاتا ہے۔
میں سمجھتا ہوں ہر آہٹ پہ کہ تو آتا ہے۔

القصہ جب پوری پوری جدوجہد اور زمین تھکانے کے باوجود ہلال عید کی پیاری پیاری صورت نظر نہ پڑی تو کچھ مقربان دربار نے ایک روزہ ہضم کر ڈالنے پر کمر باندھ لی۔ اور آپس میں سازش کر کے بادشاہ کی خدمت میں بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ عرض کیا کہ چاند دکھائی دے گیا ہے۔ بادشاہ نے ان کی روایت پر اعتبار کر کے شہر میں منادی کرا دی۔ کہ کل عید ہو گی۔ اس زمانے میں دنیائے اسلام کے مشہور اور زبردست عالم امام الحرمین ابو المعالی عبدالملک جوینی جو شافعی مذہب کے بہت بڑے مجتہد اور حجۃ الاسلام امام غزالی کے استاد تھے۔ مسند فتویٰ اور اجتہاد پر متمکن تھے۔ جب انہیں اس امر کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً حکم دیا۔ کہ شہر میں منادی کرا دی جائے کہ ابو المعالی کہتا ہے۔ کہ کل رمضان ہے۔ اور جو شخص اس کے فتویٰ پر عمل کرتا ہے اسے چاہیے۔ کہ وہ کل روزہ رکھے۔ بادشاہ کے خادموں نے اس معاملہ کی خبر نمک مرچ لگا کر بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچا دی۔ اور اس کے دل میں بات بٹھانے کی کوشش کی۔ کہ ابو المعالی اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور چونکہ مملکت کے عوام ان کے معتقد ہیں۔ لہذا لازمی طور پر وہ بادشاہ کے حکم کو ماننے کی بجائے انہی کے فتوے پر عمل پیرا ہوں گے۔ اور یہ بات یقیناً بادشاہ کے وقار اور عظمت و شوکت کے منافی ہو گی۔ بادشاہ نے یہ سنا۔ تو بہت برہم ہوا۔ اور اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ لیکن چونکہ نہایت نیک نہاد۔ اور صحیح الاعتقاد تھا۔ اور اہل علم فضل کی عزت و احترام کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اور امام الحرمین کے بلند مرتبہ اور ان کی جلالت شان سے بھی بخوبی آگاہ تھا۔ اس لیے اس نے اپنے کچھ آدمیوں سے کہا۔ کہ وہ امام صاحب کو

نہایت عزت واحترام اور ادب کیسا تو ان کی خدمت میں پیش کریں۔ یار لوگوں نے بہت
کچھ کہا۔ کہ جب انہوں نے آپ کے حکم کی بے حرمتی کی ہے۔ تو پھر آپ ان کو با عزت طریقہ
پر بلا رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ کہ جب تک ہم ان سے خود بات نہ کریں محض
خبر سن کر اتنے بڑے بزرگ کی بے عزتی نہیں کر سکتے۔

جب بادشاہ کے آدمی امام صاحب کو بلانے ان کے گھر پہنچے تو وہ فوراً
چلنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسی پگڑی اور کپڑوں کے ساتھ جو اس وقت پہنے
ہوئے تھے۔ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ درباریوں نے جب ان کو اس لباس
میں دیکھا تو انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ امام صاحب نے صرف اس مخالفت
پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آپ کی مجلس کے آداب کو بھی بالکل نظر انداز کر کے گھریلو لباس
میں ہی آپ کے حضور حاضر ہو رہے ہیں۔ اس بات سے سلطان اور بھی غضبناک ہو گیا۔
اور اس نے امیر الحجاب درباریوں کا افسر کو حکم دیا کہ وہ امام صاحب کے پاس جا کر معلوم
کرے۔ کہ وہ اس طریقہ پر دربار کیوں حاضر ہوئے ہیں۔ حالانکہ انہیں علم ہے۔ کہ اس طرح
بادشاہ کے سامنے جانا۔ آداب سلطانی کے خلاف ہے۔ امام صاحب نے اس کا جواب خود
بادشاہ کے سامنے جا کر دیا۔ اور کہا کہ اے بادشاہ میں انہیں کپڑوں سے جو اب میں رکھے ہیں
نماز ادا کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جو لباس خدا کے سامنے پہنا جا سکتا ہے۔ وہ ہر جگہ
پہنا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ رسم بن گئی ہے۔ کہ بادشاہ کے سامنے اس قسم کے لباس
میں نہ جایا جائے۔ اس لئے میں نے رعایت ادب ملحوظ رکھتے ہوئے۔ چاہا کہ مناسب لباس پہنوں
لیکن جس وقت آپ کا فرمان پہنچا اور میں نے لباس بدلنے کا ارادہ کیا۔ تو مجھے خوف پیدا ہو گیا۔ کہ اگر
میں کپڑے بدلوں گا۔ تو کافی دیر ہو گی۔ اور اس تاخیر کے سبب میرا نام بادشاہ اسلام کے
باغیوں اور مخالفوں میں لکھا جائے گا۔ لہذا جن کپڑوں میں گھر بیٹھا تھا۔ انہیں میں آپ کے سامنے
حاضر ہو گیا۔ اور میں تو کہتا ہوں۔ کہ اگر صرف میں ایک تہہ بند ہی باندھے ہوئے ہوتا۔ تو اس
خوف سے کہ میں اطاعت حکم سلطان میں عجلت کی فضیلت سے محروم نہ ہو جاؤں اسی حالت
میں بھی آپ کے سامنے چلا آتا۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ جب آپ بادشاہ کی اطاعت کو اسلام میں
ضروری سمجھتے ہیں۔ تو آپ نے میرے حکم کے خلاف منادی کیوں کرائی۔ امام صاحب نے جواب
دیا۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے۔ ہم پر واجب ہے۔ کہ سلطان کا حکم بجا لائیں۔

لیکن جہاں تک فتویٰ کا تعلق ہے سلطان بے پرواہ ہے۔ وہ ہم سے دریافت کرے۔ کیونکہ
شریعت اسلامیہ کے مطابق جس طرح بادشاہ کا حکم درست ہے۔ اسی طرح علماء کا
فتویٰ بھی۔ اور روزہ کا رکھنا اور پھر کرنا فتویٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ حکم سلطانی سے
بادشاہ نے جب امام کی یہ بات سنی تو اس کا غصہ فوراً کافور ہو گیا۔ اور وہ امام صاحب
سے بے حد خوش ہوا۔ اور ان پر بہت سی مہربانیوں اور عنایتوں کی بارش کر ڈالی۔ اما
اللہ کیسے عالم تھے۔ اور کیسے سلطان عالم نے شریعت کے خلاف کام ہوتے دیکھا۔ تو
بادشاہ وقت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اور جب سلطان نے معقول بات سن لی۔ تو اس
نے فوراً بخوشی اسے قبول کر لیا۔ اور صدق دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

[signature] 30-11-03

نور الحبیب! شوال المکرم ۱۴۰۸ھ

بے گور و کفن میت (محمد اصغر حمیدی)

ساری عمر اس نے احکام خداوندی کی نافرمانی کی تھی۔ اس لئے اس کی نماز جنازہ
نہ پڑھی جائے۔ یہ بڑا ظالم تھا۔ اس لئے اس کی میت کو کفن نہ دیا جائے۔ یہ بڑا بدکار تھا۔
اس کو غسل نہ دیا جائے۔ یہ کبھی عبادت خانے نہیں گیا تھا۔ اس لئے اس کیلئے دعائے
مغفرت نہ کی جائے۔ یہ فاسق و فاجر تھا۔ اس لئے اس کی میت کو ایک منٹ کیلئے
بھی گھر میں نہ رکھا جائے۔ یہ بدکار تھا۔ اس لئے یہ اس سلوک کا مستحق ہے۔ کہ اس کو
غسل دئیے بغیر اور نماز جنازہ پڑھے بغیر گھسیٹ کر گندگی اور غلاظت کے ڈھیر پر پھینک
دیا جائے۔ بنی اسرائیل کی قوم کے ایک گنہگار شخص کی موت کے بعد اس کی میت کے
پاس جمع ہونے والے وہ لوگ جن کو اپنی عبادت و ریاضت، تقویٰ و پرہیزگاری اور زہد
و پارسائی پر تکبر اور گھمنڈ تھا اور جن کے نزدیک عبادت و ریاضت ہی فقط رضا
و خوشنودی الٰہی اور فلاح و نجات کا واحد ذریعہ تھی۔ وہ مرنے والے شخص کے گناہوں اور
اس کی تمام گناہوں بھری زندگی کے خلاف اپنی نفرت و حقارت کیلئے اس قسم کی گفتگو
کر رہے تھے۔ اور اس کی میت کو ٹھکانے لگانے کیلئے ایسے طریقے سوچ رہے تھے۔ جن
سے اس کی میت کی زیادہ سے زیادہ بے آبروئی ہو۔ اور اس کی میت کو زیادہ
سے زیادہ ذلیل و رسوا کیا جا سکے۔ بالآخر یہ بات طے پائی کہ گنہگار شخص کی میت کو

یوں ہی ننگ دھڑنگ بے گور و کفن غلاظت کے ڈھیر پر ڈال دیا جائے۔ زاہدوں، عابدوں
راہبوں، پارساؤں اور صوفیوں کے مشترکہ و متفقہ اور اجتماعی فیصلہ پر عمل کیا گیا۔
جس شخص کے بدکار و بدکردار ہونے پر ساری قوم متفق تھی۔ جس کو زاہد و عابد
نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جس کے فسق و فجور کے افسانے زبان زد عام
تھے۔ جس کے مرنے کے بعد اس کی قوم نے اس کو کفن تک دینا بھی گوارہ نہ کیا۔ وہ شخص خدا
کا پیارا اور مقبول بندہ تھا۔ اس پر اللہ رب العزت کا خاص فضل و کرم تھا۔ کیونکہ وہ ایک
ایسا عمل کرتا تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند اور محبوب تھا۔ اس قوم کے زاہدوں اور
عابدوں میں تمام خوبیاں موجود تھیں۔ لیکن جو خوبی اس شخص میں تھی۔ وہ ان سب میں
مفقود تھی۔ جو عمل وہ کرتا تھا۔ یہ اس عمل سے بیگانہ اور ناآشنا تھے۔ جو عبادت وہ
کرتا تھا۔ یہ لوگ اس عبادت کی اہمیت و فضیلت اس کے فیوض و برکات اس کے انوار
تجلیات اور اس کی لذت و شیرینی سے بے بہرہ تھے۔ اُسے اس عمل کی بدولت
بارگاہ ایزد متعال میں جو پذیرائی حاصل تھی۔ وہ ان سب میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔
وہ عمل اور وہ عبادت کیا تھا۔ جس نے اُسے مقرب و مقبول بارگاہ الٰہی بنا دیا تھا۔
اور اس کو ایسے ارفع و اعلیٰ اور بلند و بالا مقام پر فائز کر دیا تھا۔ جہاں تک ان زہاد و
عباد کی رسائی اور پرواز ناممکن تھی۔ وہ خوبی اور وہ حسین عمل انبیاء کے سردار
مدنی تاجدار رحمت عالم نور مجسم حضرت محمد ﷺ کی ذات ستودہ صفات اور اس ذات
عالیہ کے مبارک اسم سے والہانہ لگاؤ اور عشق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی محبت
کی بے حرمتی خالق کائنات کو ناگوار گزری اور خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ
پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اس کی محبت کو وہ اعتبار و اعزاز مرحمت فرمایا
جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرائض نبوت کی بجا آوری میں تبلیغ و ہدایت اور
اپنے عظیم ترین منصب کے مطابق معمولات میں مصروف کار تھے۔ کہ ان کو خدا تعالیٰ
کی جانب سے اس میت کو گندی جگہ سے اٹھا کر نماز جنازہ پڑھنے کا فرمان پہنچا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام ارشاد خداوندی کو سن کر نہایت حیران اور متعجب ہوئے۔
اور بارگاہ رب ذوالجلال میں عرض کی الٰہی یہ تو بڑا بدکار تھا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ھکذا
[illegible] الا انہ کان نشر التوراۃ فنظر الی اسم محمد ﷺ فقبلہ ووضعہ علی عینیہ وصلی علیہ

(خدمانی کرس) ہاں ایسا ہی تھا۔ مگر جب یہ تورات کھولتا تھا تو نام محمدؐ کو دیکھ کر چوم لیا کرتا تھا اور اسے اپنی آنکھوں پر لگا کر درود شریف پڑھا کرتا تھا۔

اس شخص کے اس عمل و عادت اور معمول سے آگاہی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دلی سکون اور اطمینان قلب حاصل ہو گیا۔ فرمان الہی کے مطابق آپ نے اس کی میت کو اس پست مقام سے اٹھا کر غسل و کفن وغیرہ کا اہتمام و انتظام کیا۔ اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ وقت کا ہادی اور رہبر اور اللہ کا برگزیدہ نبی جب اس شخص کی نماز جنازہ پڑھ رہا تھا۔ اس روح پرور اور ایمان افروز نظارے کو دیکھ کر زمین و آسمان کی وسعتیں جنت کی حوریں۔ اور غلمان اور فلاشتے سا فرشتے اس کی قسمت پر رشک کناں تھے۔ جن لوگوں نے اس کی میت کو بے گور و کفن کرنے کی جسارت کی تھی۔ وہ اپنے کئے پر سخت نادم و شرمندہ تھے۔ اور ان لوگوں کو اپنی عمر بھر کی ریاضتیں اور عبادتیں حقیر نظر آرہی تھیں۔

یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اسم گرامی کے ساتھ اس گنہگار شخص کی عقیدت محبت ادب و احترام اور آپ کے نام مبارک کو بوسہ دینے اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانے کا ہی اعجاز اور صلہ تھا۔ جس نے اس کی میت کو معزز و محترم بنا دیا۔ سچ کہا ہے کسی نے :-

یہ نام محمدؐ کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا۔
بگڑے بھی بنا تا ہے نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

نور الحبیب شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء جولائی۔

30-11-03

۱۳ سو سال بعد صحابہ کرام کے جسم تر و تازہ نکلے

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ زمانہ قدیم میں جس کا نام مدائن تھا۔ اور جہاں اکثر صحابہ کرام گورنری کے عہدہ پر فائز رہے یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسی مشہور صحابی مدفون ہیں۔ اور آپ کے گنبد سے متصل نبی آخر الزمانؐ کے دو صحابہ کرام حضرت حذیفہ یمانی

(مولانا رب نواز اجمیری)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں صحابہ کرام کے مزارات پہلے
قصبہ سلمان پاک سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔ ہوا یہ کہ
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں ملک فیصل اول (شاہ عراق) سے فرمایا۔ کہ ہم دونوں
کو موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے کچھ فاصلے پر دفن کیا
جائے۔ اس لئے کہ میرے مزار میں پانی اور جابر کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔
شاہ فیصل یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا۔ اور شاید بے پرواہی
یا انہماک امور سلطنت کے باعث بھول گئے۔ تیسری مرتبہ حضرت موصوف نے
عراق کے مفتی اعظم کو یہی ہدایت فرمائی کہ ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے
ہیں۔ لیکن اس نے ابھی تک۔ اس کا انتظام نہیں کیا۔ اب تمہارا یہ کام کہ اس کو متوجہ
کر کے اس کا فوری بندوبست کرو۔ چنانچہ اگلے روز صبح ہی مفتی اعظم نوری السعید پاشا
کی ہمراہی میں بادشاہ سے ملے۔ اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے کہا۔
کہ میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہ دیکھ رہا ہوں۔ آخر کافی غور و فکر کے بعد شاہ
نے مفتی اعظم سے کہا۔ کہ آپ مزارات کھولنے کا فتوائی دے دیں۔ تو میں اس کی تکمیل
کے لئے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کھولنے کا اور ان حضرات کو منتقل کرنے کا
فتویٰ دے دیا۔ تو یہ فتویٰ اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات
میں شائع کر دیئے گئے۔ کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہر ان دونوں اصحاب رسول کے
مزارات کھولے جائیں گے۔ اخبارات میں اس خبر کا شائع ہونا تھا۔ کہ تمام دنیائے
اسلام میں یہ خبر بجلی کی طرح سرعت کے ساتھ پھیل گئی۔ اور رائٹر کی خبر رساں
ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے۔ کہ ان دنوں
موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا کے مسلمان حج کیلئے حرمین شریفین میں
جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا۔ تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش
کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں۔ تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی
طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلغاریہ، افریقہ، روس
ہندوستان وغیرہ ملکوں نے بھی شاہ عراق کے نام بے شمار تار بھیجے کہ ہم بھی
جنازوں کے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز
بڑھا دی جائے۔ چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر دوسرا فرمان جاری

کر دیا گیا۔ کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی اہل
مزارات کی عمارت کی تاکید کہ پلاسٹر نیز احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں۔ کہ پانی مزارات
تک نہ پہنچنے پائے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا۔ جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پارک میں
جمع ہو گئے۔ دوشنبہ کے دن ۱۲ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات
کھولے گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت حذیفۃ الیمانی ؓ کے مزار میں کچھ پانی آ چکا تھا
اور حضرت جابر ؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔ حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم
از کم ۲ دو فرلانگ تھا۔ تمام ممالک کے سفیر عراقی حکومت کے تمام ارکان اور
شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے اس
طرح سطح زمین سے اوپر اٹھایا گیا۔ کہ نعش مبارک کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر
پر خود بخود آ گئی اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہز میجسٹی شاہ فیصل۔
مفتی اعظم عراق۔ وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا
اور بڑے احترام سے شیشہ کے ایک تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر ؓ
کی نعش مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔ نعش ہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ
ان ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ نعشوں کو دیکھ کر
یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ کہ یہ تیرہ سو سال پہلے کی نعشیں ہیں۔
بلکہ یہ گمان ہوتا تھا۔ کہ شاید انہیں رحلت فرمائے ہوئے دو تین گھنٹے سے
زائد وقت نہیں گزرا۔ سب سے عجیب بات تو یہ تھی کہ ان دونوں اصحاب کی
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اور ان میں اتنی چمک تھی۔ اور وہ کھلی اتنی پراسرار
کہ بہتیروں نے چاہا۔ کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان
کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں۔ ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟
بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی
شہرت کا مالک تھا۔ اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ تو اس نے
جو یہ دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اس منظر سے کچھ اتنا بے اختیار
ہو چکا تھا۔ کہ جیسے ہی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں رکھی گئی تھیں اس نے آگے بڑھ
کر مفتی اعظم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہ

صحابہ کرام کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ لایئے! مفتی اعظم
صاحب اپنا ہاتھ بڑھائیں۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کیا۔ بلکہ دور دراز سے
آئے ہوئے مشتاقان دیدار پر احسان کیا۔ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے
خرچ پر بعض مزارات کے اوپر دو سو فٹ فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ
لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلیویژن کا سکرین لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ
کھمبوں کے چاروں طرف بھی چھت سے ملحق چار سکرین لگا دیئے۔ اس سے فائدہ
ہوا۔ کہ ہر کوئی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلنے کے وقت سے لیکر آخر
وقت تک کی تمام کارروائی کو دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی دھکم پیل نہیں
ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس بھگدڑ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں
اور عورتوں نے نہایت اطمینان سے یہ کارروائی دیکھی۔ دوسرے دن بغداد کے سینماؤں
میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے
شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ اپنے
گناہوں پر نادم ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کیلئے
آتے تھے۔ اور شاداں و فرحاں واپس جاتے تھے۔ اس واقعہ پر مشرف با اسلام
ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی۔ کہ ان کا اندازہ لگانا آسان نہیں تھا۔ یہ چشم دید
واقعہ کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ
ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت کے لاکھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا
کے اخباروں میں جلی عنوانات سے تشہیر کی گئی ہے۔ یہ مزارات گمنام افراد کے نہیں
نہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور و معروف صحابہ کرام کے مزارات تھے۔ جن کو
پہلے لوگ کہیں جانتے تھے۔ اور جو اب بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔ ہر شخص ٹھنڈے
دل سے غور کرے کہ کیا علم، عقل، تجربہ، قیاس۔ اور سائنس کے پاس اس کا جواب
کوئی ہے۔ یقیناً جس کے دل میں جستجوئے حق کی تڑپ اور طلب حق کا جذبہ
موجود ہوگا۔ وہ اقرار کرے گا۔ کہ خدا سچا ہے۔ اس کا نبی سچا ہے۔ آخری مکمل دائمی
اور محفوظ پیغام قرآن کریم سچا ہے۔ جو کسی خاص افراد۔ خاندان قوم یا
ملک کے لیے نہیں پوری انسانیت کے لئے ہے۔ نور الحبیب دسمبر ۱۹۹۲ جمادی الثانی ۱۴۱۳

ایصالِ ثواب :- ایک رات فقیر نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں فقیر نے سلام عرض کیا۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک دوسری طرف کیا ہوا ہے۔ اس دوران میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں کھانا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کھاتا ہوں۔ مجھے جو بھی کھانا بھیجے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیجے فقیر اسی وقت جان گیا۔ کہ مجھ سے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیرے رکھنے کی وجہ یہی ہے۔ کہ فقیر ایصالِ ثواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہیں کیا کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد سے ایصالِ ثواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو کہ وہ بھی حضور ﷺ کے اہلِ بیت میں داخل ہیں۔ شامل کرتا ہے۔ اور ان تمام اہلِ بیت سے وسیلہ پکڑتا ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں اور اصبہانی رحمۃ اللہ نے ترغیب میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس نے اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے آزاد فرمائے گا اور جس کی طرف سے حج کیا گیا ہے۔ اس کو پورا اجر ملے گا۔ نیز آپ نے فرمایا۔ کہ سب سے بہتر صلہ رحمی یہ ہے۔ کہ اپنے مردہ رشتہ دار کی جانب سے حج کیا جائے۔ اسی قسم کی حدیث شریف طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میت کی طرف سے حج کیا تو حج کرنے والے کو اور جس کی طرف سے حج کیا ہے۔ دونوں ہی کو ثواب ملے گا۔ طبرانی نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب کوئی شخص صدقہ کرے تو اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچائے چونکہ اس طرح اس کا ثواب میں سے کچھ کم نہ ہو گا۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ جب کوئی شخص میت کو ایصالِ ثواب کرتا ہے۔ تو جبرائیل علیہ السلام اسے نور کے طباق میں رکھ کر قبر کے کنارے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اے قبر والے یہ ہدیہ تیرے گھر والوں نے بھیجا ہے۔ قبول کر یہ سن کر وہ خوش ہوتا ہے۔ اور اس کے پڑوسی اپنی محرومی پر غمگین ہوتے ہیں۔ معتبر روایات سے محدثین و صوفیہ کرام کا اس پر اجماع ہے۔ کہ ایک لاکھ بار کلمہ شریف پڑھ کر اگر اس میت کو بخش دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میت کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

الشیخ الاکبر سیدنا محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تصنیف فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ کلمہ شریف پڑھ کر بخشنے سے میت کی مغفرت ہو جانے والی حدیث کے صحیح ہونے میں کچھ شک نہیں کیونکہ اس کے اثرات کشف صحیح سے ثابت ہیں۔ امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوب شریف میں اپنے مریدین کو تلقین فرماتے ہیں کہ ستر ہزار بار کلمہ شریف پڑھ کر فلاں فلاں کی روح کو ایصال ثواب کرو۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنی تصنیف تحذیر الناس کے صفحہ ۶۶ پر لکھتے ہیں کہ شیخ المشائخ حضرت جنید بغدادی رحمہ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو اس نے از روئے مکاشفہ یہ کہا کہ میں اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید رحمہ نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار کلمہ طیبہ کبھی پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایات میں اس قدر کلمہ طیبہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا۔ اور اس کو اطلاع نہ دی۔ مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔

چوتھی صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت ابو محمد عبداللہ بن اسعد یافعی یمنی کا

یہ وحدت سے ہے لبریز پیمانہ محمد کا
خدا رکھے سدا آباد میخانہ محمد کا
سرِ محشر جو میں پہنچا لگیں سرگوشیاں ہونے
یہ ہے رازِ حزیں مشہور دیوانہ محمد کا

نور الحبیب شوال المکرم ۱۳۹۵ھ اکتوبر ۱۹۷۵ء سلسلہ ۱۳۵

فقیر کی بد دعا: وکٹوریہ روڈ کراچی پر آج سے ربع صدی قبل ایک فقیر کا مزار تھا۔ جو وہاں صدیوں سے آ رہا تھا۔ کہتے ہیں یہ فقیر کراچی کے منگھو پیر کا چھوٹا بھائی تھا۔ جو کہ بابا فرید شکر گنج کے خلیفہ مشہور تھے۔ ۱۹۲۵ء میں مذکورہ علاقہ کا ایک قطعہ اراضی کراچی کے ایک مشہور پارسی تاجر سہراب جی۔ رستم جی نے خریدا۔ اس زمانے میں وہاں ایک درویش مزار کا مجاور تھا۔ اس درویش کو سہراب جی اور رستم جی نے حکم دیا کہ وہ

چلا جائے۔ کیونکہ پہلا انہوں نے انہیں کوٹھی بنوانی تھی۔ وہ مزار کو بھی سطح زمین کے برابر کرنا چاہتے
تھے۔ فقیر شاہ نے بہت منت سماجت کی کہ مزار کو نہ چھیڑا جائے۔ اور باقی اراضی کو کوٹھی کیلئے
مختص کیا جائے۔ لیکن سہراب جی نے درویش کی استدعا کو ٹھکرا دیا۔ مسٹر [illegible]
اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ درویش نے سہراب جی کو بددعا دی اور بددعا دینے کے
بعد حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گیا۔ کوٹھی کی تعمیر شروع ہو گئی۔ تعمیر
کے سلسلے میں بنیادیں کھودتے وقت دو سانپ زمین سے نکلے جنہوں نے ایک
مزدور کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ دوسرا مزدور ہانپتا کانپتا کسی طرح بچ کر نکلنے
میں کامیاب ہو گیا۔ مگر دوسرے دن لکڑی کی پیٹی سے دوسری منزل سے گر گیا۔
سخت زخمی ہوا۔ اور ہسپتال جا کر مر گیا۔ ابھی کوٹھی آدھی بنی تھی کہ چوکیدار کا
لڑکا چونے کی بھٹی میں کھیلتا کھیلتا جا گرا۔ اور گرم گرم چونے میں فوراً بھسم ہو گیا
اس وقت تک کسی کو بھی خیال نہ ہوا۔ کہ فقیر کی بددعا اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ تمام لوگ
اس وہم میں تھے۔ کہ ان لوگوں کا آخری وقت آ پہنچا اور موت واقع ہو گئی۔ چوکیدار بھی
ایک دن حادثے کا شکار ہو گیا۔ کوٹھی کا سب سے اوپر کا حصہ تا حال سیمنٹ سے
تعمیر نہیں ہوا تھا۔ ایک معمار نے بعارضہ بخار چھٹی لی ہوئی تھی۔ ایک اینٹ گری اور چوکیدار
کے عین سر پر لگی وہ غریب وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ جب کوٹھی میں سہراب جی رستم جی
منتقل ہو گئے۔ تو دو ماہ بعد انہوں نے اپنے بھتیجے کو کوٹھی کے چھجے پر کھیلتے
اور نیچے گرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آٹھ سال کا بچہ تھا۔ اور اس پارسی خاندان
کا یہ پہلا فرد تھا۔ جو اس کوٹھی میں موت کا شکار ہوا۔ اس حادثے کے بعد سہراب
جی مغموم رہنے لگے۔ اور دس روز بعد ان کی حرکت قلب بھی بند ہو گئی اب اس کوٹھی کا
مالک ان کا اکلوتا بیٹا دوراب جی تھا۔ جو خود بھی چالیس کے لگ بھگ تھا۔ اسے
پھوڑا نکلا چھ ماہ [illegible] علاج ہوا۔ آخر سول ہسپتال میں آپریشن تک نوبت آئی
آپریشن کامیاب نہ ہو سکا۔ دوراب جی ہسپتال میں ہی انتقال کر گیا۔ اس کا لڑکا
ہیرمز جی کالج کا طالب علم تھا۔ ان حادثات نے اس کی حالت غیر کر دی۔
آخر اس نے بھی کسی لڑکی سے محبت میں ناکام ہو کر پوٹاشیم سائنائیڈ سے خودکشی
کر لی۔ اس پارسی خاندان کی آخری نشانی ایک خاتون مس رودابہ رہ گئی تھی۔
وہ اس کوٹھی میں کبھی رہائش پذیر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے یہ کوٹھی ایک انگریز [illegible]

مسٹر ایلڈ اور مسز ایلڈ کو کرایہ پر دے دی۔ ڈیڑھ ماہ بعد مسز ایلڈ پر دیوانگی
طاری ہو گئی۔ انہوں نے اپنی اہلیہ پر کسی معاملہ میں شبہ کیا۔ اس کا گلا کاٹ کر بعد
میں اپنے گلے پر ریزر چلا لیا۔ اور دونوں ختم ہو گئے۔ کتاب مذکور صفحہ ۲۲ تا ۱۰۱
یہ واقعات ۱۹۳۰ء کے قریب کے ہیں۔ اور مسٹر پی سی۔ ان کے چشم دید
ہیں۔ ان واقعات کے بعد کسی کو جرات نہ ہوئی کہ اس کوٹھی کو کرائے پر لے یا خرید لے
ایک سال تک یہ کوٹھی خالی رہی۔ فرسٹ نارفوک رجمنٹ کے چار سپاہی
(جن میں ایک کارپورل تھا) ایک علیحدہ بنگلہ کے خواہشمند تھے۔ انہیں سمجھایا
گیا کہ اس بنگلہ پر ایک فقیر کی بددعا کا اثر ہے۔ اور اس کی روح ادھر
ادھر منڈلاتی رہتی ہے۔ اور انتقام کے درپے ہے۔ لیکن وہ سن کر ہنس پڑے۔ انہیں
گزشتہ واقعات بھی یکے بعد دیگرے بتائے گئے۔ لیکن انہوں نے ان توہمات کا
مذاق اڑایا۔ ان کے زور دینے پر یہ کوٹھی انہیں کرایہ پر دے دی گئی۔ ان میں
سے جو کارپورل تھا۔ اس نے دوسری رات ہی خواب میں ایک فقیر کو دیکھا۔ فقیر
ایک قبرستان میں کھڑا ہے۔ چار تازہ قبریں اس کے پاس تھیں۔ اور وہ جلد
جلد کہہ رہا تھا۔ مٹی، ہوا، آگ، اور پانی۔ مٹی۔ ہوا، آگ۔ اور پانی۔
یہ الفاظ فقیر نے کوئی دس بارہ بار دہرائے۔ اور غائب ہو گیا۔ کارپورل نے
علی الصبح خواب اپنے ساتھیوں کو سنایا۔ انہوں نے ہنس کر ٹال دیا۔ ایک
سال بعد وہی کارپورل جس نے خواب دیکھا تھا۔ مٹی کے ایک گڑھے میں مردہ
پایا گیا۔ اس کی موت کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ خیال ہے کہ ایسے سانپ نے
ڈس لیا۔ یا اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔ اس طرح مٹی نے اپنا پہلا شکار ختم
کر دیا۔ دوسرا سپاہی انگلستان میں تین ماہ چھٹی پر گیا۔ وہاں اس نے لندن کے
فلائنگ کلب میں ایک ماہ تک ہوائی ٹریننگ شروع کی۔ آخری روز وہ ایک
ہوائی حادثہ میں بمعہ دو ساتھیوں کے ہلاک ہو گیا۔ اس طرح ہوا کا وار ختم ہوا۔
تیسرا سپاہی آگ کا شکار اس طرح بنا۔ کہ موسم سرما میں۔ اس کی انگیٹھی
سے اس کے کمبل کو آگ لگ گئی اور بری طرح جھلس گیا۔ سی۔ ایم۔ ایچ
ہسپتال کراچی میں دو ماہ زیر علاج رہا۔ مگر جانبر نہ ہو سکا۔ اب صرف
ایک سپاہی رہ گیا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا۔ کہ اب اس کی باری ہے۔ اور وہ پانی

سے حادثے سے ہی مرے گا۔ اس نے فوراً وہ کوٹھی خالی کر دی۔ اور اپنے فوجی کوارٹروں
میں جا بسا۔ وہاں وہ بڑی احتیاط کرتا۔ سمندر، دریا، نہر میں کبھی نہ نہاتا۔ بلکہ جان
کے خوف سے کئی کئی روز نہ نہاتا۔ اور کنوئیں سے بیس گز دور ہی رہتا مگر قسمت کی
بدبختی سے بچ نہ سکا۔ اور پانی کے حادثے کا ہی شکار ہوا۔ موسم گرما میں وہ ایک
دن سوڈا واٹر کی برف میں لگی ہوئی بوتل کھول رہا تھا۔ کہ بوتل پہلے ہی پھٹ گئی۔ کئی
ٹکڑے منہ پر لگے۔ اور اس نے جان دے دی۔ اس کا چہرہ بری طرح مسخ ہو گیا۔ آخر
کار اس منحوس کوٹھی کی مالکہ رودابہ نے اس کوٹھی کو مسمار کرا دیا۔ چند مسلمانوں سے
پوچھ گچھ کر کے ایک قبر اس جگہ تعمیر کرا دی۔ جہاں اس کے مورث اعلیٰ سہراب جی رستم جی
نے کئی سال پہلے مزار کو مسمار کیا تھا۔ اب پھر یہ میدان تھا۔ اور صاحب جلال بزرگ
کی قبر پھر اسی طرح بن چکی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں مملکت خداداد پاکستان کا قیام عمل میں
آیا۔ اور کراچی کی آبادی روز بروز بڑھنے لگی۔ اس جگہ کے متعلق پرانی داستانیں
سن کر کسی شخص کا حوصلہ نہ ہوا۔ کہ عمارت بنوائے۔ یہ پلاٹ ویسے کا ویسا غیر آباد
رہا۔ ۵۵-۱۹۵۴ء میں اس پلاٹ کو امریکن قونصل نے خریدا۔ تاکہ امریکہ کا نیا قونصل
خانہ تعمیر کیا جائے۔ مسٹر رچرڈ فوسٹر جو امریکی ماہر تعمیرات ہیں۔ اس کی تعمیر
کے انچارج آفیسر مقرر ہوئے۔ انہیں اکثر لوگوں نے پرانی باتیں اور سابقہ واقعات
سنائے۔ لیکن اس نے مذاق اڑاتے ہوئے یہ بات سفیر تک پہنچا دی۔ امریکی سفیر
نے اپنے عملہ کو ۱۰ اگست ۱۹۵۷ء کو حکم دیا کہ

(۱) پیر کی قبر کو اسی طرح رہنے دیا جائے اسے مت چھیڑا جائے۔ قونصل خانہ باقی جگہ
تعمیر کیا جائے۔ اور جب پلاٹ میں آ جائے قبر کا انتہائی احترام کیا جائے۔

(۲) بنیاد رکھنے سے پہلے مسلمان مولوی اور عیسائی پادری دونوں بلائیں جائیں۔
دونوں اپنی اپنی مقدس کتاب کی تلاوت کریں اور اس پیر کے لئے دعا مانگیں۔

(۳) بنیاد کھودنے سے پہلے میجر جنرل سکندر مرزا اب تو صدر پاکستان
بنیاد رکھیں۔ اس کے لئے۔ ان کے مشورے سے تاریخ مقرر کی جائے۔ سابق
صدر سکندر مرزا نے بعد میں اس کے لئے ۹ ستمبر ۱۹۵۷ء تاریخ مقرر کی ۹ ستمبر
کو میجر جنرل سکندر مرزا نے ایک خاص تقریب میں جس میں دو مسلمان اور دو
عیسائی پادری بھی مدعو تھے۔ اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہاں نہ صرف قرآنی

آیات پڑھی گئیں۔ بلکہ اس کے بعد بائبل بھی پڑھی گئی۔ ایک سال بعد امریکی قونصل خانہ کی عمارت بڑے دھماکا بارود سے تباہ کر دی گئی۔ جو تمام ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ لیکن اس کے باوجود ایک معمار سخت زخمی ہوا۔ ایک مزدور نے غلطی سے بجلی کا تار چھو لیا۔ اور فوراً مر گیا۔

میجر جنرل سکندر مرزا سابق صدر پاکستان کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اور ان کی جگہ انقلابی حکومت قائم ہو گئی۔ ۲۹ نومبر ۱۹۶۹ء میں کسمپرسی کے عالم میں سکندر مرزا راہی ملک عدم ہوا۔ ان کی موت پر نہ تو مملکت اسلامیہ پاکستان کا پرچم سرنگوں کیا گیا۔ اور نہ ہی سرکاری طور پر چھٹی ہوئی۔ وطن سے دور جلا وطنی ہی میں انتقال ہوا۔ اور پس مرگ جسد خاکی کو ارض پاکستان میں لایا گیا۔ اب کوئی بھولے سے بھی یاد نہیں کرتا۔ جسے کسی وقت پاکستان ایسی عظیم مملکت کی صدارت کا منصب اعلیٰ حاصل تھا۔ —— فاعتبروا یا اولی الابصار —— (تابش کشوری) ——

تقسیم ملک سے قبل کراچی میں مسٹر پی سی ورن ڈائریکٹر محکمہ تعلیم تھے۔ وہ ایک مشہور کتاب کے مصنف بھی ہیں۔ ذیل کا واقعہ ان کی کتاب Dewanal-Mjldalat سے ماخوذ ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کے واقعات جناب پروفیسر احسان قریشی چشتی صابری پرنسپل گورنمنٹ کالج سیالکوٹ کے اپنے مشاہدات میں موصوف کا یہ مضمون یکم جنوری ~~۱۹۶۳~~ ۱۹۶۶ء روزنامہ کوہستان لاہور کے ملی ایڈیشن کی زینت بنا جو قارئین نور الحبیب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ آخری چند سطور مرسل کی طرف درج کی گئی ہیں۔

نور الحبیب سلسلہ ۱۵۹/۱۶ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ ستمبر 1977ء

2-12-03

انجمن حزب الرحمٰن بلسر پور

حقیقتِ قربانی

(پروفیسر خلیل احمد نوری)

قربانی کیا ہے؟ اس کا جواب بڑا سادہ اور آسان ہے۔ قربانی نام ہے۔ اس جذبے کے اظہار کا جو کوئی اپنے محبوب و مطلوب کے حضور میں نیازمندی اور کامل سپردگی کی علامت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ قربانی کے مظاہر اس وقت سے رونما ہونا شروع ہو گئے تھے جب اولین انسان نے اس دنیا پر قدم رکھا۔ کیونکہ اپنے سے بڑی قوت و طاقت سے مرعوب و متاثر ہو کر اس کی پرستش کرنا انسان کی اصل اور سرشت میں ہے۔ ہابیل و قابیل کی قربانی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ اذ قربا قربانا فتقبل من احدهما ولم یتقبل من الاخر ـــــ جاہلیت میں بتوں کے سامنے مالی و جانی نذرانے اور چڑھاوے اسی نیازمندی اور تقرب کے طور پر پیش کیے جاتے تھے۔

البتہ قربانی کا وہ تصور جو اسلام نے دیا ہے۔ اور ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر اہل اسلام جس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کی نوعیت و حقیقت غور طلب ہے۔ اس قربانی کا پس منظر کیا ہے؟ قربانی کی غرض و غایت کیا ہے؟ چودہ سو سال پہلے داعی اسلام سید دوعالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرام نے یہی سوال کیا تھا۔ ما ھذہ الاضاحی یا رسول اللہ یعنی ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟ جواب میں رسول اللہ نے فرمایا سنۃ ابیکم ابراہیم۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ یہ جواب بڑا مختصر تو ہے مگر نہایت جامع ہے۔ یہ بات کلام نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم الفاظ میں زیادہ معانی کا اہتمام فرماتے تھے۔ ماہرین ادب عربی خصوصاً۔ حضرت علامہ ابن جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں آپ کی اس خصوصیت کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ صحابہ کرام کے سوال "یہ قربانیاں کیا ہے؟" کے جواب میں "یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے" فرمانا بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ اس جامعیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے مختلف گوشوں میں جھانکنا ہوگا۔ جن کی پوری حیات قربانی سے عبارت تھی۔ انہوں نے اپنی جان، مال، اولاد، وطن، محبت جذبات، اور احساسات کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے قربان کر دیا تھا۔ جس فضا میں انہوں نے آنکھ کھولی، وہ کفر و شرک کے گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔ آپ نے خاندان قبیلے اور گھر والوں کے عقیدے کے خلاف کھلی بغاوت کرتے ہوئے نعرہ توحید بلند کیا۔

اور فرمایا۔ انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ میں تو
سب سے کٹ کر اس ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا
اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یہاں اس بات کا ازالہ ضروری ہے۔
کہ آپ کے چچا "آزر" کو عام طور پر آپ کا والد لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ
یہ بات بالکل خلاف حقیقت ہے۔ اس غلط فہمی کی وجہ قرآن کے الفاظ (اذ قال
ابراہیم لابیہ آذر" کی مراد اور اس کے حقیقی مفہوم تک عدم رسائی ہے۔ چنانچہ
ایک اور مقام پر قرآن کریم میں لفظ اب تایا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بقرہ ۱۳۳
جبکہ تاریخی حوالوں سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد
کا نام تارخ تھا۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ جس کا بیان کر دینا
بھی اس موقع پر ضروری تھا۔ اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے اپنے چچا کو توحید کا پیغام سنایا۔ تو اس نے ہٹ دھرمی کا
مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ لارجمنک" میں تمہیں سنگسار کروں گا۔ آپ نے یہ دیکھ
کر کہ یہاں توحید کے لئے ماحول سازگار نہیں اور یہ سرزمین بنجر ہے۔ جو
پیغام حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں۔ آپ وہاں سے نکل
کھڑے ہوئے۔ اگرچہ ہجرت کا یہ سفر بہت مشقت آمیز اور کٹھن تھا۔ اور یقیناً بڑے کرب
اور قلبی اذیت سے ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ لیکن اپنے مشن کی خاطر یہاں سے اردن شام اور
فلسطین پہنچے۔ مصر بھی گئے اور کنعان و حجاز بھی آپ کے پیغام سے گونجتے رہے۔ کبھی
آپ کو نمرود سے مناظرے کا واسطہ پڑا۔ اور سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہتے ہوئے
اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ کبھی قوم کے اجتماعی بت خانے میں گئے۔ اور بتوں کو پاش
پاش کیا۔ اور جان کی قربانی دیتے ہوئے۔ آگ میں ڈالے گئے۔ مگر آپ کے پائے استقامت
میں لغزش نہیں آئی۔ پھر آپ کی حیات کا سب سے اہم واقعہ رونما ہوتا ہے۔ کہ وہ بیٹا جو
جو مسلسل دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں عطا فرمایا تھا۔ اس کو ذبح
کرنے کا حکم ملتا ہے۔ آپ کامل ذہنی آمادگی کے ساتھ اپنے فرزند سے اس بارے رائے
طلب کرتے ہیں۔ تو وہ بھی سو فیصد تیار ہو جاتے ہیں۔ "فلما اسلما وتله للجبین" قرآن کریم
کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح ہونے کی پوزیشن میں
پیشانی کے بل الٹے لیٹ جاتے ہیں۔ تاکہ شفقت پدری یا باپ بیٹے کی قربانی میں آڑے نہ آئے

لیکن یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبح کیا جانا مقصود نہ تھا۔ یہاں تو کامل آمادگی اور خود سپردگی مقصود فطرت تھی اور اس کا باپ بیٹا دونوں پورے اترتے تھے۔ سو رب العالمین کی طرف سے ندا آئی "قد صدقت الرؤیا" اے ابراہیم! تو نے خواب کو حقیقت میں بدل دیا، اور پھر اس کے بدلے میں ایک مینڈھا ذبح کرا دیا۔ لیکن اس بات کا خود قدرت کو بھی اعتراف ہے۔ کہ یہ امتحان بہرحال بہت سخت اور کڑا تھا۔ فرمایا ان ھذا لھو البلاء المبین۔ اب دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی مسلسل قربانیوں اور پے در پے آزمائشوں خصوصاً اس نقطہ عروج کی آزمائش کا کیا صلہ دیا۔ سورۃ الصفت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ فرمایا۔ وترکنا علیہ فی الآخرین کہ قربانی کی اس روش کو ہم نے بعد والوں میں آپ کی سنت کے طور پر جاری کر کے آپ کو عالی امامت کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات سے آزمایا۔ تو وہ ان آزمائشوں پر پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ اس مقام پر ایک مرتبہ پھر حضور علیہ السلام کے اس فرمان پر غور کریں۔ یہ ھی سنۃ ابیکم کا کیا مطلب ہے؟ یہاں پہنچ کر بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ صحابہ کرام کے اذہان میں ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں اور آزمائشوں کی تصویر موجود تھی۔ اس لئے حضور علیہ السلام کو اس موقع پر آپ کی تمام حیات مبارکہ کو دہرانے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ آپ نے ایک ہی فقرے میں جواب دیا۔ کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ یعنی قربانی اس واقعہ کی یادگار اور علامت ہے۔ جو ان کی آزمائش کا نقطہ عروج تھا۔ اور جو آزمائشوں کے تسلسل کی آخری کڑی تھی۔ جانور تو ایک علامت ہیں۔ در حقیقت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع میں ہم اپنی کامل سپردگی کا اعلان کرتے ہیں۔ اور اپنی محبتوں، احساسات، جذبات، مال، وقت اور اعزا کو راہ خدا میں پیش کرنے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی قربانی کی غرض و غایت ہے یہی اس کی حقیقت ہے۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہو تو محض ذبح جانور بے فائدہ ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم (اللہ تعالیٰ کو قربانی کے خون اور گوشت نہیں پہنچتے بلکہ تمہاری پرہیزگاری وہاں پہنچتی ہے) تاہم ایسا ہرگز درست نہیں ہوگا۔ کہ کوئی شخص قربانی کی قیمت کسی رفاہی ادارے یا کسی غریب کے علاج کے لیے صرف کر کے اسے قربانی کا بدل قرار دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قربانی کے

قربانی کے دن تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابن آدم کا محبوب ترین عمل قربانی کرنا ہے۔ استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کے خلاف وعید موجود ہے۔ آپ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا۔ جو استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ عمل قربانی سے اللہ تعالیٰ نے جو ثواب مؤثر کر رکھا ہے اس کا اندازہ ان احادیث سے لگتا ہے۔ — بلاشبہ قربانی کا جانور روز قیامت اللہ کی بارگاہ میں اجر و ثواب کیلئے اپنے سینگوں بالوں اور اون کے ساتھ۔ پیش ہوگا۔ اور بے شک قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت پا لیتا ہے۔ تو تم قربانی کے ذریعے اپنے دلوں کو سکون پہنچاؤ۔ اپنی قربانیوں کو خوب توانا کرو۔ بے شک یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

اسلام میں قربانی کے مقاصد

سید عبدالرحمن بخاری

اسلام نے حیاتِ انسانی کے مقاصد کو بلند تر کائناتی مقصدیت سے ہم آہنگ بنا دیا ہے۔ اور تمام شرعی اعمال و احکام کو مقاصدِ حیات کے تابع کر دیا ہے۔ اسلام جن مقاصد کی تکمیل پوری انسانی زندگی سے چاہتا ہے۔ شرعی وظائف و اعمال کو ان تمام مقاصد کے وسائل و ذرائع بنا دیا ہے۔ قربانی اگرچہ ایک مذہبی اور سماجی رسم کے طور پر دنیا کی ہر قوم اور ہر خطہ میں رائج رہی۔ لیکن عہد قدیم میں قربانی کے مقاصد انتہائی پست اور گھٹیا تھے۔ اسلام نے قربانی کی رسم کو پستیِ خاک سے اٹھا کر اوجِ افلاک پر پہنچا دیا اور اس کے مقاصد و غایات کو رفعت میں ہمدوشِ ثریا کر دیا۔ سطور ذیل میں چند ایسے اہم تر مقاصد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن کی تکمیل کے لئے اسلام نے قربانی کی عبادت مقرر فرمائی ہے۔ اور جن کا حصول انسانی زندگی کی وسعتوں اور پہنائیوں میں ہمہ گیر انقلاب برپا کر سکتا ہے۔

1 تکمیل عبدیت: انسانی زندگی کا نصب العین اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبدیت و بندگی کی نسبت کا استحکام ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ذاریات 56 یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ ۔ میں واضح طور پر تصریح کر دی گئی ہے۔ چنانچہ عبدیت ہی مقصدِ حیات اور معیارِ کمال ہے۔ اسی میں عظمتِ انسانی کا راز پنہاں ہے۔ اسی نسبت کی تکمیل انسان کا اولین فرض قرار پایا ہے۔ اور اسی کے استحکام کی خاطر اسلام نے تمام شرعی اعمال و احکام دیئے گئے ہیں۔ نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی سبھی اظہارِ عبدیت کی مختلف صورتیں ہیں۔ لیکن قربانی کا ایک ایسا عمل ہے۔ جو اپنی حقیقت و روح کے اعتبار سے تکمیلِ عبدیت کا ذریعہ ہے۔ عبدیت دراصل انسان کے اس داخلی مکمل اور مستقل صفت و ہیئتِ راسخہ کا نام ہے۔ جس کی رو سے وہ اپنے تمام جذبات ارادوں اور اعمال کو مرضاتِ اللہ اور احکامِ الٰہی کے تابع رکھے۔ (الشاطبی: الموافقات جلد 2 175 -) اپنی خواہشاتِ نفس کو منشائے ایزدی پر قربان کر دے۔ اور فکر و عمل کے ہر گوشے پر

احکام خداوندی کے پیچھے بٹھا دے۔ سوچے تو منشائے ربانی کا پیکر بن کر اور قدم اٹھائے تو جادۂ تسلیم و رضا کا
راہی بن کر۔ الغرض خدا کاری اور جاں نثاری کا یہی مستقل رویہ عبدیت کا جوہر ہے۔ اور یہی قربانی کی حقیقت
و روح ہے جیسا کہ پہلے بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ قربانی محض جانور کو لٹا کر ذبح کر دینے اور گوشت
کھا لینے یا تقسیم کر دینے کا نام نہیں۔ بلکہ اس کی حقیقت سراسر فنائے نفس اور تسلیم جاں ہے۔ اس سے
واضح ہے کہ اگر قربانی کو اس کی پوری حقیقت و روح کے ساتھ بروئے کار لایا جائے تو نسبت عبدیت کی
تکمیل ہو جاتی ہے کیونکہ عبدیت نماز کے ذریعے ایثارِ وقت، روزہ کے ذریعے ترکِ ہویٰ، زکوٰۃ کے
ذریعے ایثارِ مال اور حج کے ذریعے ترکِ وطن کی راہوں سے ہوتی ہوئی فدائے نفس اور ایثارِ ذات کی منزل
پر پہنچ کر قربانی کی صورت میں نمود پاتی ہے۔ یہ جانور کی قربانی محض ہے تو حقیقت، آئینہ باطن اور
جلوۂ روح ہے۔ یہ در اصل تسلیم جان اور فنائے نفس کی علامت ہے۔ اور اس اعتبار سے بلاشبہ
قربانی اپنی اصل حقیقت میں انسان کے جذبۂ غلامی کا اظہار اور نسبت عبدیت کی تکمیل ہے۔ اور یہی از روئے
اسلام قربانی کا اصل اور بنیادی مقصد ہے۔

۲۔ اظہارِ تشکر:۔ انسان سرتا پا انعاماتِ ربانی کے بحرِ بے پایاں میں ڈوبا ہے۔ ہر چیز جس سے انسان
کی ذات متمتع ہو رہی ہے۔ خدائے قدوس کی نعمت ہے۔ سانس کی آمد و شد سے لے کر بندگی رب میں جھکی ہوئی
جبینِ نیاز اور بارگاہِ ربوبیت میں پھیلے ہوئے دستِ دعا تک سبھی کچھ انعاماتِ الٰہیہ کا مظہر ہے۔ خود زندگی
قدرت کا عظیم عطیہ اور بیش بہا نعمت ہے۔ ہر نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ شکر بقائے نعمت کی
شرط لازم ہے۔ اور مزید انعامات کا ذریعہ۔ شکر نعمت تقاضائے فطرت ہے۔ شکر دل سے بھی ادا ہوتا ہے
زبان سے بھی اور عمل سے بھی قلبی، لسانی اور عملی اظہارِ شکر کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ذکر و فکر قلبی شکر
حمد و دعا لسانی شکر اور عبادات عملی شکر سے متعلق ہیں۔ ادائے شکر کی سب سے اعلیٰ صورت یہ ہے۔
کہ انسان ہر نعمت کو اس طرح بروئے کار لائے کہ وہ نعمتِ خداوندی مقبولِ درِ رب ہو جائے۔ تسلیم نعمت
ہی اصل شکرِ نعمت ہے۔ زبان نعمتِ خداوندی ہے۔ تو اس کا شکر یہ ہے۔ کہ ہر دم ذکرِ الٰہی میں تر رہے۔
ہر سانس انعامِ الٰہی ہے۔ تو اس کا شکر یہ ہے کہ ہر دم یادِ جاناں میں صرف ہو۔ غرض وجودِ انسانی کا رواں
رواں احسانِ خالق ہے۔ اور اس انعام کا شکر اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے جسم و جان
کو ملکیتِ عبد برضائے الٰہی کے سپرد کر دے۔ "رشتہ در گردنم افگندہ دوست۔ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست"
یہی جان سپاری اور سر فگندگی جو اپنے آپ کو مالک و مولا کے حوالے کر دینے سے عبارت ہے قربانی
کہلاتی ہے۔ یوں قربانی در حقیقت ادائے شکر کی اعلیٰ ترین عملی صورت ہے۔ قربانی کی حقیقت تسلیم
جان ہے۔ اور یہی در اصل نعمتِ حیات کا حقیقی شکر ہے۔ کہ جس ذات نے انسان کو زندگی اور وجود

کی اس نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ زندگی مکمل طور پر اس کے سپرد کر دی جائے اور اسی کے نام پر قربان
کر دی جائے۔ چنانچہ علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں قربانی کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے
الاضحیۃ یجب علی الغنی دون الفقیر شکر النعمۃ الحیاۃ (بدائع الصنائع جلد ۵ ص ۶۲) یعنی قربانی
دولت مند پر واجب ہے فقیر پر نہیں۔ اس کا وجوب نعمت زندگی کا شکر ادا کرنے کیلئے ہے۔
زندگی کی عظیم نعمت کا شکر اس کے سوا کسی طرح ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ خود زندگی رضائے رب
پر نثار کر دی جائے اور یہی قربانی کی حقیقت اور اس کا مقصد اولین ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں قربانی کو
موت کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین سورۃ انعام ۱۶۲/۶ یعنی کہہ دو کہ میری نماز
میری قربانی، میری زندگی، اور میری موت سب کچھ اللہ کے لئے ہے۔ اس آیت کریمہ میں نماز کو زندگی کے
ترجمان اور قربانی کو موت کی علامت کے طور پر ذکر کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ کہ قربانی دراصل زندگی
اور وجود کو بتمام و کمال رب کے سپرد کر دینے اور منشائے الٰہی پر نثار کر دینے کا عنوان ہے۔ اور یہی
نعمت حیات کا بہترین شکر ہے ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

۱۰ کفارہ خطا:۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ قدم قدم پر لغزشیں، گناہ اور جرائم اس سے سرزد ہوتے
رہتے ہیں۔ دین و شریعت کی پاکیزہ زندگی کے تقاضے انتہائی حزم و احتیاط چاہتے ہیں۔ انسان عجلت پسند
بے صبر و خطا اور تن آسان واقع ہوا ہے؛ لہٰذا احکام خداوندی کی پیروی میں سہو و تسامح سے لیکر کبیرہ
گناہوں تک کا ارتکاب انسان سے ہوتا رہتا ہے۔ اللہ کریم کی بے پناہ نوازشات اور رسول رحمت علیہ السلام
کی بے پایاں شفقتوں نے گناہ گار انسانوں کے لئے تلافی و تدارک کی بے شمار صورتیں رکھی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے
کہ وہ عفو و کرم بخشش و رحمت اور شفقت و عنایت کے لئے صرف بہانہ چاہتے ہیں۔ ؎

رحمت حق بہا نمی جوید — بہانہ می جوید

گناہوں پر ندامت، استغفار اور توبہ
کے علاوہ نیکیوں کو گناہوں کا کفارہ بنا دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ ان الحسنات یذھبن
السیئات۔ یعنی بیشک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، ذکر
تلاوت، حسن معاملہ، خوش اخلاقی الغرض ہر نیکی بہت سے گناہوں کو دھو ڈالتی ہے۔ تاہم یہ
کفارہ صرف صغیرہ گناہوں کا ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہ توبہ و استغفار کے سوا معاف نہیں ہوتے قربانی
اسلام کی انتہائی مقدس اور اہم عبادت ہے۔ اس کی فضیلت بے پایاں اور اس کا اجر لامحدود ہے
اس کی برکات بے شمار اور اس کے ثمرات بے بہا ہیں۔ قربانی، حج کی طرح اہم رکن ہونے کے ناطے گناہوں کا ر

شاید انسان کو اللہ آفرینش کی طرح معصوم بنانے میں تو اپنا دخل رکھتی ہے لیکن عام قربانی بھی ہر صاحب استطاعت اپنی عمر بھر پیش کرتا ہے۔ وہ بھی بفیض حدیث قربانی کرنے والے کے لئے گناہوں کے کفارہ اور خطاؤں کی معافی کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرائؓ سے فرمایا۔ یا فاطمۃ قومی فاشھدی اضحیتک فانہ یغفر لک باول قطرۃ تقطر من دمھا مغفرۃ لکل ذنب بدائع الصنائع للکاسانی جلد ۵ ص ۸۰ اے فاطمہ اٹھو اور اپنی قربانی ادا ہوتے دیکھو کہ بے شک اس جانور کے خون کا پہلا قطرہ بہتے ہی قربانی کرنے والے شخص کا ہر صغیرہ گناہ بخش دیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہے کہ اسلام میں قربانی کرنے کا ایک مقصد قربانی کرنے والے کے گناہوں کا کفارہ اور خطاؤں کی تلافی ہے۔ اور بلاشبہ یہ عظیم مقصد ہے۔ جس کا حیات انسانی کے اخروی پہلو کے علاوہ دنیاوی فلاح و سعادت، تاثیر و تربیت اور اصلاح و ہدایت کے ساتھ بھی بہت گہرا تعلق ہے۔

معاشرتی فلاح: اسلام اجتماعیت کا دین ہے۔ اس کی تمام تعلیمات اور جملہ احکام و اعمال پر اجتماعیت کا غلبہ ہے۔ معاشرتی تشخص اور سماجی شعور اسلامی تعلیمات کی جان ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، غرضیکہ ہر ہر عبادت اور ہر ہر معاملہ میں اسلام نے حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی یکساں طور پر رعایت کی ہے۔ بلکہ بعض پہلوؤں سے اسلام نے حقوق العباد کو حقوق اللہ پر ترجیح اور فوقیت دی ہے۔ اس تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں بلکہ صرف یہ بتلانا درکار ہے کہ تمام اسلامی احکام کی طرح قربانی میں بھی اجتماعی مصالح کی رعایت بھرپور انداز سے موجود ہے۔ اگرچہ قربانی میں بدنی مشقت اور نفسی کیفیت بھی ملحوظ ہے۔ لیکن بنیادی طور پر یہ ایک مالی عبادت ہے۔ جس کی اٹھان خالص ایثار و انفاق کے بشری اصولوں پر ہوئی ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور دیگر مالی عبادت کی طرح قربانی میں بھی حقوق العباد اور معاشرتی حقوق کو غالب حیثیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور اس کے تمام ہدایات میں صدقہ و احسان اور انفاق و ایثار کی خالص سماجی جہتوں کو فوقیت دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں قربانی کا گوشت خود کھانے اور فقراء و مساکین پر صدقہ کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا۔ فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر۔ اسی طرح حضور نے قربانی کا گوشت خود کھانے، بچا لینے اور صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ قربانی کے گوشت اور کھالوں میں فقراء و مساکین کا حصہ بطور صدقہ اور رشتہ داروں، پڑوسیوں اور احباب کا حصہ بطور ہدیہ رکھا گیا ہے۔ اس طرح صدقہ اور ہدیہ مل کر معاشرتی الفت و محبت، اخوت و مساوات اور ہمدردی و غمگساری کے پاکیزہ جذبات کو فروغ دے کر سماجی روابط کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ جو قربانی کے معاشرتی مقاصد اور سماجی تاثیر و افادیت کا ایک بنیادی رخ ہے۔

ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ جون ۱۹۹۲ء

6-12-03

حیاتِ برزخی

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مسائل کی تحقیق کا شرعی اصول یہ ہے۔ کہ اگر کسی مسئلہ کو جاننا ہو تو سب سے پہلے سنتِ نبوی کی روشنی میں قرآن کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر انسان قرآن میں اس مسئلہ کے حل کو نہ پا سکے تو پھر سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر وہاں بھی نہ پا سکے تو پھر کتاب و سنت کے مطابق اجتہاد سے کام لے۔ جیسا کہ ایک موقع پر عبداللہ بن مسعود سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اقض بالکتاب والسنۃ اذا وجدتھما فاذا لم تجد الحکم فیھما اجتھد برایک —

(فلسفۃ التشریع فی الاسلام ص ۱۹۸) تو کتاب و سنت کے ساتھ فیصلہ کر۔ اور اگر تو کتاب و سنت میں اس کے حکم کو نہ پائے تو اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کر۔ اور پھر خلفائے راشدین اور آئمہ اربعہ کا بھی مسائل کی تحقیق میں یہی طریق کار رہا ہے۔ اگرچہ حیاتِ برزخی اور حیات النبی ﷺ کا مسئلہ قرآن کی متعدد آیات سے ثابت و محقق ہے۔ لیکن ہم نے سنتِ رسول ﷺ اور سلف الصالحین کے طریق کار پر عمل کرنے اور اتمام تثبیت کیلئے حیاتِ برزخی اور حیات النبی ﷺ کے بیان میں ترتیب کے ساتھ پہلے کتاب اللہ اس کے بعد سنتِ رسول اللہ سے دلائل ذکر کیے ہیں۔ اور اس کے بعد صحابہ کرام، تابعین، محدثین، مفسرین اور فقہاء کے اقوال بیان کیے ہیں۔ تا کہ اس کے بعد اس مسئلہ کے بارے میں کسی ذہن میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے ہمیں کتاب و سنۃ اور سلف الصالحین کے عقائد کے مطابق عقائد اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ تا کہ ہم صراط الذین انعمت علیہم پر بھی عمل پیرا ہو سکیں۔ سب سے پہلے حیاتِ برزخی کے بیان میں ہم قرآن کریم کی آیات ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ عذابِ قبر۔ وہ آیاتِ قرآنی جن میں عذابِ قبر کا ذکر ہے۔ ان میں سے چند ایک یہاں مذکور ہیں۔ کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم —— ثم الیہ ترجعون البقرہ ۲۸ کا ترجمہ۔ تم خدا کا کیونکر انکار کر سکتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے۔ تو اس نے تمہیں جان بخشی پھر وہی تم کو مارتا ہے۔ وہی تم کو زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اس آیت مبارکہ میں حسب ذیل نکات قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) کنتم امواتا (تم مردہ تھے) مردہ ہونے کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز وجود میں آکر مر جائے مگر اس تمام پر انسانی زندگی کے عالمِ وجود (EXISTENCE) میں آنے سے پہلے کی حالت کو تشبیہاً موت قرار دیا جا رہا ہے۔

(۲) فاحیاکم (پھر اس نے تم کو زندہ کیا) اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو عدم محض سے نکال کر حلقہ وجود (EXISTENCE) میں لا کر کھڑا کیا۔ مگر یہ سمجھنا حماقت ہوگی کہ زندگی اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔

(۳) ثم یمیتکم (پھر وہ تمہیں دوبارہ مارے گا) جس خدا نے تم کو عالم عدم سے نکال کر عالم وجود میں پہنچایا ہے۔ وہی تمہیں بار دگر عالم عدم یعنی موت سے دوچار کرے گا۔ مگر یہ منزل بھی انسان کے سفر کی آخری منزل نہ ہوگی۔

(۴) ثم یحییکم (پھر وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا) اگرچہ یہ زندگی جو ملے گی موت کے بعد انسان کو دی جائے گی پہلی زندگی سے ماہیت اور احوال میں مختلف ہوگی۔ مگر یہ بھی انسان کی آخری قرارگاہ نہ بننے پائے گی۔

(۵) ثم الیہ ترجعون (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس دوسری زندگی کے بعد انسان کو پھر دربار خداوندی میں حاضر کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا اور پھر خدا کی بارگاہ میں پیش کیے جانے کا یعنی کل پانچ مرحلوں کا ذکر ہے۔ جن سے انسان یکے بعد دیگرے گزرتا ہے۔ ایمان بالآخرۃ سے جس زندگی پر ایمان مراد لیا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت سب سے آخر میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ ثم الیہ ترجعون۔ مستقبل کے مجہول کا صیغہ ہے جس سے یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ انسان خواہ مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو وہ کافر ہو یا مسلمان ہر شخص کو بہرحال خدا کے سامنے جواب دہی کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مومن اور برگزیدہ افراد ہنسی خوشی اس طرف بڑھیں گے۔ ان کے لیے جانے میں کوئی پریشانی نہ ہوگی مگر کافر اور بدکار اس سے دور بھاگنا چاہیں گے۔ ان کی خواہش ہوگی کہ ہم کسی طرح اس مرحلے سے بچ جائیں لیکن وہ کسی طور پر بھی اس زندگی کے نتائج و اثرات سے نہ بچ سکیں گے۔

دو موتیں: قرآن کریم ابتداً دو موتوں کا ذکر کرتا ہے۔ ان میں سے ایک تو انسان کا سفر زندگی شروع کرنے سے پہلے کی حالت، حالت عدم ہے۔ جب کہ دوسری موت سے مراد وہ حقیقی موت ہے۔ جس کا نظارہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں کرتے ہیں۔

دو زندگیاں - جس طرح یکے بعد دیگرے انسانوں پر دو موتیں طاری ہوتی ہیں۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے انسان کو دو زندگیوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ان میں پہلی زندگی تو واضح ہے کہ اس سے مراد عالم شہادت میں رنگ و کیف کی موجودہ زندگی ہے۔ یہ نور و ظلمت اور ہست و بود کی زندگی ہے۔ مگر دوسری زندگی سے مراد قیامت کی زندگی نہیں بلکہ عالم برزخ یعنی مرنے سے لیکر قیامت تک کی زندگی ہے۔ جس کے دوران میں منکر نکیر کے سوال جواب ہوتے ہیں۔ اور انسان عذاب قبر سے دوچار ہوتا ہے۔ یا رحمت خداوندی کا مستحق بنتا ہے۔ اس زندگی کا اصطلاحی نام حیات برزخی ہے۔ جب کہ اخروی زندگی (آخرت) کا آغاز اس وقت

سے ہوگا۔ جب اس زندگی اور اس مادی کائنات کو کلیۃً فنا کر دیا جائے گا۔ پھر سیدنا آدم علی نبینا علیہ السلام
سے لیکر وقوع قیامت تک جتنے بھی انسان اس دنیا میں آئے ہوں گے۔ ان سب کو میدان حشر میں جمع کیا جائے
گا۔ اور وہ سب عدالتِ الٰہیہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب و کتاب پیش کریں گے۔ جس کے نتیجے میں
یا تو ابدی جنت کے مستحق ہوں گے۔ یا جہنم کے سزاوار ٹھہرائے جائیں گے۔

مما خطیئاتہم اغرقوا فادخلوا نارا (نوح ۲۵) مخالفین نوح علیہ السلام اپنے گناہوں
کی وجہ سے غرق کیے گئے اور فوراً آگ میں داخل کیے گئے۔

استدلال: (۱) اس آیت کریمہ میں لفظ فاء داخل ہے۔ جو کہ تعقیب مع الوصل کیلئے آتا ہے
یعنی اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ جس چیز پر یہ داخل ہے۔ وہ اس کے وقوع کے بعد متحقق ہوگی۔ اور
دوسرا یہ کہ دوسری چیز کے واقع ہونے میں دیر نہیں ہے۔ بلکہ فوری طور پر واقع ہوگی۔ تو اس آیت کریمہ میں بھی
اغرقوا فادخلوا نارا کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو جب غرق کیا گیا تو اس کے فوراً
بعد انہیں آگ میں داخل کر دیا گیا۔ تو عالم برزخ میں عذاب کا ثبوت متحقق ہو گیا اور عذاب اس امر کا تقاضا
کرتا ہے کہ مبتلاء عذاب انسان میں حیات ہو کیونکہ اس کے بغیر عذاب ناممکن ہے۔

(۲) یہاں لفظ فادخلوا فعل ماضی ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ یہاں گزرے ہوئے زمانے میں ان کو
جہنم کی داخل کرنے کی خبر دی جا رہی ہے۔ اور قیامت کا عذاب تو یقیناً مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ
مستقبل کی بات ہے۔ تو لامحالہ اس سے عذاب قبر ہی مراد لینا پڑے گا۔ اور اگر عذاب قبر مراد نہ
لیں تو خبر کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ (معاذ اللہ) امام فخر الدین رازی اس پر گفتگو کرتے
ہوئے فرماتے ہیں۔ تمسک اصحابنا فی اثبات عذاب القبر فی قولہ اغرقوا وذلک
من وجہین الاول ان الفاء فی قولہ فادخلوا نارا تدل علی انہ حصلت تلک الحالۃ عقیب
الاغراق فلا یمکن حملہا علی عذاب الآخرۃ والا بطلت دلالۃ ہذہ الفاء والثانی انہ
قال فادخلوا علی سبیل الاخبار عن الماضی وہذا انما یصدق لو وقع ذلک
تفسیر کبیر ۳۰: ۱۳۵۔ ہمارے اصحاب نے عذاب قبر کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کے قول
اغرقوا سے دلیل پکڑی ہے۔ اور یہ دلیل پکڑنا دو طریقوں پر ہے۔ پہلا اللہ تعالیٰ کا قول فادخلوا
نارا۔ پر فا اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حالت غرق کرنے کے فوراً بعد حاصل ہوئی پس
اس سے آخرت کا عذاب مراد لینا درست نہیں ہے۔ (ورنہ آخرت کا عذاب مراد لینے سے) فاء کا معنی
باطل ہو جائے گا۔ اور دوسرا یہ اللہ تعالیٰ نے گزرے ہوئے زمانہ کی خبر دیتے ہوئے فادخلوا کے الفاظ
ارشاد فرمائے ہیں۔ اور یہ خبر اسی وقت سچی ہوگی جب ان کا دوزخ میں داخل ہونا واقع ہو چکا ہو۔

وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ فرعون اور اس کے متبعین کو سخت ترین عذاب نے احاطہ کر لیا۔ وہ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اللہ تعالیٰ ملائکہ کرام کو حکم فرمائے گا۔ کہ فرعونیوں کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔

استدلال:۔ اس آیۃ کریمہ میں آل فرعون پر برے عذاب اور ان پر صبح و شام آگ پیش کرنے کا بیان ہے۔ اس کے بعد ذکر فرمایا۔ کہ قیامت کے روز فرعونیوں کو شدید ترین عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ وہ عذاب جس کا ذکر پہلے ہوا۔ وہ قیامت کے عذاب کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ اس سے قبل کا بیان ہے۔ اور دنیا میں ان پر صبح و شام آگ کا پیش کیا جانا وغیرہ ثابت نہیں۔ لہٰذا لا محالہ ماننا پڑے گا۔ کہ عذاب سے مراد عذاب برزخ ہے۔ امام رازی اس آیت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔ واحتج اصحابنا بھذہ الایۃ علی اثبات عذاب القبر قالوا الایۃ تقتضی عرض النار علیھم غدوۃ وعشیا ولیس المراد منہ یوم القیامۃ لانہ قال ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب ولیس المراد منہ ایضا الدنیا لان عرض النار علیھم غدوا وعشیا ما کان حاصلا فی الدنیا فثبت ان ھذا العرض انما حصل بعد الموت وقبل یوم القیامۃ وذلک یدل علی اثبات عذاب القبر فی حق ھولاء (تفسیر کبیر ۲۷، ۷۳) ہمارے اصحاب نے اس آیت کریمہ سے عذاب قبر کے اثبات کا استدلال کیا کہ یہ آیت کریمہ فرعونیوں پر صبح و شام آگ پیش کیے جانے کا تقاضا پیش کرتی ہے اور اس سے مراد قیامت کے روز عذاب دینا نہیں ہے۔ کیونکہ بہ زبان یوم تقوم الساعۃ اس سے مانع ہے۔ اور نہ ہی اس سے دنیا میں عذاب دینا مراد ہے۔ کیونکہ دنیا میں ان پر صبح و شام آگ پیش کرنا ثابت نہیں ہے۔ پس یہ آگ کا پیش کرنا موت کے بعد اور یوم قیامت سے قبل ہی ہوگا اور برزخ ہے۔ تو یہ آیت ان کے بارے میں عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے۔

تائید۔ حدیث شریف سے اس کی تائید یوں آتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے جب کوئی مرتا ہے۔ تو اس پر صبح و شام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانہ۔ اگر دوزخی ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ۔ پھر اس سے کہا جائے گا۔ کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تا آنکہ قیامت کے روز تجھے اٹھایا جائے گا۔ مشکوٰۃ

سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم (التوبہ ۱۰۱) ہم عنقریب ان منافقین کو دوبارہ عذاب دیں گے۔ پھر انہیں عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جائے گا۔

استدلال :- اس آیۃ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم عنقریب ان کو دوبارہ عذاب دیں گے۔ جس پر لفظ سنعذبھم میں سین۔ دلالت کر رہا ہے۔ اور دو عذابوں میں سے عذاب اول مسجد سے نکالنے کی رسوائی والا ہے۔ تو لامحالہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسرا عذاب، عذاب قبر ہے۔ کیونکہ اس کے بعد انہیں قیامت کے روز عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جاتا مذکور ہے حدیث پاک کی تائید۔ اس آیۃ کریمہ کی وضاحت کیلئے ایک روایت ملاحظہ فرمایئے۔ ابن عباس روایت فرماتے ہیں۔ قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا یوم الجمعۃ فقال اخرج یا فلان فانک منافق اخرج یا فلان فانک منافق فاخرج من المسجد ناسا منھم فضحھم فجاء عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وھم یخرجون من المسجد فاختبا حیاء انہ لم یشھد الجمعۃ وظن الناس قد انصرفوا واختبوھم عن عمر ظنوا انہ قد علم بھم فجاء عمر فدخل المسجد فاذا الناس لم یصلوا فقال رجل من المسلمین ابشر یا عمر فقد فضح اللہ المنافقین الیوم فقال ابن عباس ھذا العذاب الاول حین اخرجھم من المسجد والعذاب الثانی عذاب القبر (تفسیر کبیر ۱ ۳۸۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے فرمایا اے فلاں! اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے۔ اے فلاں نکل جا مسجد سے کیونکہ تو منافق ہے۔ حضرت عمر فاروق عین اسی وقت تشریف لائے جب کہ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔ آپ ان لوگوں سے چھپ گئے اس شرم سے ~~کہ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے~~ کہ جمعہ میں حاضر نہ ہو سکا۔ اور مسلمان جمعہ سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ اور منافق یہ سمجھے کہ حضرت عمر کو ہماری رسوائی کا علم ہو چکا ہے۔ ان سے روپوش ہو گئے۔ جب حضرت عمر مسجد میں داخل ہوئے تو صحابہ کرام نے نماز ادا نہیں کی تھی۔ تو ایک صحابی نے حضرت عمر فاروق سے کہا۔ تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالی نے منافقین کو رسوا کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ یہ ان کے لئے عذاب اول ہے۔ جب کہ انہیں مسجد سے نکالا گیا ہے۔ اور عذاب ثانی قبر کا عذاب ہے۔

ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل (المومن: ۱۱) اللہ تعالی نے نار جہنم میں جلنے بھرنے والے کفار کی طرف حکایت کرتے ہوئے فرمایا۔ اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبارہ موت سے دوچار کیا اور دوبارہ زندگی عطا کی۔ پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ کیا ہمارے لئے۔ عذاب جہنم سے بچ جانے

کا کوئی راستہ ہے ۔ **استدلال** :- اس آیت کریمہ میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے ۔ ایک موت کا تو دنیا میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے ۔ اور دوسری موت قبر کی زندگی کے بعد تسلیم کرنا پڑے گی ۔ تاکہ اس زندگی کے بعد حاصل ہونے والی موت دوسری موت بن سکے ۔ کیونکہ حیات نہ مانیں تو پھر دوسری موت ممکن ہی نہیں ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں ۔

احتج اکثر العلماء بھذہ الآیۃ فی اثبات عذاب القبر وتقریر الدلیل انہم اثبتوا لانفسہم موتتین حیث قالوا ربنا امتنا اثنتین فاحدی الموتتین مشاھدۃ فی الدنیا فلابد من اثبات حیوۃ اخری فی القبر حتی یصیر الموت الذی یحصل عقیبھا موتا ثانیا وذالک یدل علی حصول حیوۃ فی القبر (تفسیر کبیر رازی ۲۷ : ۳۹)

اکثر علماء کرام نے اس آیت کریمہ سے عذاب قبر کے اثبات پر استدلال کیا ہے ۔ اور دلیل کی تقریر اس طرح ہے ۔ کہ ان کفار نے اپنی جانوں کے لئے دو موتیں ثابت کی ہیں ۔ اس طرح کہ انہوں نے کہا ۔ اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو دفعہ موت سے دوچار کیا ہے ۔ پس ان دو موتوں میں سے ایک موت تو دنیا میں ہوتی ہے ۔ پس ضروری ہے کہ قبر میں دوسری حیات کو مانا جائے تاکہ وہ موت جو اس زندگی کے بعد حاصل ہو ۔ دوسری موت بن سکے ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے ۔

ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق الانفال ۵۰ : اور اے مخاطب اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر اور کہتے ہیں اب چکھو آگ کا مزہ

استدلال :- اس آیۃ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ۔ تو ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ اب آگ کا عذاب چکھو ۔ اس عذاب سے مراد قبر ہی ہے نہ کہ قیامت کے دن کا عذاب کیونکہ فرشتوں کا جان نکالنا اور ان کے مارنے کا اس کے ساتھ ذکر کرنا بھی اس چیز پر دلالت کرتے ہیں ۔ کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے ۔ پھر اس سے آگے فرمایا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے ۔ یعنی عذاب قبر تمہارے برے اعمال کا نتیجہ ہے ۔ جیسے کہ حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے چغل خوری اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے کو عذاب قبر کا سبب بیان فرمایا اور ایک موقعہ پر فرمایا ۔

استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ ۔ پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اس کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ واذا علم من ایاتنا شیئا اتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین من ورائھم جھنم ولا یغنی عنھم ما کسبوا شیئا ولا ما اتخذوا من

دون اللہ اولیاء ولہم عذاب عظیم (الجاثیہ ۹-۱۰) اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے۔ ہماری آیتوں
میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے
ان کے پیچھے جہنم ہے۔ اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا۔ جو انہوں نے عمر بھر کمایا۔ اور نہ کسی کام
آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا مددگار بنایا تھا۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

استدلال: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو قبر میں عذاب ہوگا اور ذلت و رسوائی
اٹھانا پڑے گی۔ کہ فرشتے انہیں جھڑکتے اور ملامت کریں گے۔ اس میں اشارۃً عذاب قبر کا ثبوت ملتا
ہے۔ چونکہ دوزخ کے عذاب کا ذکر آگے آرہا ہے۔ قبر میں کچھ عذاب تو قبر کے ہوں گے۔ جیسے کہ وہاں
کی تنگی، اندھیرا۔ وغیرہ اور کچھ عذاب دوزخ کے ہوں گے مگر دوزخ سے باہر رہ کر وہاں کی گرمی اور لو
وغیرہ قبر میں پہنچے گی جیسا کہ من ورائہم جہنم سے معلوم ہو رہا ہے۔ وان الذین ظلموا عذابا
دون ذلک ولکن اکثرہم لا یعلمون بے شک ظالموں کے لیے ایک عذاب اس کے علاوہ بھی ہے لیکن
ان میں سے اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں۔

استدلال: اس آیۃ کریمہ میں دو عذابوں کا ذکر ہے کہ ان کافروں کیلئے ایک عذاب اس کے
علاوہ ہے یعنی ایک عذاب قبر اور دوسرا عذاب آخرت۔ امام رازی اس آیت پر گفتگو فرماتے ہوئے نقل کرتے
ہیں۔ الذین ظلموا ہم اہل المکۃ ان قلنا العذاب ہو العذاب یوم البدر وان قلنا العذاب
ہو عذاب القبر والذین ظلموا اعام فی کل ظالم ففیہ فائدہ التنبیہ علی عذاب الاخرۃ
العظیم وذلک لانہ اذا قال عذابا دون ذلک ای قبلا وعذابا فی القبر فیتفکر
المتفکر ویقول ما یکون دونہ لا یکون الا عظیما (تفسیر کبیر ۲۸ : ۲۷۳)
اگر ظلم کرنے والوں سے مراد اہل مکہ لئے جائیں۔ تو عذاب سے مراد یوم بدر کا عذاب ہوگا اور اگر
عذاب آخرت قبر مراد لیا جائے تو ظالم سے مراد ہر ظالم ہوگا۔ اور اس میں تنبیہ ہے۔ اس بات پر
کہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔ کیونکہ جب کہا گیا کہ اس عذاب کے علاوہ ایک عذاب یعنی قبل
بدر کے بعد اور قبر میں تو سوچنے والا سوچے گا جو عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ وہ عظیم ہی
ہو سکتا ہے۔ امام رازی نے اس میں دو احتمال بیان فرمائے ہیں۔ یہاں دوسرا احتمال کہ اس
سے مراد عذاب قبر ہے۔ (العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب) کہ لفظ کے عموم کا
اعتبار ہوتا ہے۔ نہ کہ خاص سبب کا۔ کے اصول کے تحت اختیار کریں گے۔ کہ یہاں ہر ظالم
مراد ہے۔ نہ کہ خاص وہی ظالم جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ اور بدر کے مقام پر مسلمانوں کے خلاف
جنگ میں آگئے۔ اور دوسرا معنی لینے میں زیادہ وسعت ہے اور پھر اس صورت میں معنی خود بخود حاصل

ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بھی ظالموں میں سے تھے۔
یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں
کو قول ثابت کے ساتھ اس دنیا میں اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں فی
الآخرہ سے مراد آخرت نہیں بلکہ قبر ہے۔ اس معنی کی تائید میں ایک حدیث بھی منقول ہے۔
تائید۔ قال یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت نزلت فی عذاب القبر۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت یثبت اللہ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ دوسری روایات
اور محدثین، مفسرین کی تفسیر بیانات کے مطابق اللہ تعالیٰ مومن کو قبر کے اندر ثابت قدم
رہنے اور سوالات کے درست جوابات دینے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

نور الحبیب ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ جون ۱۹۹۲ء

جلد ۴ شمارہ ۶ (محمد حبیب اللہ نوری)

زیارت قبور اور یاد آخرت (علامہ فقیر اسماعیل الحسنی)

دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر یہ دونوں چیزیں ہر قسم کی نیکیوں کا سرچشمہ اور ہر
قسم کے گناہوں سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ دونوں چیزیں
زیارت قبور سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ زائر اس سے موت کو یاد کرتا ہے کہ مجھے بھی ایک دن مرنا ہے
اور سارا مال، سامان، جائیداد و مکان چھوڑ کر خالی ہاتھ جانا ہے۔ اور ایک بے در و دیوار
اندھیری کوٹھری میں منوں مٹی کے نیچے جہاں نہ کوئی غمخوار ہوگا۔ نہ دوست ہوگا۔ محبوس رہنا
ہے۔ تو اس کو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کے سامان جمع کرنے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ اور
وہ سچی اپنی زندگی کا مقصد اصلی بجائے دنیا کے عقبیٰ کو بنا لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یاد آخرت
کا یہ جذبہ قبور سے ایک لمحے میں پیدا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے واعظ اور مبلغ مدتوں تک پیدا نہیں کر سکتے۔
قبروں پر حاضری کے وقت اس مقصد کو پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ بہت بدبخت ہیں
وہ لوگ جو مسلمانوں کو اس عظیم فائدے سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آنسوؤں
سے آپ کی داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ جنت اور دوزخ کے خوف سے اتنا نہیں روتے
جتنا قبر کے پاس روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ پہلی منزل ہے۔ اگر یہ آسان ہو گئی تو اس کے بعد آسانی
ہی آسانی ہے۔ اگر یہ منزل دشوار ہو گئی تو آگے دشواری ہی دشواری ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے
ہیں۔ کہ جب مردہ قبر کے اندر دفن کیا جاتا ہے۔ تو قبر اس سے مخاطب ہو کر کہتی ہے۔ کہ اے انسان تجھ

خبر نہیں تھی۔ کہ میں فتنہ اور تاریکی کا گھر ہوں۔ میں تنہائی اور کیڑوں کا مکان ہوں۔ کس نے تجھ کو میرے بارے میں مغالطے میں رکھا تھا۔ کہ تو مجھ پر اکڑ اکڑ کر چلتا تھا۔ اگر مردہ نیک اور صالح ہوتا ہے۔ تو اس کی طرف سے جواب دینے والا جواب دے گا۔ کیا تو دیکھتی نہیں ہے۔ کہ یہ متقی شخص دنیا میں بھلائیوں کا حکم دیتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا۔ یہ سن کر قبر کہے گی کہ جب تو میں اس پر گلزار ہو جاتی ہوں۔ پھر اس کا جسم نور بن جائیگا اور روح خدا کے پاس چلی جائے گی۔

جب مردہ قبر میں دفن ہوتا ہے۔ تو قبر مردے کو دباتی ہے۔ مجرموں کو اس قدر دباتی ہے کہ اس کی داہنی طرف کی پڑیاں بائیں طرف کو ہو جاتی ہیں۔ اور بائیں طرف کی دائیں جانب کو لیکن جو مجرم نہیں ہوتے۔ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہنے والے ہوتے ہیں۔ تو ان کو بھی قبر دباتی ہے۔ مگر اس طرح جیسے کوئی دوست اپنے دوست کو گلے ملتے ہیں۔ اسے دباتا ہے۔ یا ماں اپنے بچے کو پیار محبت سے چمٹا لیتی ہے جس سے روتا ہوا بچہ کھلکھلا کر ہنس پڑتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب مردہ کو قبر میں دفن کر چکتے ہیں۔ تو اس کے پاس دو فرشتے آتے دانتوں سے زمین کو چیرتے ہوتے آتے ہیں۔ جو نہایت ڈراؤنی اور ہیبت ناک شکل والے ہوتے ہیں۔ ان کا جسم سیاہ، آنکھیں چمکیلی سیاہ اور نیلی دیگ کے برابر شعلے زن ہوتی ہیں۔ سر کے بال پاؤں تک لٹکے ہوتے ہیں۔ ان کے دانت کئی ہاتھ لمبے ہوتے ہیں۔ زمین چیرتے ہوئے آئیں گے۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ مردے کو جھنجوڑتے ہوئے ڈانٹ کر اٹھاتے ہیں۔ اور نہایت سختی کے ساتھ کرخت آواز میں سوال کرتے ہیں۔ من ربك تیرا رب کون ہے۔ ما دینک تیرا دین کیا ہے۔ ماکنت تقول فی ھذا الرجل؟ ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا۔ تو مردہ اگر مسلمان ہے۔ تو پہلے سوال کا جواب دے گا۔ ربی اللہ میرا رب اللہ ہے۔ اور دوسرے سوال کا جواب دے گا۔ دینی الاسلام میرا دین اسلام ہے۔ تیسرے سوال کا جواب دے گا ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب باصواب سن کر فرشتے کہیں گے ہمیں معلوم تھا تو یہی کہے گا۔ اس وقت آسمان پر ایک منادی کرے گا میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھاؤ جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو۔ جنت کی خوشبو اس کے پاس آتی رہے گی۔ اور جہاں تک نگاہ پہنچے وہاں تک اس کی قبر کشادہ کر دی جائیگی۔ اور اس سے کہا جائیگا۔ سو جا جیسے دلہن سوتی ہے۔ اگر مردہ منافق کافر و مشرک ہوگا۔ تو ہر سوال کے جواب میں کہے گا ھاہ ھاہ لا ادری۔ افسوس۔ افسوس مجھے کچھ نہیں معلوم میں لوگوں کو کچھ کہتے سنتا تھا۔ اور

خود بھی کہتا تھا۔ اس وقت ایک پکارنے والا کہے گا کہ یہ جھوٹ ہے۔ اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ۔
آگ کا لباس پہناؤ۔ اور جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو۔ تاکہ اس کی گرمی اور لپٹ
میں جلتا رہے۔ اس کو عذاب دینے کیلئے دو فرشتے اندھے بہرے مقرر کیے جائیں گے۔ جن
کے ہاتھوں میں لوہے کا گرز ہے کہ اگر پہاڑ کو اس سے مار دیا جائے تو پہاڑ خاک ہو جائے
موذی جانور اس کو تکلیف پہنچانے کیلئے مقرر کئے جائیں گے۔ جو قیامت تک عذاب دیتے رہیں گے
(مشکوٰۃ) ان واقعات میں عذاب قبر کی ہولناکیوں سے ہر مومن کیلئے
عبرت کا سامان موجود ہے۔ عذاب قبر حق ہے اور ہر مومن کو اس کی فکر لازم ہے۔ قبر میں اعمال
صالحہ کے سوا کوئی انیس و رفیق نہ ہوگا۔ بڑی کٹھن منزل ہے۔

اہل قبور کو سلام:۔ قبرستان میں جاکر پہلے سلام سنت ہے۔ عوام مسلمین کی قبروں پر
سلام کے یہ الفاظ ہیں السلام علیکم یا اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا
انشاء اللہ بکم للاحقون نسئل اللہ لنا ولکم العافیۃ یا السلام علیکم یا اھل القبور یغفر
اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر یوں عرض کرنا چاہئے۔
سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور شہیدوں کے مزارات پر سلام علیکم بما صبرتم فنعم
عقبی الدار کے الفاظ عرض کرے اور بارگاہ رسالت میں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
کے مبارک الفاظ سے صلوٰۃ و سلام کا ہدیہ پیش کرے (عالمگیری)

حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ قبرستان میں تشریف لے جاتے تو اہل قبور کو سلام
فرمایا کرتے۔ اور حکم بھی دیا۔ کہ قبرستان میں جاؤ تو اہل قبور کو سلام کرو۔ اس سے معلوم
ہوا۔ کہ مردے حاضر ہونے والوں کو دیکھتے، پہچانتے اور ان کا سلام سنتے ہیں۔ ورنہ انہیں سلام
دینا جائز نہ ہوتا۔ جو سنتا نہ ہو۔ اور سلام کا جواب نہ دے سکتا ہو اسے سلام کرنا جائز نہیں
چنانچہ حدیث پاک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔
مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الا استانس ورد علیہ حتی یقوم:۔ جب کوئی
مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر پہنچتا ہے۔ تو صاحب قبر اس سے انس حاصل کرتا ہے۔
اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (ابن ابی الدنیا۔ شرح الصدور ص۱۳ کتاب الروح)

حضور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ
السلام وعرفہ واذا مر بقبر لا یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام۔ جب کوئی آدمی اپنے
جان پہچان والے کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور اس کو سلام کرتا ہے۔ تو صاحب قبر اس کو سلام کا جواب

دیتا ہے۔ اور پہچانتا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا آدمی گزرتا ہے۔ جس کے ساتھ پہچان نہیں تھی اور اسے سلام کرتا ہے۔ تو صاحب قبر اسے بھی سلام کا جواب دیتا ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ 114

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور سلام کرتا ہے۔ اگرچہ اسے دنیا میں پہچانتا تھا۔ اب بھی پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی ص55 عمدۃ القاری شرح بخاری ص69 شرح الصدور 136 طحطاوی شریف ص134 شرح زرقانی ص308)

علامہ طحطاوی حنفی علامہ آلوسی اور علامہ عینی نے لکھا ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں رقم فرماتے ہیں۔

قال ابن قیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور وسمع کلامه وانس به ورد سلامه علیه وهذا عام فی حق الشهداء وغیرهم وانه لا توقیت فی ذالک :- یعنی احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ جب زائر کسی قبر پر آتا ہے تو صاحب قبر کو اس کے آنے کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ اس کا کلام سنتا ہے۔ اور اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور یہ بات شہدا اور غیر شہدا کیلئے عام ہے اور پھر اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں۔

علامہ ابن قیم اپنی کتاب الروح ص18 میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ یاد رکھو کہ برحق جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے۔ کہ جب وہ مردوں کو سلام کریں تو خطاب کے ساتھ سلام کریں۔ یعنی السلام علیکم دار قوم مومنین کہیں۔ اس قسم کا خطاب ان لوگوں کو کیا جاتا ہے۔ جو سنتا اور سمجھتا ہوتے ہیں۔ کہ اسلاف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں۔ اور زیارت سے خوش ہوتے ہیں۔ جب عام لوگوں کی یہ حالت ہے۔ تو علماء، اولیاء، شہدا اور انبیاء کی وصال کے بعد قوت سماعت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں رہتا۔

ایصال ثواب

:- مردہ ہر وقت اپنے زندہ لواحقین کی طرف سے دعاؤں اور صدقہ و خیرات کا منتظر رہتا ہے۔ اہل قبور کے ساتھ سب سے بڑا احسان اور بھلائی یہ ہے۔ کہ ہر وقت ان کے لیے مغفرت کی دعا۔ اور ان کی ارواح کو ایصال ثواب کے لیے صدقہ و خیرات کرتے رہنا چاہیے۔ قرآن شریف و حدیث اور اقوال صحابہ و آئمہ میں اس کی سخت تاکید آئی ہے۔ حضرت سعد ابن عبادہ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ تو اس

کے لئے کونسا صدقہ بہتر ہے؟ قال الماء فحفر بئرا وقال ھذہ لام سعد فرمایا پانی کا صدقہ تو انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ سعد کی ماں کیلئے ہے۔ (ابو داؤد۔ نسائی)

ایک شخص نے بارگاہ رسالت ؐ میں عرض کی کہ میری ماں دفعتاً مر گئی وہ اگر بولتی تو صدقہ کرتی۔ فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم (بخاری مسلم روایت عائشہ رض) تو اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے ثواب پہنچے گا۔ ارشاد فرمایا ہاں)

رحمت نبی ؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے۔ تو اس کے عمل کا ثواب منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے۔ صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ وولد صالح یدعو لہ (بخاری ومسلم بروایت ابو ہریرہ رض) صدقہ جاریہ علم جس سے لوگ نفع اٹھائیں اور صالح اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی ہے۔ حضور نبی کریم ؐ جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو وقف علی قبرہ، تو کچھ دیر اس کی قبر پر کھڑے رہتے۔ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ لہ التثبیت فانہ الان یسئل (سنن ابو داؤد۔ رد المختار) تو فرماتے اپنے بھائی کے لئے اللہ کے حضور میں استغفار کرو۔ اور اس کے لئے سوال وجواب میں ثابت قدم رہنے کے لئے دعا کرو۔ کیونکہ ابھی اس سے سوالات قبر ہونے والے ہیں۔

مالک الملک نے نایک مطلق کا فرمان ہے۔ کہ میت قبر میں اس ڈوبنے والے کی طرح ہے جو مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ اور مردہ اپنے بھائی، والد، والدہ، یا دوست کی دعا کا منتظر رہتا ہے۔ اور جب اسے قبر میں کسی کی دعا پہنچ جاتی ہے۔ تو وہ اس کے نزدیک دنیا وما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اور ان اللہ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال: بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں سے مردوں کو پہاڑوں جتنا ثواب عطا کرتا ہے۔ عقائد اہل سنت کے مشہور ترجمان علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ شرح عقائد میں فرماتے ہیں۔ فی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم نفع لھم خلافا للمعتزلۃ زندوں کو مردوں کیلئے دعا اور ان کی طرف سے صدقہ خیرات کرنے میں اموات کو ضرور نفع پہنچتا ہے۔ صرف فرقہ معتزلہ ایصال ثواب کا منکر ہے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ گیارہویں حضرت غوث پاک دسواں بلسواں، چہلم، ششماہی سالیانہ وغیرہ توشہ حضرت شیخ عبدالحق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ (فیصلہ ہفت مسائل)

خدا کے بزرگ وبرتر دینے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور صحابہ و اولیاء کے طریق

پر چلنے کی توفیق دے اور معتزلہ کے گمراہ کن خیالات و عقائد سے مامون فرمائے۔ وصال یافتہ بزرگوں کیلئے بقصد ایصال ثواب بہ نیت عرفی نامزد کر دیا۔ تو یہ فعل شرعاً جائز اور باعث برکت ہے۔ نذر کا دارومدار نذر ماننے والے کی نیت پر ہے۔ اگر نذر ماننے والے نے تقرب لغیر اللہ کا قصد کیا ہے۔ اور بجائے اللہ تعالیٰ کے کسی مخلوق کو متصرف فی الامور مانا ہے۔ تو یہ نذر شرعاً ناجائز اور حرام بلکہ کفر و شرک ہے۔ اور اس کا ارادہ اگر تقرب الی اللہ کا ہے۔ اور بزرگان دین کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو ایسی نذر اولیاء اللہ کے لئے قطعاً جائز ہے۔ اور اس کا نذر ہونا مجازاً ہے۔ کیونکہ نذر حقیقی اور شرعی اللہ کے لئے خاص ہے۔ قضائے حاجات اور حصول مقاصد کیلئے اولیاء اللہ کی نذر نذر عرفی ہوتی ہے۔ جو نیاز اور موجب برکات ہے۔

فتاویٰ ابی اللیث میں ہے۔ وان قصد بالنذر التقرب الی اللہ والصال الثواب بالنذر ویعلم انہ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ ویجعل الاولیاء وسائل بینہ وبین اللہ فی حصول فلا حرج فیہ وذبیحۃ حلال طیب۔ اور اگر اس نے نذر سے اللہ کے قرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی نیت کی۔ اور وہ عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ اسکے اذن کے بغیر کوئی ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا اور اولیاء اللہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ قرار دیتا ہے۔ تاکہ اس کے مقاصد حل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کا ذبیحہ حلال طیب ہے۔

امام عبدالغنی نابلسی "الاریقۃ الندیہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اولیاء اللہ کیلئے جو نذر مانی جاتی ہے۔ اور اسے مریض کی شفا یا غائب کے آنے پر کیا جاتا ہے تو یہ نذر مجازی ہے۔ اس سے اولیاء کی متبرک خادمین کیلئے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے اسی نذر کے متعلق صاحب تفسیرات احمدیہ صفحہ ۴۵ پر رقم طراز ہیں۔ ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب۔ بے شک وہ گائے جس کی نذر اولیاء اللہ کیلئے مانی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال و طیب ہے۔

شاہ رفیع الدین رسالہ نذر میں فرماتے ہیں۔ نذر کہ اینجا مستعمل می‌شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می‌برند نذر و نیاز میگویند۔ جو نذر اس جگہ استعمال ہوتی ہے۔ وہ اپنے معنی شرعی پر نہیں بلکہ معنی عرفی پر ہے۔ اسی لئے جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اسے نذر نیاز کہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو نذر بزرگان دین کے ایصال ثواب کے واسطے حل مقاصد کیلئے مانی

جاتی ہے۔ یہ نذر نذر عرفی ہے۔ شرعی نہیں۔ جو بالکل جائز باعث برکت اور شرع شریف کے عین مطابق ہے۔ جو لوگ اولیاء کی نذر شرعی یا عبادت لغیر اللہ قرار دے کر ناجائز کہتے ہیں۔ وہ اسلام کی تعلیمات سے نابلد ہیں۔

(اہل قبور سے استمداد)

انبیاء و اولیاء کی قبور فیض الٰہی کا سرچشمہ اور ان کے مزارات رحمت پروردگار کا مرکز ہیں قیامت تک ان سے دینی و دنیاوی فیوض و برکات جاری و ساری رہیں گے۔ ان کی قبروں سے مدد لینا اپنی حاجات چاہنا حل مشکلات میں ان کو واسطہ جانتے ہوئے اور ان سے امداد کو من جانب اللہ سمجھتے ہوئے۔ مدد طلب کرنا ان کی برکت حاصل کرنا ان پر حاضر ہو کر رب تعالیٰ کے حضور دعا کرنا شرع شریف کے عین مطابق ہے اور موجب صد ہزار برکت و رحمت ہے۔ ہر دور میں اہل اسلام کا یہی طریقہ اور معمول رہا ہے

امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اللہ کے رسول کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ اے اللہ کے رسول جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا۔ پھر یہ آیت پڑھی ولو انہم اذ ظلموا انفسہم ... اور عرض کیا۔ کہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیے یا رسول اللہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں میری مغفرت کی دعا فرمائیے۔ فنودی من القبر قد غفر لک قبر انور سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔ (تفسیر قرطبی، تفسیر مدارک صفحہ ۱۸۳ جلد ۱ حجۃ اللہ العالمین صفحہ ۷۲ فضائل حج مولانا ذکریا سہارنپوری صفحہ ۱۸۵)

ایک مرتبہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حضور اس کی شکایت کی آپ نے ارشاد فرمایا۔ انظروا قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فاجعلوا منہ کوی الی السماء حتی لا یکون بینہ وبین السماء سقف ففعلوا فمطروا مطرا حتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق مشکوٰۃ ۵۴۵ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف غور کرو۔ حجرہ پاک کا آسمان کی طرف سوراخ کر دو۔ کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا کیا۔ پس خوب بارش برسی حتی کہ چارہ اُگ آیا اور اونٹ موٹے ہو گئے۔ چربی سے گویا پھٹ پڑے۔ تو اس سال کا نام پھٹن کا سال رکھا گیا۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کل من یستمد فی حیاتہ یستمد بعد مماتہ

جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے۔ اس سے وصال کے بعد بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔
سید محمود احمد آلوسی اپنی مشہور آفاق تفسیر میں لکھتے ہیں۔ لا شک انہ یحصل
لزائرھم مدد روحانی ببرکتھم وکثیرا ما تنحل عقد الامور بانامل التوسل
الی اللہ تعالیٰ بحرمتھم (روح المعانی جلد سوم ص۲۸) اس میں کوئی شک نہیں کہ
جو شخص ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ ان کی برکت سے اسے روحانی مدد نصیب ہوتی ہے۔
اور اکثر امور کی پیچیدہ گرہیں۔ ان کی حرمت کے وسیلے سے کھل جاتی ہیں۔
محقق علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ
میں تحریر فرماتے ہیں: مشائخ عظام میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے چار بزرگوں کو
دیکھا۔ جو اپنی قبروں میں ہماری حیات سے بھی بڑھ کر تصرف کرتے ہیں۔
وہ بزرگ شیخ معروف کرخی، شیخ عبدالقادر جیلانی، اور دو اور بزرگ لکھتے ہیں۔
مقصود حصر نیست۔ مقصود حصر نہیں ہے۔ یعنی اس سے کوئی یہ نہ سمجھے صرف یہی چار بزرگ
ایسے ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اور تصرف نہیں کرتا۔ حضرت سید احمد مرزوق
جو بڑے فقہا اور دیار مغرب کے مشائخ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو العباس
حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ امداد زندہ بزرگ کی قوی ہے۔ یا وصال یافتہ کی۔ فرمایا
من می گویم کہ امداد میت قوی تر است۔ میں کہتا ہوں کہ امداد وفات یافتہ بزرگ کی
زیادہ قوی ہے۔ شیخ حضرمی نے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے۔ اس لئے وصال کے بعد اس
کو خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں
انی لاتبرک بابی حنیفۃ واجیء الی قبرہ، فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت رکعتین
وسألت اللہ عند قبرہ فتقضی سریعا (رد المحتار شامی ص۵۱) تحقیق میں
برکت حاصل کرتا ہوں امام اعظم ابو حنیفہ سے اور ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں۔ جس وقت
مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو دو رکعت نفل پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ
سے دعا کرتا ہوں۔ فوراً حاجت پوری ہو جاتی ہے۔
صاحب تفسیر مظہری ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کی تفسیر میں شہداء
اولیاء کے متعلق فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ یعطی لارواحھم قوۃ الاجساد فیذھبون
من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمرون اعداءھم
ان شاء اللہ تعالیٰ۔ خد اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسم کی سی قوت عطا فرماتا ہے اس لئے

سے وہ زمین و آسمان اور جنت کی سیر کرتے ہیں۔ اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں
کو ہلاک کرتے ہیں۔ تفسیر مظہری صفحہ ۱۵۲ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۸
صفحہ ۳۱۷ امام بغوی کی تفسیر بغوی صفحہ ۴۸۳ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تفسیر فتح العزیز میں
فالمدبرات امرا کی ایک تفسیر یہ بھی فرماتے ہیں۔ اس سے نفوس فاضلہ اور ارواح کاملہ مراد ہیں
یعنی از روئے قرآن دنیا میں مختلف کاموں کا انتظام و انصرام اللہ کے نیک بندوں اور کاملین کی
روحیں بھی سر انجام دیتی ہیں۔ امام عبداللہ بن نعمان نے سفینۃ النجاۃ صفحہ ۱۳ پر تحریر فرمایا ہے
یعنی ارباب بصیرت کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔ کہ بزرگان دین
کے قبور کی زیارت برکت و عبرت کیلئے پسندیدہ عمل ہے۔ اولیاء اللہ کی برکت ان کے وصال
کے بعد اسی طرح جاری رہتی ہے۔ جیسے ان کی ظاہری زندگی میں۔ محققین آئمہ دین کا طریقہ یہ
ہے کہ وہ ان کے قبور کے پاس دعا کرتے ہیں۔ اور ان سے توسل کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتاوی عزیزیہ صفحہ ۱۹۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ دوستان
خدا سے جب ان کی حالت حیات میں توسل طلب کیا جاتا ہے۔ اور ان سے دعا کرائی جاتی
ہے۔ تو ان کی وفات کے بعد ان سے استمداد کیوں جائز نہیں۔ کاملین کی ارواح میں موت
وحیات کا فرق نہیں۔ بلکہ وصال کے بعد ان کے کمال میں ترقی ہو جاتی ہے۔

امام شافعی امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اطہر کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ قبر موسیٰ الکاظم
تریاق مجرب لاجابۃ الدعا (اشعۃ اللمعات صفحہ ۷۶۲) قبر موسیٰ کاظم تریاق مجرب
است مر اجابت دعا را۔ حضرت موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کیلئے تریاق مجرب ہے۔
صاحب مجمع البیان اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ جرب التجاربۃ الدعا عند قبور الصالحین
بار ہا تجربہ کیا گیا ہے۔ کہ صالحین کی قبروں کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔ صرف زندوں کو ہی نہیں
مردوں کو بھی قبور الصالحین سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
گرامی ہے۔ ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین اپنے مردوں کو اللہ کے نیک بندوں کے
درمیان دفن کیا کرو۔ اسی لئے اہل ایمان زمانہ قدیم سے اولیاء کے مزارات کے قریب میں حصول برکت
کے لئے مسجدیں بناتے آئے ہیں۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مسلمانوں اور کافروں کے
درمیان اختلاف ہوا۔ مسلمان کہتے تھے کہ اصحاب کہف کے پاس مسجد بنائیں گے
اور مشرکین کہتے تھے۔ کہ دیوار۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قال الذین غلبوا علی امرھم

لنتخذن علیہم مسجداً ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے ۔ اپنے کام پر قسم ہے ۔ ہم تو ضرور
ان پر ایک مسجد بنائیں گے ۔ اس سے معلوم ہوا ۔ کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب میں
مسجد بنانا اہل ایمان کا پرانا طریقہ ہے ۔ قرآن کریم کا اس کو ذکر کرنا اور اس سے منع نہ
کرنا اس فعل کے درست ہونے کی قوی دلیل ہے ۔ امام نسفی تفسیر مدارک میں اس
آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ اصحاب کہف کے قرب میں ان کے مسجد بنانے کا مقصد یہ تھا ۔
کہ یصلی فیہ المسلمون و یتبرکون بمکانہم تاکہ مسلمان ان میں نمازیں پڑھیں اور اصحاب
کہف کی آرام گاہ سے برکت حاصل کریں ۔

حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ مکتوبات دفتر اول
صفحہ ۲۲ پر رقم طراز ہیں ۔ میں ایک معاملہ میں مدت تک رکا رہا ۔ اتفاقاً دریں وقت
گزر بر مزار یکے از عزیزاں افتاد دریں اثنا عنایت خداوندی جل شانہٗ در رسیدہ و
حقیقت کما ینبغی والمنود (ترجمہ) ۔ اتفاقاً ایک ولی کے مزار پر گزر ہوا ۔ اس
معاملہ میں میں نے اس ولی سے مدد و اعانت طلب کی ۔ چنانچہ اس دوران اللہ تعالیٰ کی
مدد شامل ہوئی اور معاملہ کی حقیقت پورے طور پر منکشف ہو گئی اور عین اس وقت حضور
رحمۃ للعالمین کی روح کلی تشریف لائی اور میرے غمگین دل کو تسلی دی ۔

تفسیر مظہری میں ہے ۔ کہ ہذہ الآیۃ تدل علی جواز بناء المسجد لیصلی فیہ
عند مقابر اولیاء اللہ قصداً للتبرک بہم ۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے ۔ کہ اولیاء اللہ کی
قبروں کے پاس نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنانا جائز ہے ۔ تاکہ اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب سے برکت
حاصل ہو ۔ وہ جو حدیث پاک میں ہے ۔ لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذو قبور انبیاءہم
یہود و نصاریٰ پر خدا لعنت کرے ۔ کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا ۔ اس کا
مفہوم یہ ہے ۔ کہ یہود و نصاریٰ نے انبیاء کی قبروں کو اور قبروں کی جانب سجدہ کرنے لگ گئے
تھے ۔ چنانچہ امام بدر الدین عینی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں ۔ کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء
کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور ان کو قبلہ بناتے اور نماز میں ان کی طرف متوجہ
ہوا کرتے تھے ۔ اس لئے ان پر لعنت فرمائی گئی ۔ اور مسلمانوں کو اس طرح کرنے سے منع کیا گیا
فاما من اتخذ مسجداً فی جوار صالح وقصد التبرک بالقرب منہ فلا یدخل فی ذالک الوعید
لیکن جو شخص کسی نیک آدمی کے قرب و جوار میں مسجد بنا لیتا ہے ۔ اور اس سے اس کا مقصد اس کے
قرب سے برکت حاصل کرنا ہوتا ہے ۔ تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے ۔

حضرت علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے نزدیک مسجد تعمیر کرے یا قرب قبور میں نماز پڑھے اور اس سے اس کا ارادہ صاحب قبر کا روحانی فیض سے نماز کو درجہ قبولیت تک پہنچانا مقصود ہو اور نماز میں قبر کی طرف منہ بھی نہ کرے تو خلا حرج علیہ تو اس کوئی حرج نہیں۔ (مرقاہ شرح مشکوۃ ص ۲۰۲)

قرآن و حدیث کے کھلے دلائل اور آئمہ دین و علمائے محققین کے واضح ارشادات محدثین و مفسرین کی روشن آراء، اکابر کی واضح ہدایات اور کاملین اولیاء کے مقدس معمولات کے باوجود قبور صالحین سے استمداد و استعانت اور بغرض فیض و تبرک حاضری کو جو سیاہ بخت شرک و بدعت جیسے ناپاک فعل سے تعبیر کرتا ہے تعلیمات اسلام سے بے بہرہ ہی نہیں۔ یقیناً اس کا دل خوف خدا سے عاری اور سینہ نور ایمان سے خالی ہے۔

(زیارت قبور کا شرعی طریقہ)

زائر قبر میں پہنچ کر پہلے صاحب قبر کو سلام کرے پھر قبر کی طرف اور کعبہ کو پشت کر کے کھڑا ہو۔ اور کچھ سورتیں (سورۃ اخلاص، یٰسین، آیت الکرسی وغیرہ) جتنا پڑھ سکے پڑھ کر اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچائے علاوہ اولیاء کی قبور سے حصول فیض کرے اور برکت کیلئے دعا مانگے اور یہ یقین رکھے کہ اہل قبور زائرین کو دیکھتے اور ان کا کلام سنتے ہیں۔ بزرگوں کی قبروں پر اور زیادہ احترام، شرم و حیا اور نہایت ادب کے ساتھ حاضری دے۔ زائر جتنا با ادب ہوگا اتنا ہی زیادہ صاحب مزار کے فیض سے بہرہ ور ہوگا (شرح مشکوۃ) اولیاء اللہ کے مزارات اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں یہ شعائر اللہ ہیں۔ اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنا قرآن کا حکم ہے۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا ان سب میں ان کی تعظیم ہے۔

صاحب تفسیر روح البیان پارہ دس زیر آیت انما یعمر مساجد اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

فبناء القباب على قبور العلماء والاولياء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم امر جائز اذا كان القصد بذالك التعظيم في اعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر وكذا ايقاد القناديل والشمع عند قبور الاولياء والصالحين من باب التعظيم والاجلال ايضا للاولياء فالمقصد فيها مقصد حسن — علماء و اولیاء کی قبروں پر عمارت بنانا ان پر غلاف ڈالنا

عمامہ اور کپڑے چڑھانا اسی طرح قبروں کے پاس چراغ اور موم بتیاں جلانا جبکہ مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو۔ اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں چونکہ اس کا مقصد صحیح اور جائز ہیں۔

شامی جلد اول اور حدیقہ ندیہ جلد دوم میں بھی یہی مضمون ہے عالمگیری میں ہے۔ وضع الورود والریاحین علی القبور حسن۔ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا بہت اچھا ہے۔ مشکوۃ میں ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے تخفیف عذاب کیلئے دو قبروں پر کھجور کی تر شاخیں رکھیں۔ طحطاوی میں ہے۔ وضع الریحان والجرید سنۃ الحدیث۔ پھول اور خوشبو کی عادت سنت ہے۔ اور حدیث سے ثابت۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ مزارات کو بوسہ وغیرہ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ علماء اس میں مختلف ہیں۔ اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ آستان بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں ممانعت نہ آئی ہے یا تو تابمقدور الٹے پاؤں آنا ایک طرز ادب ہے۔ اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا ہو۔ اس میں حرج نہیں۔ ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔ (احکام شریعت)

قبروں پر سجدہ کرنا۔ طواف کرنا۔ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ عورتیں زیارت قبور کیلئے جا سکتی ہیں۔ مگر اس کے لئے پردے کا پورا اہتمام، بے صبری، نوحہ خوانی سے اجتناب، مردوں کے اختلاط اور ماحول کا خوف فتنہ سے پاک ہونا شرط ہے۔ وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ خدا کی زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت کرنا منسوخ ہے۔ اور زیارت قبور کی اجازت سے پہلے کی بات۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ ان ھذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ زیارت قبور کی بھی لعنت والی حدیث رخصت سے پہلے کی ہے۔ بحوالہ مشکوۃ شریف پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ کو زیارت قبور سے منع نہ فرمایا۔ بلکہ انہیں السلام کا طریقہ اور وہاں پڑھنے کی دعائیں سکھائیں۔ نیز مخدومہ کائنات سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ کا عمل بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ آپ سیدنا امیر حمزہ کی تربت انور کی زیارت کیلئے احد میں تشریف لے جاتیں۔ حق یہ ہے کہ زوروا القبور۔ قبروں کی زیارت کرو۔ کی اجازت میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی داخل ہیں۔ ملا علی قاری مرقاۃ جلد چہارم میں تحریر

فرماتے ہیں۔ ان النساء کالرجال فی حکم الزیارۃ" زیارت قبور کے حکم میں عورتیں مردوں کی طرح ہیں۔ طحطاوی میں ہے۔ والاصح ان الرخصۃ ثابتۃ للرجال والنساء جمیع ترین بات یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رخصت ثابت ہے آخر مردوں کی طرح عورتوں کو بھی یاد آخرت، حصول فیض، قبولیت دعا وغیرہ کی ضرورت ہے۔ مگر یہ سب کچھ اس وقت جائز ہے۔ جب مذکور بالا شرائط کا سختی سے پورے طریقے سے التزام کیا جائے۔

نور الحبیب جلد ۶ تاریخ 22 ... 1993ء شوال 1414ھ
(شمارہ ۳ صفحہ نمبر ۳۱)

روزہ کے طبی فوائد

حکیم نور احمد لاہور۔

ہمارے مہربان خدا نے ہمیں دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہمیں اشرف المخلوقات بنایا۔ اور ہمارے خاطر بے حد و حساب چیزیں پیدا کیں۔ یہ اونچی نیچی زمین اور اس میں دریا اور سمندر کئی کئی ہزار فٹ بلند پہاڑ یہ سب قدرت کی کاریگری کے کرشمے ہیں۔ انسان نے زمین کو کھود کر قدرت نے امداد فرمائی۔ اور کئی قسموں کے تیل اور گیس عطا فرمائیں۔ انسان نے ننھا سا بیج زمین میں ڈالا قدرت نے سینکڑوں قسم کے درخت اور لہلہاتی کھیتیاں پیدا فرمائیں۔ قدرت نے ہمیں مختلف رنگوں سے بھرے ہوئے شیریں پھل عطا فرمائے۔ جو منہ کی گٹھلیوں کے ساتھ گھل کر حلق میں اتر جاتے ہیں۔ اور شیریں کھٹ میٹھے اور پاکیزہ ذائقوں سے ہمارے خوشیوں اور صحت میں اضافہ کرتے ہیں۔ سمندر اور دریا ہمارے لئے۔ جھینگوں سے لے کر دس پندرہ سیر تک وزنی کھانے والی مچھلی پیش کرتے ہیں۔

لاکھوں میل لمبے جنگل ہمیں ہرن، نیل گائے، بارہ سنگھے، بکرے، تیتر، بٹیر، کبوتر، مرغ مرغابی اور سرخاب دیتے ہیں۔ جو ہمارے بدن کو زود ہضم لحمیات (پروٹین) گلوکوز (نشاستہ دار اجزاء) چربی، گھی، چونا، فاسفورس اور معدنی نمکیات مثلاً سوڈا، پوٹاشیم، [illegible] کھاتے ہیں اور کئی قسم کے حیاتین سے بھرپور غذا مہیا کرتے ہیں۔

قدرت نے ہمیں بدن میں دل، دماغ، معدہ، آنتیں، جگر، گردے، پھیپھڑے اور اعصاب کی شکل میں عجیب بڑی مشینیں لگا دی ہیں۔ تاکہ ہم اللہ خدا کی ان نعمتوں سے اپنی صحت تندرستی اور حسن کو چار چاند لگائیں۔ اور اپنے خالق و مالک کا شکریہ ادا کریں۔

قرآن مجید نے انسان کیلئے ظلوماً جہولاً کا لفظ لکھ کر یہ سبق بھی پڑھا دیا۔ کہ یہ مٹی کا پتلا غلط کاموں کی بدولت اپنے ایمان اور بدنی ڈیل ڈول کو نقصان پہنچانے کے پیچھے پڑا رہے گا۔ چنانچہ اس نے ہمارے ایمان و صحت کو تباہی اور بربادی سے بچانے کیلئے سال بعد ایک ماہ کے روزے رکھنے ہمارے اوپر فرض کر دیئے۔ آدمی زاد کو خدا نے عقل دی اس نے دنیا بھر کی موجودات کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اور اس نے بڑا ہی مشاہدات نظریات اور تجربات حاصل کر لیئے۔
ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ بیماری کی بھوک ختم ہو جاتی ہے۔ پرانے حکیموں نے برسوں اس بات پر غور کیا۔ کہ بیماری میں بھوک بند کیوں ہو جاتی ہے۔ ہمارے بدن کے لمبے چوڑے کارخانے ہیں۔ کئی چھوٹے بڑے کارخانے کام کرتے ہیں۔ زبان حلق مری معدہ اور آنتیں غذا کو ہضم کرنے کا دھندا کر رہی ہیں۔ اسے اطباء غذا کی نالی کہا کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ کام چار یا پانچ انچ چوڑے اور آٹھ نو انچ لمبے معدے کا ہے۔ غذا سے خالی ہونے پر معدہ کا وزن مشکل سے دو چھٹانک کے قریب ہوتا ہے۔ اس معدہ کو اوجھ، اوجھڑی، پکلیہ اور سٹامک بھی کہا جاتا ہے۔ ہر آدمی کبھی نہ کبھی اوجھڑی کا سالن استعمال کرتا ہے۔ اس اوجھڑی کے اندر چار طبق (تانے بانے) ہوتے ہیں۔ اس کے اندر ابھار جیسے چھلنیاں اور ابھار عمل کرتے ہیں پائے جاتے ہیں۔ حضرت انسان جسے مولائے کریم نے سب مخلوقات سے زیادہ عقل عطا فرمائی ہوگا اس معدے پر ظلم کرتا رہتا ہے۔ ہمارے رب کو یہ معلوم تھا۔ کہ اس خوبصورت اور حسین دنیا میں یہ مٹی کا پتلا ایک وقت میں کئی آدمیوں کا کھانا کھانے کی حرص میں گرفتار رہے گا۔ اس نے ہمارے اوپر رحم کیا۔ کہ ضرورت کے وقت معدہ کا ابھار کھول کر اس کا میدان لمبا چوڑا کرنے کا انتظام فرما دیا۔
جب ہم میز یا دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے کی ڈشوں اور پلیٹوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ تو ارادہ یہی ہوتا ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ بوٹیاں قیمہ کی۔ پلاؤ۔ زردہ متنجن کسٹرڈ۔ اور قیمے والا نان اور کیک پیسٹری ہم ہی اپنے معدے کے اندر داخل کر لیں۔
سادہ غذا تو معدے کے اندر تین چار گھنٹے میں ہضم ہو جاتی ہے۔ پراٹھے، کلیجی۔ تکے کباب سینڈوچ اور یہ مختلف قسم کی الا بلا چیزیں۔ تو کئی کئی گھنٹے معدے کے اندر ہی رکی رہتی ہیں۔ کئی کئی گھنٹے سر بھاری اور گندے ڈکار آتے رہتے ہیں۔ کبھی متلی، قے، اور دست بھی آنے لگتے ہیں۔ میرے مطب میں روزانہ درجنوں مریض بھاری پیٹ کا درد، اپھارہ، گیس بننے سے پانی، ڈکاروں کی کثرت اور تیزابیت کا رونا روتے آتے ہیں۔ بدہضمی اور غذا کا دیر سے ہضم نہ ہونا تو آج ہمارا قومی عارضہ بن کر رہ گیا ہے۔

معدہ کے بعد ہماری چھوٹی آنتیں جو ۲۲ فٹ لمبی گھمن گھیر پیٹ کے اندر ہوتی ہیں۔ غذا کے باقی بچے ٹکڑوں کو ہضم کرتی ہیں۔ اور فضلہ کو پاخانہ کی شکل دے کر بدن سے خارج کرنے کا کام جاری رکھتی ہیں۔ جب ہم باریک پیسے ہوئے چربی۔ گھی اور گوشت والی غذائیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ تو وہ آنتوں سے ۲۴ گھنٹے میں خارج ہونے کے بجائے ۳۶، ۴۸ اور ۷۲ گھنٹے تک وہاں پھنسی رہتی ہیں۔ جب ہماری کھانے کی غلط پالیسی کی بدولت غذا معدہ اور آنتوں میں دیر تک رکی رہتی تو قدرت ہمارے علاج کے لیئے بھوک بند کر دیتی ہے۔ آنتوں میں رکی ہوئی غذا ہضم کرنے اور اس کے زہریلے فضلات کو خارج کرنے کے لیئے۔ دل کو زیادہ خون اس طرف روانہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر بھوک بند نہ ہو تو یہ غلط طریقوں کے ڈھیر معدہ اور آنتوں سے باہر کیسے نکلیں گے۔ ہم نے اپنے خدمتگار سینکڑوں قسم کے جانوروں سے یہ سبق سیکھا ہے۔ کہ وہ بیمار ہو کر کھانا پینا بند کر دیتے ہیں۔

آپ رات دن اپنے باورچی خانے۔ موٹروں۔ سڑکوں مشینوں، آٹا پیسنے والی مشینوں اور چھوٹے چھوٹے بڑے کارخانوں کو جب دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے سوراخ بند ہو جاتے ہیں۔ اور دھواں نکلنا رک جاتا ہے۔ تو ہم ان کارخانوں اور مشینوں کو کھول کر ان میں جمے ہوئے اور اٹکے ہوئے ریگ، کوئلے اور جلے ہوئے تیل کی کنکریاں لوہے کی سلاخوں سے کھرچ کھرچ کر نکالتے ہیں۔ تو وہ کارخانے دوبارہ کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ بس یہی حال ہمارے اندرونی کارخانے کا ہے۔

سال بھر ہر وقت چرتے رہنے اور ہر چیز پیٹ میں ڈالتے رہنے سے ہمارے دل، دماغ، جگر آنتیں گردے اور اعصاب بوجھل اور شکستہ ہو جاتے ہیں۔ خداوند کریم نے ہمارے اوپر عظیم مہربانی کرکے ہماری بگڑی ہوئی صحت کو بچانے کے لیئے ایک ماہ کے روزے فرض کر دیئے۔ ہماری بگڑی عادتیں سنوارنے کے لیئے ایک ماہ کی ٹریننگ ہمیں اس مبارک ماہ میں دینے کا انتظام فرما دیا۔ ہمارا دل ایک گھنٹے میں سو مرتبہ سے زیادہ سرخ خون بدن کی رگوں میں پہنچاتا ہے۔ وہی خون گندہ اور گاڑھا ہو کر دوبارہ دل میں واپس آ جاتا ہے۔ دل اس ناکارہ خون کو پھیپھڑوں کی طرف بھیج کر دھواں دار فضلات یعنی کاربانک ایسڈ گیس کو خارج کر کے اور نسیم یعنی آکسیجن سے دھو کر شوخ سرخ کار آمد خون بنا کر دوبارہ بدن کی غذا بننے کے لیئے۔ بھیجتا ہے۔ رمضان شریف ہم ہر شب و چودہ پندرہ گھنٹے بدن میں غذا داخل نہیں کرتے۔ اس وقفے سے ہمارے معدہ آنتیں، جگر۔ اور پھیپھڑوں پر کام کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں وقفے سے آلات غذا ٹوٹ پھوٹ اور خرابی دور ہو جاتی ہے۔ آپ اکاون سالہ معالجاتی دور میں لاکھوں مریضوں کو میں نے رمضان کی بدولت پیٹ کے بڑھنے، معدہ جگر اور آنتوں کی خرابی۔ خون دباؤ۔ سر چکرانا۔ سر درد، دائمی نزلہ زکام۔ پھوڑے پھنسیاں

اور خون کی تیزابیت سے صحت حاصل کرتے دیکھا ہے۔ یہی نہیں بلکہ میں نے روزہ رکھنے والے طالب علموں
(لڑکے اور لڑکیوں) کو سالانہ اور ماہانہ امتحانوں میں روزہ خوروں کے مقابلے میں زیادہ نمبر حاصل کرتے
مشاہدہ کیا ہے۔ آپ غور کریں۔ کہ بھرے پیٹ والا آدمی کھانے کے بعد دفتر کے اور کاروبار کے
کام میں سست اور کھویا کھویا رہتا ہے۔ خالی پیٹ ہونے کی حالت میں دماغ تر و تازہ اور
آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ دماغی کام اور مصروفیت بنانے کے لئے خالی معدے والا دماغ زیادہ دماغ
اور دلچسپی سے کام کرتا ہے۔ ہمارے خدا نے ہمیں پورا ایک مہینہ ٹریننگ دینے کا کس قدر اچھا
تلا اور مفید فیصلہ کیا ہے۔

میں نے سینکڑوں ایسے مریضوں کو دیکھا ہے۔ جو دل والی شریانوں میں کولیسٹرول جمع ہو
جانے کی وجہ سے سر درد، چکرانا۔ بدنی تناؤ۔ اور خونی دباؤ (بلڈ پریشر) وغیرہ امراض سے
پریشان تھے۔ وہ رمضان کی برکت سے ان بیماریوں سے صحت یاب ہو گئے۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ
غصے میں بھوک زیادہ لگتی ہے۔ روزہ دار کو قدرتی طور پر غصہ زیادہ آتا ہے۔ جسے وہ حکم خدا
سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ غور فرمائیں۔ کہ روزہ کی رحمت نے غصہ بڑھایا۔ روزہ دار
غذا کو چھوئے گا ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ غصے کی گرمی سے جگر کا بڑھنا۔ معدہ اور آنتوں
کی گیس، اور تیزابیت سے جو معدہ پھیلا پھولا ہوا۔ اور پیٹ بڑھا ہوا ہو گا۔ وہ خود بخود گھٹنا
شروع ہو جائے گا۔ تاجدار مدینہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ
افطار کے وقت روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ مجھے زیادتی پیشاب یا منہ کی خرابی
غذا کا ذائقہ اچھا نہ معلوم ہونے والے لاکھوں مریضوں نے بیان کیا ہے۔ کہ شام کو روزہ کھولتے وقت
وہی غذا جسے دیکھنے کو ہمارا دل نہیں چاہتا۔ اور منہ میں ڈالنے سے بد مزہ معلوم ہوتی تھی۔ افطار کے
وقت بہت مزے دار اور سکون لانے والی اور تسکین دینے والی معلوم ہوتی ہے۔

اسلام کا ہر حکم حکیمانہ اور جدید سائنس کے مطابق ہے۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم
نے سحری آخری وقت اور افطاری جلدی کرنے کی مبارک سنت جاری فرمائی۔ درجنوں مریضوں کو
سحری میں زیادہ پیٹ بھر کر اور افطاری میں زود ہضم اور کم غذا کھلا کر میں نے یہ مبارک مہینہ
عمدگی کے ساتھ گزارتے دیکھا ہے۔ ہم اس پورے مہینے کی مشق سے اس لئے بھی کم فائدہ حاصل کرتے
ہیں۔ کہ ہم غذا میں گڑبڑ کر جاتے ہیں۔ اور یہ ہرگز نہیں سوچنا چاہئے۔ کہ رمضان میں اپنے گوشت
کی پوری غذا ضرور کھائیں۔ ایک وکیل صاحب دو سال قبل مجھ سے فرمانے لگے کہ حکیم صاحب
میں پراٹھا کھانا اچھا نہیں سمجھتا۔ سحری کے وقت جب مجھے جگایا جاتا ہے۔ تو چپ ہو کر بیٹھ جاتا

ہوں۔ جب پراٹھوں کی خوشبو سحری سے آنے لگتی ہے۔ تو میں فوراً باورچی خانے کا رخ کرتا ہوں۔ پھر چار
پانچ پراٹھے چٹ کر کے دوبارہ سو جاتا ہوں۔ ایک دفعہ رمضان شریف میں فوٹوگرافروں کی ٹیم اپنے ایک
بلیس ساتھی کو پیٹ درد اور بدنی خارش سے پریشان حال لے کر میرے پاس علاج کے لیے لائی۔
جب میں نے غذا کا حال پوچھا۔ تو اس کے ساتھی کہنے لگے۔ کہ یہ درد اور پیٹ پکڑ کر چلنے کی پرواہ نہیں
کرتا۔ سحری کے وقت تو یہ اصرار کرتا ہے۔ کہ میں اپنے حصے کے تین پراٹھے مزید کھاؤں گا۔ رمضان شریف
میں ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سبق پڑھایا اور خود اپنا مبارک نمونہ دنیا کی رہنمائی کیلئے
پیش فرمایا۔ کہ سحری بھوک کے مطابق اور سادہ کھائیں۔ زیادہ گھی والی غذاؤں سے پرہیز کریں
سارا دن معمول کے مطابق کام کریں۔ اور کوئی آدمی بھی جب کوئی بے معنی اور فضول بات سنائی
جائے۔ تو اسے جواباً کہیں کہ بھائی میں روزے دار ہوں۔ اپنی آنکھوں، کانوں، زبان، ناک اور ہاتھ پاؤں
کو کسی بھی بے مطلب گفتگو سے نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ کوئی بھی گپ شپ میرے جسم کے ہزاروں
خلیات (سیلز) کے ٹوٹنے اور ضائع ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اس مہینے میں میرے بدن کی
ٹوٹ پھوٹ تو ذکرِ خدا۔ اور اپنے بھائی بندوں کو نیک کام کرنے کی تلقین میں کام آنی چاہیے۔
افطاری کے لیے بھی خدا کے لاڈلے رسول کی سنت ہمیں جہاد کرنے کی ٹریننگ دیتی ہے۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور، نمک اور پانی سے روزہ افطار فرمایا۔ آج ہم اسے چھوڑ کر مٹھائی، سموسے
پکوڑے، پیسٹری اور کیک وغیرہ سے افطاری کرتے ہیں۔ چودہ پندرہ گھنٹے معدہ، آنتوں اور
اعصاب کے خالی اور زہریلے فضلات خارج کرنے کے بعد از سر نو معدہ کو بوجھل اور خراب کر لیتے ہیں۔
آدھ چھٹانک کھجور یا چھوہارے ہمیں بدل میں بجلی دوڑانے والی غذا پہنچانے کے سبب ۱۴۰ حرارے
(ہیٹ کیلوریز) دے دیتے ہیں۔ پانی ہمارے بدن میں گاڑھے خون کو پتلا کر کے گردش کرنے والا اور
ہلکا پھلکا بنا دیتا ہے۔ نمک ہمارے جسم کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کرتا ہے۔ اور منہ کا ذائقہ درست کر کے
بھوک لگاتا ہے۔ میں تو ہر سال اپنے مطب میں آنے اور ملنے والوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں۔ کہ
افطاری کھجور، چھوہارے، انگور، امرود، آلو بخارا، سیب، کیلا، مالٹا، آم وغیرہ کسی
بھی آسانی سے ملنے والے پھل سے کریں۔ اور نمازِ مغرب ادا کر کے سادہ اور زود ہضم غذا جیسی
ملی موسمی سبزیاں یا دال گوشت کے ساتھ پکی ہوئی ہوں کھایا کریں۔ تین چوتھائی معدہ غذا
سے بھر جائے اور چوتھائی بھوک ابھی باقی ہو۔ تو کھانے سے ہاتھ روک لیں۔ ہلکی غذا سے
ہم نمازِ تراویح بڑے ذوق اور شوق سے پڑھ سکتے ہیں۔ ہر سال دیکھا جاتا ہے۔ کہ پیٹ بھر کر
افطاری کرنے والے تراویح پڑھتے ہوئے۔ اونگھنے لگتے ہیں۔ اور ایسے لوگ قرآن نہ پوری طرح سننے سے

ہیں۔ اور نہ ہی قرآنی احکامات کا مطلب سمجھنے پاتے ہیں۔ موسم کی سادہ سبزی علاوہ ہ یا گوشت میں
پکا کر دال چھلکوں سمیت علاوہ ہ یا کسی سبزی کے ساتھ پکا کر کھانے سے اِس متبرک مہینے میں قبض
نہیں ہونے پاتی۔ دودھ لسی۔ اور دہی اپنی طبیعت اور کاروبار کے مطابق جس قدر ہضم ہو سکے
استعمال کرنی چاہیئے۔ اس ماہ مبارک میں گھی خالص یا پکوان یا مکھن جو بھی میسر آ سکے۔ اور ہضم
ہوتا ہو وہ ضرور کھائیں۔ یہ یاد رکھیں کہ گھی۔ مکھن۔ کو جس قدر گرم کیا جائے گا۔ اس کے حیاتین
(وٹامنز) جلتے اور کم ہوتے جائیں گے۔ میرا نصف صدی سے زائد کا تجربہ تو یہ بتاتا ہے۔ کہ گرم روٹی کو
گھی مکھن لگا کر یا ٹھنڈی روٹی کے ساتھ یا پھر چوری بنا کر کھانے سے گھی آپ کو پوری غذائیت بہم
پہنچائے گا۔ پراٹھا پکانے سے گھی کی چکنائی۔ چونا یا کیلشیم، فاسفورس، اور حیاتین آدھی کے قریب
ضائع ہو جاتی ہے۔ اور قبض کشائی۔ اور آنتوں کی خشکی دور کرنے کی بجائے۔ دیر ہضم اور قابض ہو
جاتا ہے۔

اسلام ہر مسلمان کو سپاہی بنانا چاہتا ہے۔ افطاری کے وقت، روٹی، چاول، دلیہ، کچی
یا پکی ہوئی سادہ یا گوشت والی سبزی کھا کر ۲۳ رکعت نماز پڑھنے سے ۵۷ سجدے ۲۳ رکوع اور
ایک یا سوا ڈیڑھ سپارہ قرآن حکیم سننے سے نہ صرف روح کی کثافتیں دور ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہاتھ پاؤں
جوڑ مضبوط۔ ان کے اعصاب کھلتے ہیں۔ اور درد رفع ہوتے۔ سر کی گرانی کم۔ دماغ ہلکا۔ معدہ کا بوجھ ریاح
گیس اور تیزابیت بھی کم ہو جاتی ہے۔ اور غذا تین چار گھنٹوں میں ہضم ہو کر بدن ہلکا پھلکا اور قرآن
سننے اور اس کے معانی سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ سحری کے وقت دودھ چاول، لسی، مکھن
جو بھی میسر آ سکے سوکھی روٹی یا گھی سے چپڑی ہوئی کھا کر موسم کے مطابق اپنی آمدنی کے مطابق تر
ہوئے پھل بھی کھانا اچھا ہے۔ مدنی سرکار ﷺ نے انار، بہی، بگوگوشہ، انگور وغیرہ کے پھل پسند
کئے ہیں۔ کھجور جیسی گرم چیز کو ککڑی (کھیرا) اور تربوز جیسے سرد پھل کے ساتھ ملا کر استعمال
فرمایا ہے۔ کھجور گرم اور حرارت (پوٹاشیم کیلوریز) کا عظیم خزانہ ہے۔ حضور نے تربوز ککڑی دونوں
ٹھنڈے مزاج اور کمتر حرارت والے پھل کھجور کے ساتھ کھا کر ان کی گرمی کو معتدل بنانے کی تعلیم
ہمیں سکھائی ہے۔ حضور سرکار ﷺ نے کھجور خشک کو مکھن کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ اور اس سے
ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے۔ کہ کھجور جو وافر غذائیت اپنے ساتھ خشک مزاج رکھتی ہے مکھن کے
ساتھ کھا کر ہم اپنے جسم کو حرارت، گلوکوز اور چکنائی سے بھرپور غذا حاصل کر سکتے ہیں۔
حضور کی ساری زندگی میں ہمیں یہ مثال نہیں ملتی کہ پراٹھے، متنجن، حلوہ، اور زیادہ مکھن گھی والے قورمے
اور شوربا یہ سب چیزیں آپ نے ایک ساتھ استعمال فرمائی ہوں۔ ہماری صحت بنانے اور [illegible]

32 Date

رکھنے کیلئے حضور ؐ مکھن کے ساتھ چھوارہ اور تربوز، ککڑی کے ساتھ کھجور استعمال فرما کر دنیا بھر کے سائنس دانوں
کے لیے۔ بدن کے ضائع شدہ حصے مہیا کرکے انرجی اور عمدہ صحت بنانے کے لیے ریسرچ اور تحقیق کی
راہیں۔ کھول دی ہیں۔ کیونکہ ہم بھی اس رمضان المبارک کی جسم بنانے والی مشین (ٹریننگ) میں اپنی
غذا کو حضور اقدس ؐ کے صحت بنانے والے نقشے پر استوار کرکے بیماریوں سے پیچھا چھڑا سکیں۔ سوکھی روٹی
کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے گوشت یا دال کے شوربے میں بھگو کر حضور ؐ تناول فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں جو یا
گندم کے ستو میں کھجور، پنیر اور گھی مکھن ملا کر مالیدہ تیار فرما لیتے تھے۔ ان دونوں طریقوں سے تیار کیے ہوئے
کھانے کو ثرید کہا جاتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے۔ کہ حضور ؐ کی یہ غذا کھانے سے تبخیر، گیس، معدہ، آنتوں
کا بوجھ، درد، متلی اور تیزابیت وغیرہ امراض سب دور ہو جاتے ہیں۔

ہمارے مہربان خدا نے فرمایا۔ "روزہ میرے لیے ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔" میرا ایمان ہے کہ
روزہ صحت کے بگاڑ اور مرض کو دور کرنے والا ایک عظیم کورس ہے۔ چودہ گھنٹے کی بھوک سے
معدہ اور اس کے ساتھ ہاضمہ کا فعل انجام دینے والے اعضاء کو آرام حاصل ہو جاتا ہے۔ جس سے ان
کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت ہو جاتی ہے۔ اور آگے کام کرنے کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ جگر بھوک کی
حالت میں کم مقدار میں صفرا پیدا کرکے کچھ آرام کر لیتا ہے۔ آنتیں اور بالخصوص (لبلبہ نامی گلٹی)
بھی اپنے ہاضم جوہر (ہارمونز) کم بناتے ہیں۔ اور قدرت آرام اور سکون حاصل کر لیتے ہیں۔ اس بات کا
تو آپ جب مشاہدہ چاہیں کر لیں۔ کہ خالی معدے والے لوگ فرحت اور پرسکون دماغ کا لطف حاصل کرتے
ہیں۔ اور بھرے ہوئے معدے والے لوگ دماغ میں بوجھل تندی اور چڑچڑاپن کا شکار رہتے ہیں
اور کوئی کام بامنصوبہ دل جمعی سے انجام نہیں دے سکتے۔ اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ دماغ پرسکون
تفکرات سے آزاد اور زندگی کی دوڑ دھوپ میں اچھا کام کریں تو رمضان شریف کے اندر حضور
حضور ؐ کے بیان فرمودہ طریقے سے رکھیں۔ اور آئندہ سال بھر خوش و خرم رہیں۔

نورالحبیب جلد ۲ اپریل ۱۹۹۰ء
شمارہ ۲

Abbas
۱۳.۱۲.۰۳

صدر الافاضل محمد نعیم الدین

علماء ومشائخ وقت نے برِ اعظم ایشیاء کے نامور مفسر، محدث، استاذ الاساتذہ
مولانا علامہ الحاج الحافظ القاری السید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو صدر الافاضل
کے لقب سے ممتاز فرمایا۔ جو اب تک ہزاروں علماء و مشائخ عظام میں صرف آپ ہی کے فرقِ اقدس
کی زینت ہے۔ نیز شہرت کے اعتبار سے یہ آپ کے نام نامی اسم گرامی کا جزو بن چکا ہے۔ ایسے ہی
جیسے مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے ساتھ اعلیٰ حضرت، مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری
کے ساتھ محدثِ اعظم اور حضرت علامہ الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی قادری اشرفی کے ساتھ فقیہ اعظم
پاکستان کے القاب و اوصاف اسماء ہی سے مترادف ہیں۔

وقفِ دین: حضرت صدر الافاضل کے والد ماجد علامہ مولانا معین الدین نزہت بیان فرماتے ہیں۔
کہ میرے ہاں متعدد فرزند ہوئے مگر بچپنے ہی میں فوت ہو جاتے۔ جب آپ متولد ہوئے تو ہم نے نذر
مانی کہ الٰہی اس بچے کو ہم شرعِ دین کیلئے وقف کرتے ہیں۔ اور ایسے علم و عمل اور عمر عنایت فرما۔ چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو قبولیت عطا فرمائی۔ اور اپنے پسندیدہ دین کیلئے محمد نعیم الدین کو
اسلام و سنیت کیلئے ایک نعمت کے طور پر محفوظ و مامون رکھا۔ یہاں تک کہ دین اسلام کی
خاطر خدمت میں مثالی کردار انجام دیا۔

دستارِ فضیلت: علمی گھرانے میں آپ کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید
حفظ کر لیا۔ بیس سال کے ہوئے تھے کہ جملہ علوم و فنونِ اسلامیہ کی تکمیل فرما کر سندِ فراغت اور دستار
فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اکابر اہل سنت نے آپ کو دستارِ فضیلت کے ساتھ ساتھ نیک تمناؤں
اور مقبول دعاؤں سے نوازا۔ اس موقع پر آپ کے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت نے اس تاریخی قطعہ
سے سندِ فراغت کی تاریخ کو محفوظ کیا۔ ~

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ تفضل
شاگردوں میں جو رکھتا ہے ترجیح فضیلت
نزہت نعیم الدین کو یہ کہہ کے سنا دے
دستارِ فضیلت کی ہے یہ تاریخ فضیلت ۱۳۲۰ھ

علم سے عشق: ایک اچھے طالب علم میں علم سے محبت، کتب کا مطالعہ، محنت سے رغبت، فرائض کی
پابندی، وقت کی قدر، فضولیات سے پرہیز بڑی بنیادی اہمیت کی حامل عادات ہیں۔ اگر ان عادات
و اوصاف پر حضرت صدر الافاضل کو پرکھا جائے۔ تو آپ ان میں نہ صرف پورے اترتے عمل پیرا نظر آتے ہیں
بلکہ عشق کی حد تک علم و عمل میں ہمہ تن مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ جن کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی

حضرت فقیہ اعظم محدث بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت صدر الافاضل کتب سے انتہائی عشق رکھتے
تھے۔ احکام شرعیہ پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ دن تو دن رات کو بھی مطالعہ کا یہ عالم
ہوتا کہ جمعرات کے سوا آپ رات کو بھی نہ سوتے۔ مطالعہ کی جگہ اوپر کسی چیز کے ساتھ ایک لمبی سی
ڈوری اپنے سر سے باندھ لیتے۔ بعد مطالعہ شروع کرتے۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا۔ جھٹکا لگتا تو ڈوری کے
کھنچاؤ کے باعث بیدار ہو کر کتب دیکھنے لگتے حتیٰ کہ رات گزر جاتی۔ جمعۃ المبارک کی اہمیت کے
پیش نظر صرف سات دن بعد جمعرات کو آرام کرتے اس طرح زمانہ طالب علمی میں علم و عمل کو پروان
چڑھاتے رہے۔ اور پھر اس عشق و محبت کا صلہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ دنیائے اسلام
سے پوشیدہ نہیں۔ آج کا طالب علم ایسی محنت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جبکہ آپ کے زمانہ
میں بھی ایسی مثال عنقا تھی۔ اسی لئے تو آپ کو صدر الافاضل کے لقب سے بھی اکابر نے یاد فرمایا۔

تھانوی کو چیلنج ۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نہ صرف ایک محنتی طالب علم تھے۔ بلکہ آپ
اپنی محنت کو بروئے کار لانے کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں آپ نے خطابت کی طرف بھی
خوب توجہ دی۔ مناظرہ آپ کا فن بن گیا۔ فراغت سے قبل جب آپ کو معلوم ہوا۔ کہ مولوی اشرف
علی تھانوی دیوبندی نے نبی اکرم، معلم کائنات اعلم الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اقدس پر گستاخانہ
انداز میں حملہ کیا ہے۔ تو آپ نے تھانوی صاحب کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ کہ اس سلسلہ میں جہاں
چاہو میرے ساتھ مناظرہ کرلو۔ تمہیں ایک طالب علم کی گرفت سے ہی پتہ چل جائے گا۔ کہ علم کیا ہوتا ہے
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا برکات کا تو خود علم محتاج ہے۔ علم کی زینت اور شان تو آپ
ہی سے وابستہ ہے۔ آپ نے چیلنج پر چیلنج دیا۔ مگر تھانوی تھانہ میں ہی محبوس ہو کر رہ گیا۔ اور
اپنے وقت کے عظیم طالب علم حضرت صدر الافاضل سے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔ جب تمام اکابر
بریلی و دیوبند فیصلہ کن مناظرہ کے لئے متحد ہوئے۔ اور طے پایا کہ مسجد وزیر خاں لاہور میں اختلافی
عبارات پر گفتگو ہو جائے۔ جس میں اکابر دیوبندی آئیں۔ خصوصاً تھانوی صاحب کا آنا از حد
ضروری ہے۔ مگر طے شدہ تاریخ و پاسی کے باوجود دیوبندی اکابر لاہور آنے کی جرأت
نہ کر سکے۔ جبکہ ہمارے جملہ اکابر بروقت تشریف لائے۔ جن میں حضرت صدر الافاضل، مولانا حامد
رضا خاں محدث اعظم ہند رحمۃ خصوصیت سے مناظرین میں شامل تھے۔ مسجد وزیر خاں میں جلوہ
افروز رہے۔ مگر مخالفین نہ آئے۔ تو وہاں تاج الدین عرفانی نے ایک طویل نظم پڑھی جس
کا ایک شعر پوری تاریخ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

چل کے ہندوستان سے حامد رضا خاں آ گئے * اور تھانے میں چھپا مجرم کرتا خود کشی۔

اعلانِ قتل ۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ تحصیلِ علم کے ساتھ تقاریر میں بھی مہارت حاصل کرتے رہے
فراغت سے قبل ہی آپ کے خطیبانہ انداز کا دور دور تک شہرہ ہوا۔ مقامی و بیرونی حضرات
آپ کے پروگرام وضع کرتے۔ اور آپ اپنی خداداد تقریری صلاحیت کو بروئے کار لاتے یہاں تک
کہ مراد آباد کے لوگوں کے دلوں میں تو آپ نے گھر کر لیا۔ مخالفین نے دشمنی اختیار کر لی اور
آپ کے خلاف اپنے لوگوں کو بھڑکایا۔ حتیٰ کہ انہوں نے مراد آباد شہر کے وسط میں ایک بڑے جلسے کا
اہتمام کیا۔ وہابیہ کے مقررین نے بڑا زہر اگلا دورانِ جلسہ ان کے ایک بدمعاش پہلوان نے برسرِ
مجمع تلوار لہراتے ہوئے اعلان کیا کہ میں اس تلوار کے ذریعے نعیم الدین کو قتل کروں گا۔

جب یہ بات آپ کے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت کے کانوں تک پہنچی تو جاہ
حضرت کی نشست گاہ تھی۔ اس کے دروازے پر حضرت کے والد ماجد نے یہ دعائیہ اشعار لکھ کر
سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کر دیا۔ ؎

یا الٰہی بے خطا بے جرم ہے میرا پسر
دشمنی رکھتے ہیں اس سے شہر والے فتنہ گر
تو برائے احمد مختار بوبکر و عمر
دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

مرشد سے بیزاری ۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت علیہ الرحمۃ
پہلے مولوی محمد قاسم نانوتوی دیوبندی کے مرید تھے۔ اس وقت یہ لوگ اپنی وہابیت کو
چھپاتے تھے۔ چنانچہ نانوتوی صاحب نے بھی آپ کو کہہ رکھا تھا کہ فاتحہ پڑھتے رہا کرو مزارات
پر جانا جائز ہے۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل باعثِ خیر و برکت ہیں۔ ہم بھی ان معمولات
پر عمل کرتے رہتے۔ جب نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس جس میں ختمِ نبوت کا صراحتاً
انکار درج ہے۔ کے متعلق حضرت نزہت صاحب کو مطلع کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا جب
تک اس کے مندرجات کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب کتاب دکھائی گئی
اور ساتھ ہی اس کی تردید میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی کتاب حسام الحرمین
کو ملاحظہ کیا تو پکار اٹھے۔ ؎

چھوڑا ہوں میں اس گُل سے نزہت گمراہ ہوا جس میں شیخ و قاضی
بر رضائے احمد اس میں سمجھوں گا کہ احمد رضا ہوں مجھ سے راضی

مولوی محمد قاسم نانوتوی دیوبندی کی بیعت کو اللہ بہ توڑ کر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے

331 File

دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

خزائن العرفان (ع) علوم و عرفان کا مرکز صدر الافاضل نے ہر سطح پر اس نہج سے کام سر انجام دیا۔ جس کی مثال ناممکن نہیں۔ تو مشکل ضرور ہے۔ آپ کے ملفوظات ہلال اکبر سے ایک بڑھ کر ہیں۔ مگر سب سے ممتاز قرآن کریم کی وہ شہرہ آفاق تفسیر ہے۔ جو خزائن العرفان کے نام سے اہلِ علم میں مقبول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاک و ہند میں اس تفسیر سے جتنا استفادہ خاص و عام کر رہے ہیں۔ کسی اور تفسیر سے ممکن نہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن کی مقبولیت کا باعث بھی یہی تفسیر ہے۔ آپ نے کنزالایمان کو خزائن العرفان میں اس انداز سے شامل کیا ہے۔ کہ ترجمہ و تفسیر کے جملے ملا کر پڑھے جائیں۔ تو کسی بھی فقرہ و جملہ میں جھول محسوس نہیں ہوتا۔ بعد میں یگانہ بیگانہ مترجم و مفسر اسی ترجمہ و تفسیر کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔ اس تفسیر کے محاسن اجاگر کرنے کے لئے۔ اہلِ علم و فضل کو توجہ دینی چاہئے۔ مخالفین نے اس تفسیر کو مجروح کرنے کی عیارانہ کوشش کی۔ جسے علماءِ حق نے ناکام بنا دیا۔ اور تاج کمپنی کو معذرت طلب کرنا پڑی۔ اسلام کے ازالہ میں بہتر کرنے اہتمام سے پھر تفسیر و ترجمہ شائع کر کے ان کی تسلیم رہی بن گئی۔ چند سال قبل تاج کمپنی کے ارباب حل و عقد سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کونسے ترجمہ و تفسیر کی اشاعت ہوئی تو انہوں نے کہا۔ خزائن العرفان مع کنزالایمان سب پر سبقت لے گئی۔

نور الحبیب مولانا محمد بخش و تابش قصوری

جون ۱۹۹۲ء ذوالحجۃ ۱۴۱۲ھ جلد ۴

(signature) ۱۴۔۱۲۔۰۴

فضیلتِ عالم

(محمد صدیق سنور نورانی)

معلمِ کتاب نے ارشاد فرمایا کہ کسی شہر یا گاؤں کی طرف ایک عالم یا طالب علم آیا۔ اور دوسری جانب سے گزر گیا۔ وہاں سے نہ کھایا۔ نہ پیا۔ صرف اس گزرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُن کے قبرستان سے چالیس روز تک عذاب اٹھا لیتا ہے۔ اور اگر وہ مہمان نوازی کریں تو چالیس سال تک ان کے قبرستان سے عذاب اٹھا لیتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے۔ جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ امتی پر نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں۔ کہ علماء کی مسلمانوں پر سات سو درجہ فضیلت ہے۔

ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ اول میں ہے۔ (کسی نے سوال کیا) حضور! حافظ تو دس لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ سنا گیا ہے کہ اپنے اعزاز سے دس شخصوں کی اس پر اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ عالم اور اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا۔ جس سے مشرق و مغرب روشن ہو جائے۔ اور شہید پانچ شخصوں کا حاجی ستر کی۔ اور علماء بے گنتی لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ حتیٰ کہ عالم سے سا تو جن لوگوں کو کچھ بھی تعلق ہوگا۔ اس کی شفاعت کریں گے۔ کوئی کہے گا میں نے وضو کیلئے پانی دیا تھا۔ کوئی کہیگا میں نے فلاں کام کر دیا تھا۔ لوگوں کا حساب ہوتا جائیگا اور وہ جنت میں بھیجے جائیں گے۔ لیکن علماء کا حساب تو کب کا ہو چکا ہوگا۔ مگر وہ روکے جائیں گے۔ تب عرض کریں گے۔ الٰہی لوگ جا رہے ہیں۔ ہم کیوں روکے گئے ہیں۔ فرمایا جائیگا۔ تم آج میرے فرشتوں کی مانند ہو۔ شفاعت کرو۔ کہ تمہاری شفاعت سے لوگ بخشے جائیں۔ ہر سنی عالم سے فرمایا جائیگا۔ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر۔ اگرچہ آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں۔

طیب الوردہ میں ہے۔ النظر الی العلماء والقرآن عبادۃ کالنظر الی الکعبۃ۔ یعنی علماء اور قرآن کی طرف دیکھنا ایسی عبادت ہے جیسے کعبہ کی طرف دیکھنا۔

علماء ہی اولیاء اللہ ہیں | تفسیر فتح البیان میں ہے۔ کہ امام اعظم امام ہمام حضرت ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا۔

اذا لم تکن العلماء اولیاء اللہ فلیس للہ ولی" قال نووی وذلک فی العالم العامل بعلمہ۔ یعنی اگر علماء اللہ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کیلئے کوئی ولی نہیں۔ علامہ نووی نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہر عالم کیلئے ہے جو اپنے علم پر عامل بھی ہے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں۔ میں بصرہ کی مسجد میں آیا۔ وہاں میں نے لوگوں کے دو حلقے دیکھے۔ ایک حلقہ وعظ و تذکیر میں مصروف اور دوسرے میں مسائل فقہیہ بیان ہو رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں میں نے اپنے دل میں سوچا۔ اگر وعظ و تذکیر کے حلقہ میں شریک ہو جاؤں تو وہ آخر میں دعا فرمائیں گے۔ تو میرا بھی ذریعہ نجات بن جائیگا۔ اور اگر فقہاء کے حلقہ میں شامل ہو جاؤں تو ہو سکتا ہے۔ ان سے ایسا مسئلہ سنوں۔ جو پہلے نہ سنا ہو۔ تو اکبر فائدہ حاصل ہوگا (میں اسی تردد میں رہا۔ جب کوئی حتمی فیصلہ نہ کر پایا۔ تو الگ ایک جگہ سو گیا۔ اور خواب میں دیکھا۔ ایک آنے والے نے مجھ سے کہا۔ تو اس حلقہ میں کیوں نہ بیٹھا جہاں مسائل فقہ بیان ہو رہے تھے۔ کہ وہاں جبریل امین ستر ہزار مقرب فرشتوں کے ساتھ حاضر تھا۔ ان کا ہمنشین

نیک بخت ہوگا۔ کیونکہ بدبختی کو ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ جہاں علمائے کرام دن رات مسائل فقہ کا درس دیتے ہوں۔ اس مجلس و مقام کا کیا رتبہ ہوگا۔

نورالحبیب جلد ۲ صفحہ ۳۱-۳۲

(محمد صدیق منظور نوری)

مسواک کی فضیلت

(مولانا عبدالمبین نعمانی) ۵۳-۱۲-۱۴

آج مسلمان جہاں بہت سی سنتوں کو چھوڑ چکے ہیں۔ وہیں مسواک جیسی عظیم سنت کو بھی ترک کرتے جا رہے ہیں۔ اور بہت سے مسلمان اس کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ تو سنت کی نیت سے نہیں بلکہ محض منہ کی صفائی کو مقصد بناتے ہیں۔ حالانکہ اگر سنت کی ادائیگی کی نیت کر لی جائے تو سنت کا ثواب بھی ملے اور منہ کی صفائی بھی حاصل ہو جائے۔ جو ایک دنیاوی فائدہ ہے۔ گویا یہ ایک سنت ہے۔ جو بیک وقت دینی دنیاوی دونوں طرح کے فوائد پر مشتمل ہے۔ ذیل میں مسواک سے متعلق چند احادیث کریمہ اور مسائل پیش کیے جاتے ہیں مسلمان بالخصوص پڑھیں اور عمل کریں۔

(۱)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی روایت فرماتی ہیں۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں۔ ۱ مونچھیں کاٹنا ۲۔ داڑھی بڑھانا۔ ۳۔ مسواک کرنا۔ ۴۔ ناک میں پانی ڈالنا ۵۔ ناخن تراشنا ۶۔ انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا۔ ۷۔ بغل کے بال اکھاڑنا۔ ۸۔ موئے زیر ناف مونڈنا ۹۔ استنجا کرنا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں دسویں کو بھول گیا شاید وہ کلی کرنا ہے۔ (ابوداؤد)

فطرت کے معنی بعض علما نے دین لیے ہیں۔ اور بعض نے کہا۔ اس سے مراد سنت ہے۔ اور بعض نے کہا سنت انبیا ہیں۔ بہرحال ان دس چیزوں کی اہمیت و فضیلت اس حدیث سے ثابت ہو گئی ہے۔ اور انہیں میں مسواک کرنا بھی ہے۔

(۲)۔ حضرت ابو ایوب رضی سے مروی ہے۔ کہ حضور نے فرمایا۔ چار چیزیں انبیا کی سنت ہیں۔ ختنہ کرنا۔ عطر لگانا۔ مسواک کرنا۔ اور نکاح کرنا (ترمذی)

(۳) حضرت ابن عمر رضی سے مروی ہے۔ حضور انور نے فرمایا۔ مسواک کو اپنے اوپر لازم کرو۔ کیونکہ وہ منہ کی پاکیزگی کا سبب ہے۔ اور حق تعالیٰ کی رضا کا باعث بھی (نسائی)

(۴) حضرت ابو امامہ رضی سے مروی ہے۔ کہ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا۔ مسواک کیا کرو کیونکہ مسواک میں منہ کی پاکی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمیشہ مسواک کی وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک مجھے خوف ہوا۔ کہ کہیں مجھ پر اور میری امت پر فرض نہ

ہو جاے۔ اگر مجھے اپنی امت پر دشواری کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان پر مسواک فرض قرار دے دیتا۔
اور میں اس کثرت سے مسواک کرتا ہوں کہ مجھے اپنے منہ کے اگلے حصے کے چھلنے کا خوف ہوتا ہے
(ابن ماجہ)

(۵) ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر مجھے اپنی اُمت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔ (بخاری و مسلم)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات سونے سے پہلے اور بیداری کے بعد مسواک فرماتے تھے (مجمع)

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے مروی ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو یا دن میں سو کر اٹھتے تو وضو سے پہلے مسواک فرماتے (ابو داؤد)

(۸) حضرت علی رضہ فرماتے ہیں۔ تمہارا منہ قرآن کے راستے ہیں۔ ان کو مسواک سے خوب پاک و صاف کرو (ابن ماجہ)

(۹) ایک بار حضور نے جمعہ کے دن فرمایا۔ اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ نے اس دن کو تمہارے لئے عید بنایا ہے۔ اس لئے غسل بھی کرو۔ اور اگر خوشبو ہو تو خوشبو بھی لگاؤ۔ اور مسواک تمہارے اوپر بہت ضروری ہے (موطا امام مالک)

(۱۰) عامر بن ربیعہ رضہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور کو بےشمار بار روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا ہے۔ (اصحاب السنن و ابن خزیمہ)

(۱۱) حضرت ام درداء رضہ سے مروی کہ حضرت عائشہ رضہ سے دریافت کیا۔ جب آپ آنحضور اقدس کے ہمراہ سفر کرتیں یا حج کو جاتیں یا کسی غزوہ میں شرکت کرتیں تو حضور کو کیا توشہ دیتیں۔ کہا۔ میں حضور کو توشہ میں تیل۔ کنگھا، آئینہ، قینچی، سرمہ دانی اور مسواک دیا کرتی تھیں۔ (مجمع)

(۱۲) حضرت عائشہ رضہ حضور سید عالم صلعم سے روایت کرتی ہیں۔ کہ مسواک کرکے نماز کی فضیلت بغیر مسواک کی نماز پر ستر گنا زائد ہے۔ مشکوٰۃ۔

(۱۳) ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم کسی نماز کے لئے تشریف نہ لے جاتے تاوقتیکہ مسواک نہ فرما لیتے (طبرانی)

(۱۴) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور جب باہر سے گھر تشریف لاتے تو پہلا کام مسواک کرنا ہوتا (مسلم)

(۱۵) حضرت مولا علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ جب مسواک کرکے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ تو فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہوکر قراءت سنتا ہے۔ پھر اس کے قریب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ (بہار شریعت حصہ دوم ص۱۲)

مسواک کے فائدے: مسواک کے فوائد بے شمار ہیں۔ ذیل میں چند لکھے جاتے ہیں۔ مسواک کے وہ فوائد و فضائل جو آئمہ کرام نے حضرت مولیٰ علی اور حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیے ہیں یہ ہیں)

مسواک کو لازم کرلو۔ اس کو ترک مت کرو۔ اس پر مداومت (ہمیشگی) کرتے رہو۔ کیونکہ اس میں خداوند قدوس کی خوشنودی ہے۔ اس سے نماز کا ثواب ننانوے ۹۹ یا چار سو گنا بڑھ جاتا ہے۔ اور ہمیشہ مسواک کرنے سے کشادگی رزق پیدا ہوتی ہے۔ روزی آسان ہوتی ہے۔ مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔ درد سر کو اور سر کی تمام رگوں کو سکون ملتا ہے۔ پھر نہ کوئی ساکن رگ حرکت کرتی ہے۔ اور نہ حرکت کرنے والی ساکن رہتی ہے۔ بلغم دور ہوتی ہے۔ دانتوں کو مضبوط بناتی ہے۔ بینائی کو صاف کرتی ہے۔ معدہ کو درست اور بدن کو قوی بناتی ہے۔ انسان کی فصاحت اور حافظہ و عقل کو بڑھاتی ہے۔ دل کو پاک کرتی ہے۔ نیکیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ ملائکہ خوش ہوتے ہیں۔ اور اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور جب مسجد سے باہر نکلتا ہے فرشتے اس کے پیچھے پیچھے ہولیتے ہیں۔ انبیاء و رسل اس کے لئے مغفرت کرتے ہیں۔ مسواک شیطان کو ناراض کرتی ہے۔ اور اس کو دھتکارتی ہے۔ ذہن کو صاف کرتی ہے۔ بچوں کی پیدائش بڑھاتی ہے۔ پل صراط پر سے کوندنے والی بجلی کی طرح بہت جلد اتار دیتی ہے۔ بڑھاپے کو موخر کرتی ہے۔ نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دلاتی ہے۔ بدن کو اللہ کی اطاعت کیلئے قوت دیتی ہے۔ حرارت کو بدن سے دور کرتی ہے۔ پیٹھ کو مضبوط بناتی ہے۔ کلمہ شہادت یاد دلاتی ہے۔ حالت نزع کو بہت جلد ختم کرتی ہے۔ دانتوں کو سفید، منہ کو خوشبودار، حلق اور زبان کو صاف اور ہضم کو تیز کرتی ہے۔ لہ

نور الحبیب شوال المکرم ۱۴۰۸ھ

[signature]

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محمد کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اگر اس میں ہو کچھ خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

—o—

شعبانُ المعظم

نویدِ شبِ برأت

(علامہ غلام رسول سعیدی)

گناہ انسان کی سرشت میں اور خطا اس کے خمیر میں ہے۔ لیکن پیمانِ وفا باندھنے کے بعد جفا کچھ زیادہ
گراں گزرتی ہے۔ اسلام کا احرام باندھنے کے بعد ہوا و ہوس کا طواف، اطاعتِ خداوندی کے عہد کے بعد اتباعِ
نفسِ امارہ کی بیگانگی کے لیے حجت اور اپنوں پر استعجاب کا موجب بن جاتی ہے۔ کبھی ایسا ہوا ہے
کہ کوئی چیز فروخت کر دی جائے اور سودا ہونے کے بعد پھر بیچنے والا یہ کہے کہ اس چیز پر میرا قبضہ ہے اس کے
حقوق میرے ہیں۔ اور اس شے پر میرا تصرف ہے۔ اگر ایسا ہو تو یقیناً یہ خریدار کے ساتھ ناانصافی اور ظلم
ہوگا۔ ایک مہذب معاشرے میں کوئی شخص اس ظلم کو روا نہیں رکھے گا۔ لیکن کیا یہ حیرت کی انتہا نہیں کہ ہم نے
ظلم کا یہ سلوک اس ذات کے ساتھ روا رکھا ہے۔ جو ہمارا اور اس ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ قرآن
کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ۔ اللہ تعالیٰ
نے مسلمانوں سے ان کے نفوس اور اموال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ جب ہم نے یہ سودا کر لیا ہے
تو یہ جان اور مال اب ہماری ملکیت نہیں رہی، اس پر ہمارا قبضہ اور تصرف نہیں رہا۔ سونا، جاگنا، دیکھنا، سمجھنا
کھانا، پینا، لینا، دینا، خرید و فروخت کسی شے کے ہم مالک نہیں رہے۔ یہ تمام امور اب اس کے تصرف کے تابع
ہیں۔ ہمارا کسی چیز پر اختیار نہیں۔ لیکن اگر اس کے باوجود ہم جان و مال پر اپنی مرضی سے تصرف کر رہے ہیں۔
اس کی مرضی کے خلاف زندگی کے ہر مرحلہ میں ہمارا ارادہ حاکم رہے تو اس کے دو ہی مطلب ہیں۔ یا تو ہم نے
خدا سے ہنوز یہ سودا نہیں کیا۔ یا سودا کرنے کے بعد ہم اس کے ملک میں اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر تصرف
کر رہے ہیں۔ اور اس کائنات میں اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہو نہیں سکتا۔ ایک شخص مکان بنانے کے لیے
زمین حاصل کرے۔ سیمنٹ، بجری، اینٹیں اور لوہا فراہم کرے۔ اسے بنانے کے لیے راج مزدوروں کی خدمات
مہیا کرے۔ کئی برس لگا کر یہ مکان تیار کرے۔ اور جب یہ مکان بن کر تیار ہو جائے۔ اور وہ وقت آئے کہ اس
میں رہائش اختیار کرے۔ اپنی مرضی اور منشا سے اس میں زندگی گزارے۔ تو کوئی اچانک کوئی دوسرا شخص آکر
اس مکان میں ~~[illegible]~~ پر قبضہ کرلے۔ اور کہے کہ میں اس مکان میں اپنی مرضی اور منشا سے زندگی گزاروں گا
تمہیں نہیں رہنے دوں گا۔ تو کیا یہ ستم نہیں ہے۔ کیا ہم یہ ظلم گوارہ کر لیں گے۔ پھر جو بات ہم برداشت
نہیں کر سکتے۔ اسے ہم نے کتنی آسانی سے اس ہستی کے لیے پسند کر لیا ہے۔ جو تمام کائنات کا
خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے لیے ماں کے رحم میں نطفہ فراہم کیا۔ نو ماہ تک اسے تخلیق
کے مختلف مدارج سے گزارتا رہا۔ گندے قطرے کو ہڈیوں اور گوشت کا پاکیزہ لباس پہنایا۔ بے جان لوتھڑے
میں حس و حرکت پیدا کی۔ ذہن میں رعنائی خیال اور قلب میں محبت کی گرمی میسر کی۔ آغوشِ مادر میں
اس کے لیے باپ کی شفقت اور ماں کا دودھ مہیا کیا۔ اسے بچپن میں پالتا رہا۔ بڑھاتا رہا۔ یہ انسان کی

تعمیر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس عمارت نے اپنے بلوغ کو پالیا۔ اور جب یہ انسان اس قابل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی
ہوئی عمارت میں اس کے احکامات کو آباد کرتا۔ اس منزل میں اس کی مرضی کو مکین بناتا۔ اس نے اللہ کے احکام
اور فرامین کو اس عمارت سے نکال باہر کیا۔ اور ہوائے نفس کو اس کا مکین بنا لیا۔ فانہ کان ظلوما جہولا
روز و شب معصیت کی تسبیح رولنے والوں کو دنیا کا دم بھر کر پھر اسے بھلانے والوں کو وہ پکار
پکار کر بلاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ
کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل خدا کی یاد کرنے کے لیے موم ہو جائیں۔
گناہوں پر عذاب دینے سے اسے کوئی خوشی نہیں پہنچتی جبھی تو وہ کہتا ہے۔ ما یفعل اللہ
بعذابکم ان شکرتم وامنتم۔ خدا تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم اللہ کا شکر بجا لاؤ
اور سچے مسلمان ہو جاؤ۔ اگر تم سے معصیت سرزد ہو گئی ہے۔ یا تم اپنی جان پر ظلم کر چکے ہو۔ تو
یہ ایسا داغ نہیں ہے۔ جو دھویا نہ جا سکے۔ ایک دو گناہوں کی بات نہیں۔ اگر تم گناہوں کے سمندر
بھی لے کر آئے تو وہ معاف کر دے گا۔ کرم خداوندی کے بحر بے کنار کے سامنے ایک دل کی سیاہی کی کیا
کیا حقیقت ہے۔ پوری کائنات کی سیاہی بھی ہو تو دھل جائے گی۔ تم آؤ تو سہی، دیکھو آغوش رحمت
تمہیں لینے کے لیے کس طرح بیتاب ہے۔ وسارعوا الی مغفرة من ربکم وجنة عرضها السموٰت
لوگو دوڑو اپنے رب کے عفو و کرم کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی پہنائی میں زمین و آسمان سما
سکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ الذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ
وہ لوگ جنہوں نے کوئی برا کام کیا ہو۔ یا جنہوں نے اپنی جانوں پر کوئی ظلم کیا ہو۔ اللہ کو یاد کریں اور
اپنے گناہوں پر معافی چاہیں۔ اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا۔ اور پھر اس گناہ پر
اڑے نہ رہیں۔ تو ان کے پاس ان لوگوں کے لیے بخشش ہے۔ اور ایسے باغات ہیں۔ جن کے نیچے
سے دریا بہتے ہیں۔ جن میں انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے۔ اور عمل کرنے والوں کو خوب ہی اجر ملتا ہے۔ خدا
کی مغفرت اور بخشش حاصل کرنے کے لیے۔ اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس سے عفو و کرم کی بھیک
لینے کے لیے۔ اس کے دربار کا رخ کرنا ہے۔ سدرہ پر ہم جا نہیں سکتے۔ عرش تک رسائی نہیں کہ
مکان کی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا۔ کہ تم جا نہیں سکتے۔ میں تو آ سکتا ہوں۔ رات کو
پچھلے پہر جب ایک عالم نیند میں ڈوبا ہوتا ہے۔ وہ پہلے آسمان پر متوجہ ہو کر کہتا ہے۔ ہے کوئی بخشش
مانگنے والا۔ میں اسے نواز دوں۔ ہے کوئی سوالی میں اس کی جھولیاں بھر دوں۔ لینے والے محو استراحت
ہوتے ہیں۔ اور دینے والا۔ آواز دیتا رہتا ہے۔ عموماً پیاسے چل کر پانی کے پاس پہنچتے ہیں۔ لیکن کبھی
پانی لطف و کرم پہ آ جائے۔ تو وہ خود پیاسوں کے پاس جا پہنچتا ہے۔ یہاں اس ازلی کریم کا کرم دو طرح سے

ہے ۔ ایک تو یہ کہ وہ منبائے عفو و کرم لے کر خود تشنگانِ مغفرت کی طرف متوجہ ہوا۔ انہیں بلا کر تکلیف
میں نہیں ڈالا۔ دوسرا یہ کہ بساطِ مغفرت نے بخشش کے جام رات کے سناٹوں میں پیش کیے۔
جب عروسِ شب اپنے سیاہ گیسو پھیلا دیتی ہے جب تاریکی اور سکوت ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں ہوتا
اور اس کی ذات کو رسوا نہیں کیا۔ تاکہ جب اس کے شیشۂ دل سے گناہوں کی سیاہی دھلنے لگے۔
تو رات کے اندھیروں میں یہ کسی کو نظر آ سکے۔ عابد و معبود کے درمیان جو ناز و نیاز ہو۔ اس
میں کوئی دخل انداز نہ آ سکے۔ اور بندہ کسی حائل و حاجب کے بغیر اپنے مولا کو پا سکے اسے راضی کر سکے
گناہگاروں کو بخشنے کیلئے رات کے پچھلے پہر آیا۔ اور گناہگار سوتے رہے۔ وہ ہر رات
آوازیں دیتا رہا۔ یہ کسی رات اٹھ نہ سکے۔ لیکن اس کی توجہ خالی نہیں گئی الذین یبیتون لربھم
کا لقب پانے والے یہ رکوع و سجود میں راتیں گزارنے والے۔ ہر رات کو اٹھتے ہیں۔ اور پچھلے پہر جب
آسمانِ دنیا پر رب کائنات آواز دیتا ہے۔ یہ اٹھ کر دریوزہ گری کرتے ہیں۔ مراد پا کر شاد کام
ہوتے ہیں۔ رحمت و مغفرت سے جھولیاں بھرتے ہیں یہ ہر رات اس طرح کرتے ہیں۔ ان کی کوئی رات خالی
نہیں جاتی۔ ان کی ہر رات نجات کی رات ہوتی ہے۔ قدسیوں کی اصطلاح میں شب برأت ہوتی ہے۔ اب
کائنات نے دیکھا کہ کاملین اور واصلین شب بیدار اولیاء اللہ میدان لے گئے ان عطاؤں اور نوازشوں
سے گنہگاروں نے کچھ نہیں لیا۔ وہ مغفرت کی صدائیں دیتا رہا۔ یہ پڑے سوتے رہے۔ ابرِ کرم برستا رہا
اور یہ محوِ خواب رہے۔ مگر تماشا یہ ہے۔ کہ یہ رات کے پچھلے پہر اٹھ نہیں سکتے۔ اور وہ ان پر کرم
کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ ان پر غفلت حاوی ہے۔ اس پر رحمت غالب ہے۔ یہی تو بہ غلبۂ رحمت اس کا
متقاضی ہوا کہ سال کی راتوں میں ایک رات ایسی بھی رکھی جائے جس میں پچھلے پہر کی قید نہ ہو۔

غروبِ آفتاب سے لے کر سپیدۂ سحر تک تمام شب رب کائنات آسمانِ دنیا سے بخشش لٹاتا
ہے تاکہ بندوں پر اس کے کرم کی حجت تمام ہو جائے۔ رحمت کی موج ہو جائے۔ اور یہ بتا دیا جائے کہ
اے تن آسان سہل کوش اور غافل بندو! اگر تم ہمارے لئے انتہائے شب میں نہیں اٹھ سکتے۔ تو نہ سہی
ہم تمہارے لئے ابتدائے شب میں آ جاتے ہیں۔ مگر تم ہماری مغفرت کی طرف آؤ تو سہی وسارعوا الی مغفرۃ
من ربکم۔ اے خوابِ غفلت میں پڑے رہنے والے گنہگارو تمہیں مبارک ہو۔ یہ تمہاری رات ہے نیکوکاروں
کے لئے تو ہر رات ہی شب برأت ہوتی ہے۔ مگر اے خطاکارو شعبان کی یہ پندرھویں شب تمہاری رات ہے
اٹھو اسے ضائع نہ کرو اس رات میں ہمیں بشارت ہے۔ دوڑو اے عاصیو! کہ آج سر شام سے مغفرت کی
ندا دی جا رہی ہے۔ منا لو اپنے رب کو کہ یہ موقع ہے۔ لوٹ لو۔ اس رات کی عطائیں۔ اور نوازشیں تمہاری ہیں
ساقی تمہارا ہے۔ مینا تمہارا ہے۔ بادہ و ساغر تمہارا ہے۔

(علامہ غلام رسول سعیدی)

شعبان کا مہینہ :- برادرانِ اسلام! شعبان کا مہینہ رمضان المبارک کے مہینے کے بعد سب سے مبارک اور
مقدس مہینہ ہے۔ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مہینہ فرمایا کرتے تھے۔ اور جس میں تواتر اور کثرت کے
ساتھ روزے رکھا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں بندوں کے اعمال حاکم حقیقی کے سامنے
پیش کیے جاتے ہیں بالخصوص اس کی پندرہویں شب تو برکتوں اور سعادتوں کی جلوہ گاہ ہوتی ہے۔
خدائے برتر و توانا صرف ایک ایسی رات کو سب سے پہلے آسمان پر جسے سماء الدنیا کہا جاتا ہے۔
نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ یہیں اس کے سامنے اس کے بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اور یہیں
سے وہ بندوں کو خطاب کرتا ہے کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کے گناہ بخش دوں
ہے کوئی روزی کا طلب کرنے والا کہ میں اسے روزی عطا کروں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے صحت
و آرام عطا کر دوں۔ وہاں بندہ نوازی کا عالم ملاحظہ فرمائیے کہ سپیدہ سحری نمودار ہونے تک اس
خطاب کا سلسلہ بدستور قائم رہتا ہے۔ اور یہ سب کچھ حقیقت ہے۔ بالفاظِ دیگر اسی رات
میں مغفرت و بندگی ملتی ہے۔ اور مصائب دور ہوتے ہیں۔ دنیوی و آخروی مرادیں ملتی ہیں۔ دریائے
رحمت جوش پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا سے زیادہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا کوئی نہیں۔ بالخصوص
جب وہ خود بلاتے اور نوازنے کا تہیہ کیے ہوئے ہو۔ اس کی پکار پر حاضر ہو۔ تو پھر اس دربار سے
کیونکر محروم لوٹ سکتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں۔ کہ بخشش ایزدی کے جوش کا یہ عالم ہوتا ہے کہ مشرک
اور کینہ ور کے علاوہ سب ہی اس رات میں بخش دیے جاتے ہیں۔ اس طرح جنہیں کہ لوگ بے ساختہ اُٹھتے ہیں اور
وہ وہاں بخش دیے جاتے ہیں۔ بخشش انہیں کی ہوتی ہے۔ ملتا انہیں کو ہے۔ جو مصروفِ عبادت ہوں۔ اور
بیدار ہوں۔ اور اس سے کچھ طلب کریں۔ اس کے سامنے گڑگڑائیں دست بدعا ہوں۔

شرک جلی سے تو مسلمان بچے ہوئے ہیں۔ لیکن کینہ وہ بلا ہے جو تمام مسلمانوں پر مسلط ہے
اس بے خوبی کے زمانہ میں خوش نصیب ہی ایسے مسلمان دیکھنے میں آئیں گے جن کے قلوب گندگی سے پاک
ہوں۔ کینہ کیا ہے۔ دوسروں کی طرف سے دل میں بغض و عناد پیدا ہو جانا اور ان کے بدخواہ رہنا
رہنا۔ غور کیجیے کہ جس سے آپ کو محبت ہو۔ اس کا کوئی برا چاہے۔ یا آپ کی اولاد کی طرف سے کوئی
عناد رکھے۔ اور اس کے نقصان رسانی کے درپے ہو۔ تو آپ اسے ہرگز اچھی نظر سے نہیں دیکھیں گے خدا
کو تو اپنے بندوں سے ماں باپ کی نسبت بھی ستر گناہ زیادہ محبت ہے۔ اور اس کے نزدیک
بندوں کی اچھائی کا معیار ہی یہ ہے۔ کہ وہ اس کے دوسرے بندوں سے کتنی محبت رکھتے ہیں۔ پھر یہ کب ایسے بندوں
کو محبت کی نظر سے دیکھے گا۔ اور جو اس کے بندوں کی طرف سے کینہ و عناد رکھتے ہوں۔ [illegible]
کینہ رکھنا شدید ترین گناہ ہے۔ اتنا شدید کہ کینہ ور کی مغفرت ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ مسلمانوں میں

کینہ عام ہے۔ جس سے ذرہ بھر نقصان پہنچا، کوئی کوتاہی ظہور میں آئی کوئی قصور دیکھا۔ اور کینہ بڑھ گیا اب مرتے دم تک اس کا نکلنا ممکن نہیں جب موقعہ ملے گا چوٹ ماریں گے۔ جب بس نہ چلے گا اس کی مخالفت کریں گے اس کی طرف سے دل صاف نہ ہوگا۔ اس کی بہتری کبھی نہ سوچی جا سکے گی۔ یہ صورتیں اور تو اور بھائی بہن باپ، بیٹے، بہن بھائی تک میں موجود ہیں۔ جہاں کوئی بات ہوئی سلسلہ ہوا اور قصور یاد آگیا۔ نفرت بڑھ گئی۔ طعنہ مار دیا۔ دل میں بیٹھی ہوئی نکلتی نہیں ہے۔

برادران ملت، کینہ کو ایک معمولی بات سمجھ لیا گیا ہے۔ جس قدر اسے بے حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ اتنا ہی گناہ سخت و خوفناک ہے۔ اتنا خوفناک کہ نہ اس کے مرتکبین کی مغفرت ہوتی ہے۔ اور نہ ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اگر خدا کا کچھ ڈر باقی ہے۔ تو ان گناہوں سے توبہ کر کے شب برات میں توبہ کرنی چاہیئے۔ اور خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ کینہ وہ انتہائی غلاظت ہے۔ جو دلوں کو گندہ کر دیتی ہے۔ جس طرح گندگی سے لتھڑے ہوئے لباس سے نماز نہیں ادا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کینہ والے قلب کی نہ دعا قبول ہوتی ہے۔ اور نہ نماز صحیح ہوتی ہے۔ نمازوں کی بے اثری کا سبب یہی ہے کہ ہماری نمازیں پاکی و صفائی کے ساتھ نہیں ہوتیں۔ ظاہری صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ مگر باطنی صفائی کی طرف کسی کی توجہ منتقل نہیں ہوتی۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ خدا کی نظر دل پر ہوتی ہے دل گندہ ہے تو نماز کیسی، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے صحیح فرمایا ہے۔ کہ شب قدر کے بعد شب برات تمام راتوں سے افضل و مبارک ہے۔ رب قدیر کی یہ بندہ نوازی ہے کہ اس نے ایسی راتیں رکھی ہیں کہ جن میں سے ایک ایک رات کی عبادت ایک طرف تو ہزار ہزار راتوں کی عبادت کے برابر ہے۔ اور دوسری طرف ان میں گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔ اور دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ سب برات کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ اور اس رات کو عبادت و نوافل میں گزاریں لیکن میں پھر یہی کہوں گا کہ جب تک مسلمان باطنی گندگیوں اور ثقافتوں سے اپنے دلوں کو صاف نہ کریں گے۔ ان کی عبادتوں کا قبول ہونا ناممکن ہے۔ یہ جو نمازیں بے اثر ہو گئی ہیں۔ اور بار معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے۔ کہ دل پاک نہیں رہے۔ حسد، کینہ، بغض، ریا، سنگدلی گندگیوں میں دل لتھڑے ہوئے ہیں۔ غذائیں بھی پاک نہیں رہیں۔ ورنہ نماز تو ایسی سرشار چیز ہے۔ جو انسان کو بے خود اور وارفتہ بنا دیتی ہے۔ ان کا بار معلوم ہونا بلا وجہ تو نہیں ہو سکتا۔ کون ہے جیسے معشوق مجازی کے گھر تو گھر کوچہ میں جانے کی آرزو و بیقرار نہ رکھتی ہو۔ پھر معشوق حقیقی کے سامنے جانے میں بے چینی کے کیا معنی ہیں اس کے سامنے جھکنا ہی گوارا ہی نہیں ہو سکتا۔ دل جتنا صاف ہوتا ہے۔ عبادت میں اتنی ہی لذت پیدا ہوتی ہے۔ اتنا ہی لطف آتا ہے۔ ہماری یہ حالتیں ہیں۔ کہ ہماری طبائع ہی عبادت کی بجائے شیلیفت

وخرافات کی طرف مائل رہتی ہے۔ شب برات جیسی متبرک رات آتش بازی چھوڑی جاتی ہے۔ آگ پھینکی جاتی ہے۔ شب برات میں خدا کے فضل وکرم کی بارش ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انعامات الٰہیہ سے فیض یاب ہونے کے طریقے ارشاد فرمائے ہیں۔ لیکن آج ہماری بدبختی ہے کہ خدا کے ان انعامات سے منہ موڑ کر جا رہے ہیں۔ خدا ہمیں نجات دنیوی واخروی کی طرف بلاتا ہے۔ اور ہم اس سے منہ موڑ کر شیطان کی پکار کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اور ایسے لہو ولعب اور افعال ذمیمہ میں مشغول ومنہمک ہیں۔ کہ جیسے یہی ہماری زندگی کا مقصد وحاصل ہے۔ نماز، روزہ، مناجات، تلاوت ودعا واستغفار خشیت واطاعت الٰہی کے ایسے مستحسن افعال واعمال جو اس رات کے لئے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ان کی بجائے ہم آتش بازی چھوڑتے ہیں۔ اس مبارک رات میں خدا تعالیٰ آسمان دنیا سے قریب ہوکر بندوں پر اپنی رحمت کے پھول برساتا ہے۔ اور ہم اس کے شکر گزار ہونے اور رحمت کے ان پھولوں سے اپنے دامن کو بھر لینے کی بجائے آتش بازی میں مشغول رہتے ہیں۔ آگ کے انگارے خدا کی طرف پھینک رہے ہیں۔ غور کرو ہماری بدبختی کی اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

مسلمانو! اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔ اور اس رات کو خدا کی رحمت جس طرح شمار بندوں کو تلاش کر کے اپنے دامن میں چھپا رہی ہے۔ خدا کے اس انعام کی قدر کرو۔ خلوص ومحبت کے ساتھ نمازیں پڑھو۔ خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہو۔ اور ہمیشہ اطاعت شعار رہنے کی خدا تعالیٰ سے توفیق طلب کرو۔ اس سال تو یہ رات تمہارے مقدر میں ہے۔ کیا خبر آئندہ سال اس رات کو پا سکو یا نہ۔ اس لئے ان لمحات کو غنیمت سمجھو۔ رحمت الٰہیہ کے دامن میں اپنی جگہ بنالو۔ کہ یہی اس دنیا میں اور اس کے بعد کی آنے والی زندگی میں کام آنے والی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم اس رات کی عظمت کو پہچانیں اور یہ رات اور پندرھویں تاریخ کا دن پورا خشوع وخضوع سے عبادت الٰہی اور اطاعت الٰہی میں بسر کریں۔ آمین بجاہ حبیبہ رحمۃ العالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

مبارک رات لے کر آج پیغام نجات آئی۔
نوید اے اہل مسلماں لو شب برات آئی۔

حافظ نذیر احمد نوری

نور الحبیب صفحہ نمبر ۹ جولائی ۱۹۷۹ء
شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

16.2.04

شبِ براءت: شعبان کا لفظ شعب سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی گھاٹی اور درّہ کے ہیں۔ گھاٹی اور
درہ پہاڑی راستے کو کاٹتا ہوا نکل جاتا ہے۔ شعبان کو شعبان بھی اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ اس ماہ میں رحمتِ باری
تعالیٰ دکھی اور مجبور انسانیت کے گناہوں، دکھوں اور مصیبتوں کے پہاڑوں کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اور خود کو
نوری پروردگار کا مستحق قرار دیتی ہوئی سزا اور رحمتِ الٰہی بنا دیتی ہے۔
شعبان المعظم اسلامی مہینوں میں آٹھواں مہینہ ہے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ کے
متعلق فرمایا۔ شعبان شہری و رمضان شہر اللہ۔ یعنی شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان المبارک اللہ تعالیٰ
کا مہینہ ہے۔ دیکھا جائے تو مہینے، سال اور صدیاں سب اسی کی ہیں۔ لیکن ایک محبوب ترین عبادت روزہ
کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلم امّہ کا انتخاب کیا۔ اور اس کے لئے ماہ رمضان المبارک منتخب فرمایا۔ جب کہ
رحمتِ عالمیان ص نے اس مخصوص و محبوب عبادت کو ادا کرنے کے لئے ماہ شعبان کو پسند فرمایا۔ ام المومنین حضرت
عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں۔ کہ جناب خاتم الانبیاء والمرسلین ص کا معمول یہ تھا۔ کَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ
کُلَّہٗ وَکَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِیْلًا (مشکوٰۃ شریف) یعنی حضور نبی کریم ص کبھی تو پورا مہینہ روزہ
رکھا کرتے تھے۔ اور کبھی شعبان کے کچھ روزے رکھتے تھے۔ گویا آپ نے نفلی روزے بکثرت رغبت کے ساتھ رکھنے کے
لئے ماہ شعبان المعظم کو پسند فرمایا۔ ایک اور حدیث میں اس کی وضاحت یوں ہوئی ہے۔ کہ کچھ لوگوں
نے اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ص آپ شعبان میں اس قدر روزے کیوں رکھتے
ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ شعبان سے شعبان تک مرنے والوں کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے میں پسند
کرتا ہوں۔ کہ جب میری اجل لکھی جا رہی ہو۔ میں نے اس وقت رضائے الٰہی کی خاطر روزہ رکھا ہوا ہو۔
دراصل یہ ایک نفسیاتی انداز تربیت ہے۔ کہ ایک طاہر و مطہر اور اطہر قائد اپنی امت اور پیروکاروں
کو درس دے رہا ہو۔ کہ اس ماہ شعبان میں تمہاری تقدیر لکھی جا رہی ہے۔ ذرا محتاط رہنا۔ سنبھل کر چلنا
اور کوشش کرنا۔ کہ جب تم اپنی اجل کی فائل پر دستخط کروا رہے ہو۔ تو روزہ دار ہونے کی کیفیت سے
لکھوا رہے ہو۔ کیونکہ تمام عبادتوں میں روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ریاکاری اور دکھاوا نہیں ہوتا۔
اس میں صرف للّٰہیت ہوتی ہے۔ تقدیر کی تحریر کے وقت تیرے حضور ایسی ہو جو ظاہر کرے۔ اے میرے مولا۔
میں صرف تیرا ہوں۔ اور تیرے لئے ہوں۔ اور تیری رضا ہی مجھے مطلوب ہے۔ تو ممکن ہے۔ کہ خدائے
ذوالکرم والاحسان تیری تقدیر کی ملفوظوں میں رحم فرما کر تیری موت نزع صالحین لوگوں جیسی کر دیتا
ہے کہ چوں مرگ آید تبسم برلب اوست (کہ جب موت آتی ہے تو تبسم و مسکراہٹ
ان کے لبوں پر کھیل رہی ہوتی ہے۔ یہی وہ سوچ اور فکر تھی۔ کہ ہمیں تلقین میں مرقوم ہے۔ کہ
معلمِ علم و معرفت حضرت محمد مصطفیٰ ص رمضان کے علاوہ سوائے شعبان کے کسی اور مہینے میں ایسا

کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ شعبان المعظم سارے کا سارا مہینہ ہی معظم و متبرک اور عظمت والا ہے لیکن
اس مہینے میں ایک رات خصوصاً ایسی بھی آتی ہے۔ جو بہت ہی قدر و منزلت رکھتی ہے۔ اسے لیلۃ القدر یا
شب براءت کہا جاتا ہے۔ اور وہ رات شعبان المعظم کی چودہ اور پندرہ تاریخ کی درمیانی رات ہے
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین۔ ۴۴/۳تا۶ ہم
نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے۔ کیونکہ ہم بندوں کو خبردار کر دینے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکمت
والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔ ہم ہی آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والے ہیں۔ بسبب
رسالت کے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ بیشک وہ بڑا سننے والا بڑا ہی جاننے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں صاحب تفسیر ماجدی رقمطراز ہیں۔ جان جب جسم کے پردہ میں آنے
لگتی ہے۔ بے صورتی جب صورت پکڑنے لگتی ہے۔ اطلاق جب تعین قبول کرنے لگتا ہے۔ تو لازمی ہے کہ وہ
اپنے لئے بھی وہ تمام قیود و حدود اختیار کرے۔ جو جسم صورت اور تعین مادی کے لئے ضروری ہے۔ عالم جسم
و کائنات مادہ میں داخلہ کے دو بڑے دروازے زمان و مکان ہیں۔ لطیف سے لطیف نورانیت بھی جب
سطح زمین پر داخل ہوگی تو انہی دروازوں میں ہو کر داخل ہوگی۔ برکت و رحمت جیسی لطافتیں بھی (جو
بار الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں) کرۂ خاک کو جب اور جہاں بھی سرفراز کریں گی۔
وقت اور جگہ زمان و مکان کی قید اور پابندی کے ساتھ ہی کریں گی۔ قدرت نے وقت کی تقسیم
جو مختلف حصوں میں رکھی ہے۔ بے معنی نہیں۔ ہر موسم، ہر گھڑی، ہر فصل اپنے اپنے اعتبارات
دوسروں سے الگ رکھتی ہے۔ صرف اپنی بیرونی اور ظاہری تاثرات ہی کی حیثیت نہیں۔ بلکہ اندرونی
روحانی کیفیتوں، مصلحتوں اور مناسبتوں کے لحاظ سے بھی مہینے سال میں بارہ ہوتے ہیں۔
لیکن حج صرف ایک ہی مہینے میں ادا ہو سکتا ہے۔ دن ہفتہ میں سات ہوتے ہیں۔ لیکن جمعہ صرف
صرف ایک روز ہی ہوتا ہے۔ گھنٹے دن میں چوبیس ہوتے ہیں۔ لیکن نماز ہر وقت ادا نہیں کی جا
سکتی۔ وقت کا کوئی ٹکڑا جب آتا ہے۔ تو اپنے ساتھ اپنے ساری مناسبتوں کو بھی ساتھ
لے کر آتا ہے۔ اپنی ساری کیفیتوں کو پھیلا دینا چاہتا ہے۔ رات کا سناٹا جب چھانے لگتا ہے۔
تو چرند پرند اور انسان اپنے اپنے کاموں کو روک کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ آفتاب کی کرن
جب سر پر چمکنے لگتی ہیں۔ تو حیوان و انسان سب کو اپنے اپنے کام یاد آنے لگتے ہیں۔ برسات
میں جب آب زندگی آسمان سے اترنے لگتا ہے۔ تو زمین کی ساری سوئی ہوئی زندگیاں نئے سرے
سے بیدار ہو جاتی ہیں۔ بہار کا موسم آتا ہے۔ تو شگوفوں کے کھلنے اور گلوں کے پھوٹنے کے ساتھ

ہیں انسانی دلوں کی کلیاں بھی کھلنے لگتی ہیں۔ اور طرح طرح کی امنگیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اسی قسم
کی مناسبتوں کو روحانیت کی بولی میں دنوں کی فضیلتیں اور کرامتیں اور راتوں کی بزرگیاں اور
برکتیں کہتے ہیں۔

پھر یہ بھی فطرت کا ایک اصول ہے۔ کہ جو واقعہ روحانیت کے عالم میں جس درجہ کا
پیش آتا ہے۔ اس کی اہمیت کی مناسبت سے اس کی یادگار بھی اسی زمانہ کو قرار دیا
جاتا ہے۔ اللہ کے خلیل نے ایک خاص موسم میں اپنے لخت جگر کو قربانی کے لئے پیش کیا۔ عین
اسی زمانہ کو ذی الحجہ حج و قربانی کے واسطے سارے فرمانبردار بندوں کے لئے مخصوص کر دیا۔ عاشورہ
محرم میں روایات کے مطابق متعدد انبیاء کرام کو اہم معاملات و واقعات پیش آئے۔
سنہ ۶۱ھ اسی واسطے سے اللہ تعالیٰ حضرت امام حسین رضہ کا واقعہ بھی اسی عشرہ محرم
میں مخصوص کر دیا۔ اسی لئے اس روزہ کی فضیلتیں بیان کر دی گئیں۔ پیر کے دن کو
رحمت عالم کا پیام عام سنانے والا آیا۔ اس یوم مبارک کی یاد دل سے کون کر
مٹ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہر نعمت بڑی ہی نعمت ہے۔ لیکن اگلی ساری
بڑی نعمتوں میں اگر کوئی نعمت سب سے بڑی قرار دی جا سکتی ہے۔ تو یہ ہے کہ
اس نے ہر تاریکی کو روشن کرنے ہر کجی کو درست کرنے ہر پستی کو بلند کرنے ہر
مرض کو شفا دینے ہر دکھ کو مٹانے کے لئے ہر موسم اور ہر زمانہ ہر خطہ اور ہر ملک
ہر قوم اور ہر امت ہر فرد اور ہر جماعت ہر مرد اور ہر عورت اور ہر بوڑھے اور ہر جوان
کے ہاتھ میں ایک کامل و مکمل ہدایت نامہ، ایک جامع و مفصل دستور العمل دے دیا ہے۔
جس کے بعد کسی انسان کو علم و فن، کسی حکمت و صنعت کسی استاد و مرشد کسی
مدرسہ و مکتب کی قطعاً کوئی حاجت باقی نہیں رہ جاتی۔ جس گھڑی آفتاب
ہدایت طلوع ہوا ہے۔ وہ وقت رات کا تھا۔ کیا اس مبارک رات کی بزرگیوں
اور سعادتوں کا کوئی انسانی دماغ احاطہ کر سکتا ہے۔ جب شب مبارک کو خود خالق
لیل و نہار شب مبارک ارشاد فرمائے۔ کسی بشر کے قلم میں یہ قوت ہے۔ کہ اس
کی کرامتوں اور فضیلتوں کی شرح کر سکے۔ کوئی لفظ کوئی عبارت کوئی عنوان
تحریر ایسی ممکن ہے۔ جو اس پاک رات کی پاکیزگیوں اور ستھرائیوں رحمتوں
اور برکتوں نعمتوں اور دولتوں کی تفسیر کے لئے کافی ہو سکے۔ پھول بہار ہی میں کھلتے
ہیں۔ اور کلیاں بہار ہی میں پھوٹتے ہیں۔ گلستان دہر اور چمن حیات کے اس سب سے

سے زیادہ خوشنما رنگ، شاداب اور دلکش پھول کے لئے کیوں کر ممکن تھا۔ کہ بجز موسم گل
اور فصل بہار کے کسی اور وقت کھلتا۔ چنانچہ خود صدق مطلق کی لسانِ حق کا بیان
ہے۔ کہ عین اسی موسم میں جو ازل سے نعمتوں اور برکتوں کی بارش کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔
گلشنِ کائنات کے اس سدا بہار پھول نے اپنی عطر بیزیوں سے اہل ذوق کے مشام
جان کو معطر کیا۔ اسی ماہ مبارک کی ایک شب تھی جب اس شاہد رعنا نے اپنے
چہرے سے نقاب اٹھایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ہم نے اسے ایک شب میں اتارا ہے۔
(تفسیر ماجدی) ص ۹۹۱/۲

اس شب سے کیا مراد ہے۔ لیلۃ القدر ماہ رمضان المبارک کی آخری طاق راتوں
میں کوئی ایک رات یا ماہ شعبان المعظم کی پندرہویں رات۔ (واللہ و رسولہ اعلم)
البتہ شعبان کی پندرہ تاریخ کے حوالے سے صاحب تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔
کہ اللہ تعالیٰ اس رات تمام بندوں کے رزق کا دفتر حضرت میکائیل علیہ السلام کے سپرد کر
دیتا ہے۔ اعمال و افعال کا رجسٹر آسمان اول کے نگران فرشتے کے حوالے کر دیتا ہے
اور اسی طرح مصائب و آلام کا رجسٹر حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا
جاتا ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک لیلۃ القدر سے مراد شب برأت ہے۔ اور لیلۃ القدر
سے مراد رمضان کے آخری عشرہ کی کوئی طاق رات ہے۔ اس کی تخصیص کی ایک
وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے۔ کہ لیلۃ القدر آخری طاق پانچ راتوں میں جدوجہد کرنی پڑتی ہے
کسی کو نصیب ہوئی یا کسی کو نہ ہوئی۔ جسے نصیب ہوئی وہ اس کی رحمتوں سے
لطف اندوز ہو سکا یا نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے جو حریص بہانہ ڈھونڈتی ہے
ایک رات بخشش و رحمت کی خصوصاً مخصوص کر دی اور مخبر صادق حضور نبی کریم ص
کی زبان حق ترجمان سے شب برأت کی اہمیت واضح کر دی تاکہ عام غافل لوگ
بھی اس مخصوص و معلوم رات کی فضیلتوں اور برکتوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔
اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں۔ کہ حضور
نبی کریم ص کے قیام کی باری ایک رات میرے ہاں تھی۔ حضور میرے گھر میں قیام فرما ہوئے۔
ابھی آرام کے لئے لیٹے ہی تھے۔ کہ فوراً بستر سے اٹھے۔ اور باہر تشریف لے گئے۔
میں بھی دبے پاؤں پیچھے پیچھے چل دی۔ میرا خیال تھا۔ کہ ماریہ قبطیہ کے گھر آرام فرما

ہو گئے۔ لیکن حضور تو باہر جنت البقیع کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں آپ آسمان کی طرف منہ اور ہاتھ اٹھا کر اہل قبور کی مغفرت کے لئے دعا فرما رہے تھے۔ پھر آپ سجدے میں گر گئے اور سجدہ اتنی طوالت اختیار کر گیا۔ کہ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید جان کائنات ﷺ کی روح جسم مقدس سے پرواز کر گئی ہے۔ میں نے حضور ﷺ کے انگوٹھے کو ہلایا۔ تو آپ نے اپنے سر مبارک کو جنبش دی۔ سجدے سے فراغت کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئے۔ عائشہ تمہارا گمان تھا۔ کہ اللہ کا نبی تم سے زیادتی کرے گا۔ نہیں ہرگز نہیں یہ رات پندرہ شعبان کی رات ہے۔ اس رات اللہ تعالیٰ آسمان اول پر نزول فرماتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرماتا ہے۔

زیارتِ قبور اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ شب برات میں زیارت قبور کے لئے جانا اور اہل قبور کے لئے قبرستان جا کر مغفرت کی دعا کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ سلطان الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں رات کو حضرت جبرئیل امین میرے پاس آئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنا سر اقدس آسمان کی طرف اٹھائیں۔ میں نے پوچھا یہ کیسی رات ہے۔ تو جبرئیل نے کہا۔ یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ تین سو رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور ہر اس شخص کو بخش دیتا ہے، جو شرک نہ کرتا ہو سوائے جادوگر کے ہمیشہ شراب میں دھت رہنے والا اور سود خوری پر اصرار کرنے والا تا وقتیکہ توبہ نہ کر لیں۔

گویا اس رات دریائے رحمت پورے جوش پر ہوتا ہے۔ لیکن وہ بدنصیب لوگ جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم بخشش اور فضیلت والی رات کی برکتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر رحمت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور اگر توبہ استغفار کے ساتھ ندامت کے آنسو بہا کر اپنے ان گناہوں کی میل دھو لیں تو وہ بھی سزاوار رحمت پروردگار ہو سکتے ہیں۔

نزہۃ المجالس صہ ۲۹۲ میں ایک روایت یوں ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰ ایک دن پہاڑ سے گزر رہے۔ سفید پتھر کا نظر آیا۔ بزرگ کا نمودار ہونا۔ انگور کی بیل۔ چار سو سال عبادت کرنا۔ دو رکعت نماز پڑھنا ...

ان جملہ روایات صادقہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ یہ رات شفاعت کی رات ہے۔
اس رات کو بخشش کی رات اور آزادی کی رات بھی کہا جا سکتا ہے۔ شفاعت اس
لئے کہ اس رات کو حضور نبی کریم ؐ نے امت کے لئے بخشش کی دعائیں طلب فرمائیں۔ بخشش
اور آزادی کی رات اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی
گنتی سے زیادہ لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد فرما کر جنت کی نوید سناتے ہیں۔
اس لئے یہ رات بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔

۳ بدقسمت قوم | میں سمجھتا ہوں کہ آج کے اس دور میں بسنے والے مسلمان دنیا کی
سب سے زیادہ بدقسمت قوم ہے۔ اس لئے کہ خدائے بزرگ و برتر
نے جس قوم کے لئے اپنی رحمت کے تین سو دروازے کھول دیے ہوں۔ وہ آسمان دنیا پر نزول
فرماتا ہو۔ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرماتا ہو
وہ قوم یا تو اس رات خواب خرگوش کے مزے لیتی پھرے۔ یا پھر جس انداز سے منائے
وہ صرف مضحکہ خیز ہی نہ ہو۔ بلکہ خدائے بزرگ و برتر کے قہر و جلال کو دعوت
دینے کے مترادف ہو۔ ذرا سوچئے ہم اس رات کو کس انداز سے مناتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے ہم نے اس رات کے نام ہی سے انصاف نہیں کیا۔ لیلۃ المبارکہ کو
فارسی میں شب برأت یعنی نجات کی رات کا نام دیا گیا۔ جیسے کہ ہم نے اس
کا نام بالکل ہی بدل ڈالا۔ اور شبرات لکھ دیا۔ جو بذات خود ہی بے معنی ہے
شب کے معنی بھی رات رات ہی کو کہتے ہیں۔ اب اس سے کوئی کیا معنی نکالے۔ جس رات
کا نام ہی نے بے معنی کر دیا ہو۔ اس کو معنویت کے ساتھ کیسے منایا جا سکتا ہے۔

(۲) یہ رات رحمت الٰہی لوٹنے کی رات ہے۔ دیدار خداوندی اور جلوہ ذات کی رات
تھی۔ جسے ہم نے جلوہ سے حلوہ کی رات بنا دیا۔ اور حلوہ کھانے اور ایک مدرسہ کے گھر بھیج
کر ثواب کمانے تک کو کافی سمجھ لیا۔ اب جو قوم جلوہ ذات الٰہی حاصل کرنے والی رات
صرف حلوہ تک محدود کر لے۔ اس کی بدقسمتی دیکھا چاہیے۔ علامہ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب
فرمایا ہے۔ ہے از سر گو بعض دستور ہو ہیں — ہمیں یاد آبا ہے اشر قوم ہیں
خدا اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے — نہ بھولا جو تجھ کو نہ بھولا اسے کوئی

(۳) اس رات اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی شان کے مطابق آسمان اول پر نزول فرماتی
ہے۔ اس کی رحمت پکار پکار کر کہتی ہے۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا تو آ کہ دوں۔ بیمار شفا

مانگنے والا ہو تو آگے ۔ ہے وقت طلب اپنی نصیب دعا کرنے بلند آواز ہ
رحمت حق وا کیا کب سے ہے دروازہ

لیکن قوم شب بھر زمین سے آتش بازی کے شعلے آسمان کی طرف پھینکتی ہے اور اس آتش بازی کو خصوصاً اسی شب برأت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جیسے یہ رات خود خدا نے یا اس کے رسول ؐ نے آتش بازی کے لئے مخصوص کر دی ہو۔ یہ عبادت و ریاضت رہتی ہے۔ تو رہ جائے اے مسلم امہ آتش بازی نہ رہ جائے۔ جس قوم نے مخصوص طور پر شب برأت کے ساتھ اس اسراف کو قبول کر لیا ہو۔ اس سے بڑھ کر اور بدنصیب قوم کونسی ہو سکتی ہے۔

(۴) فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف۔

اگر محدود چند لوگ مساجد کا رخ کرتے بھی ہیں۔ تو الا ماشاء اللہ ان میں بھی کچھ ریا کاری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور ریا کاری بذات خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ لیکن اگر دل کی صحیح راہنمائی ہو جائے تو یہ افراد جلد درست سمت کو چل سکتے ہیں۔ علماء و خطباء مساجد سے درخواست ہے کہ وہ مساجد میں اس شب بیداری کی تقریبات میں ریاکاری کی حرمت میں بھی ہماری راہنمائی فرمائیں۔ خدائے بزرگ و برتر بصدقہ مصطفیٰ ؐ ہماری مسلم امہ کا نگہبان رہے۔ آمین۔

ماہنامہ نور الحبیب جلد ۵ فروری ۱۹۹۳ء
شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ شمارہ ۲

25.4.04

نجات کی رات

(پروفیسر خلیل احمد نوری)

شب برات رحمت الٰہی کا نزول اور عفو و درگزر کی رات عاصیوں کے لئے نوید مسرت
تائبین کے لئے جائے پناہ عابدوں اور زاہدوں کے لئے اطمینان بخش لمحے اور وہ لمحے
جب شوریدہ بختی کو فیروز بختی میں بدلا جا سکتا ہے۔ شقاوت کے بدلے سعادت کو
خریدا جا سکتا ہے۔ غربت کے دائرے سے نکل کر امارت حاصل کی جا سکتی ہے
اور محرومی کو عطا میں بدلا جا سکتا ہے۔ یہ وہ ساعتیں ہیں جب طلب کے لئے
اٹھا ہوا کوئی ہاتھ بھی جھٹکا نہیں جاتا۔ دامنِ مراد کو خالی نہیں لوٹایا جاتا اور
تھرتھراتے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ بے پایاں قدر و قیمت پاتے ہیں۔

یہ رات رب العالمین تک بندے کی رسائی کی رات ہے۔ خالق کے ساتھ تعلق
مضبوط کرنے، راہِ معصیت سے پلٹ آنے اپنی حقیقت سے آشنا ہونے اعترافِ
خطا کرنے اور اظہارِ ندامت سے اپنے محبود و مسجود کو منا لینے کی رات ہے۔

اللہ رحمٰن و رحیم تو ہر آن بندوں پر رحمتوں کا نزول فرماتا ہے اور کوئی لمحہ اس کی
عنایات کے بغیر بسر نہیں کر سکتا۔ ہم مگر اپنی سرکشی نافرمانی اور اطاعت
نفس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں معتوب و مقہور ٹھہرتے ہیں۔ اس کی دی ہوئی
ذہنی فکری اور جسمانی قوتوں کو اس کے حکم کے برعکس استعمال کر کے مستحق
عذاب بنتے ہیں ہم نافرمانی سے باز رہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب ہوں دے گا
قرآن حکیم نے بیان کیا ہے

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ یعنی اگر تم اللہ
کی نعمتوں کے شکر گزار بن کر مومنانہ زندگی بسر کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت
ہے کہ وہ تمہیں خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کرے۔ وہ خالق کائنات ہے۔ اور
اپنے دستِ کرم سے پیدا کردہ مخلوق کو تکلیف پہنچانا اس کو منظور نہیں، ہرگز
نہیں۔ والدین اپنے بچے کو سزا دے کر خوش نہیں ہوتے۔ استاد اپنے شاگردوں
کو بلاوجہ تکلیف پہنچانا گوارہ نہیں کرتا۔ اور مربی اپنے زیر تربیت افراد کو مشکل
میں گرفتار نہیں دیکھ سکتا۔ پھر وہ کیونکر ممکن ہے کہ غفار الذنوب اپنی
مخلوق کو بے سبب نارِ جہنم میں ڈال دے۔ جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا
ارشاد نبوت و رسالت ہے۔ ان اللہ تعالیٰ [illegible]

اللہ تعالیٰ کے ہاں سو رحمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک کو اس نے جنوں انسانوں اور جانوروں میں بانٹ رکھا ہے۔ جس سے وہ آپس میں رحمدلی اور الفت محبت کا برتاؤ کرتے ہیں اور بقیہ ننانوے اس نے اپنے لئے رکھی ہیں۔ جن سے قیامت کے روز اپنے بندوں پر مہربانی فرمائے گا۔ رحمت کے سوویں حصے کی بدولت مخلوق کی آپس میں محبت کے وہ مظاہر ہیں۔ جو ہم جا بجا دیکھتے ہیں۔ جبکہ مخلوق کا آپس میں تعلق عارضی اور ناقص ہے۔ تو پھر رحمٰن ورحیم کی بندوں پر مہربانی کا کیا حال ہوگا۔ حضور ﷺ نے ایک موقع پر اسی نسبت رحمت کو بیان فرمایا ہے۔

صحیحین میں ہے۔ کہ ایک بار سید عالم کی خدمت میں قیدی اور عورت کا بچہ۔ صحابہ سے استفسار —— آگ کو جلانا۔ بچے کو پھینکنا

نیکی اور گناہ کو سزا اور جزا پر تول کریں تو یہ بات بالکل حقیقت پر مبنی دکھائی دیتی ہے کہ رحمت حق بہانے کی جو یہ۔ یعنی اللہ کی رحمت بندوں کو اپنے جلوے میں لینے اور عفو ودرگزر کرنے کا بہانہ تلاش کرتی ہے نہ کہ قیمت

متفق دیکھیے۔ حضرت ابن عباس رضی کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تمہارا رب بڑا مہربان ہے۔ آدمی نیکی کا ارادہ کرے پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس کی نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور جب عمل کرے تو اس کے لئے دس سے لے کر سات سو گنا تک لکھی جاتی ہے۔ اور اگر آدمی برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کی نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور عمل کرے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے

نیکی اور برائی کے معاملے میں آخر یکساں ترازو کیوں نہیں۔ محض اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو نار جہنم سے بچانا چاہتا ہے۔ تو اپنی بخشش کا عام اعلان فرماتا ہے۔ گناہوں سے تنگ ہوؤں اور قنوط و مایوسی کے غار میں گرنے والوں کو بار بار اپنے عفو ودرگزر کی نوید دیتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم —— قل للذین امنوا ان ینتھوا یغفر لہم ما قد سلف ۔ اے محبوب ﷺ آپ اہل ایمان کو بتادیں کہ اگر وہ گناہوں سے رک جائیں تو ان کے سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ وہ اپنے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے یقین دلاتا ہے نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم۔ میرے بندوں کو بتا دیں کہ میں گناہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ رب تعالیٰ نے تو اپنے غصے کو بھی [illegible] رکھا ہے۔ بندوں کی

مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں۔ والملئکۃ یسبحون بحمد
ربھم ویستغفرون لمن فی الارض۔ یعنی فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں
اور زمین والوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔ اس وسعت رحمت کے باوجود اللہ تعالیٰ
کے عذاب محشر کا ڈر اس کے معزز حاملین اور احساس جواب دہی کے شعور سے
اللہ کے بندے لرزاں و ترساں دکھائی دیتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ
جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے
ان کے سینے سے ہنڈیا کے ابلنے کی سی آواز آتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی
سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بادل یا آندھی دیکھتے تو آپ کے چہرے سے خوف
ظاہر ہوتا لگتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق اپنی زبان کو
پکڑ کر کہتے۔ یہ ہے جس نے مجھے ہلاکتوں میں ڈال دیا۔ اور کہتے کاش میں ایک
درخت ہوتا جو کاٹا جاتا پھر جلا دیا جاتا۔ حضرت عمر فاروق رض آیات قرآنی سننے کے بعد
بیمار ہو جاتے۔ لوگ کئی روز تک ان کی عیادت کو آتے۔ ایک دن آپ نے ایک تنکا اٹھایا
اور کہا۔ کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ اے کاش میں کوئی چیز قابل تذکرہ نہ ہوتا۔ اے کاش
میری ماں مجھے نہ جنتی۔ حضرت عثمان غنی نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ بعد از مرگ دوبارہ
نہ اٹھایا جاؤں۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا۔ کاش میں ایک مینڈھا ہوتا۔
گھر والے مجھے ذبح کرتے اور گوشت کھا لیتے اور شوربا پی لیتے۔ حضرت عمران بن حصین
نے کہا۔ اے کاش میں راکھ ہوتا۔ جسے ہوائیں اڑا کر لے جاتیں۔ حضرت عائشہ نے کہا
کاش میں بھولی بسری ہوئی چیز ہوتی۔ حضرت علی نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے
صحابہ کو دیکھا ہے۔ وہ پریشان، بال غبار آلود صبح کرتے۔ ان کی حالت ایسی ہوتی
جیسے لگا ہوا تھا خلد۔ ان کی آنکھوں کے درمیان ایسے نشانات پڑے ہوتے جیسے بکری
کے گھٹنوں پر۔ وہ رات اللہ کے لئے سجدہ اور قیام میں گزارتے۔ اللہ کی کتاب پڑھتے
کبھی کھڑے ہوتے کبھی سجدہ کرتے۔ پھر صبح ہوتی اور اللہ کا تذکرہ ہوتا تو اس طرح کانپتے
جیسے آندھی میں درخت اور ان کی آنکھیں بہتیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے بھیگ
جاتے۔ حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ نے کہا۔ میں ہر روز آئینہ اس لئے دیکھتا ہوں
کہ کہیں میرا چہرہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔ جب انبیاء کرام صحابہ کرام اور اولیاء عظام
اور عبادت گزاروں کی خشیت کا یہ حال ہے تو ہمیں ان سے بدرجہا زیادہ ڈرنا

چاہیے۔ کہ ہمارے گناہ زیادہ ہیں۔ اور نیکیاں کم۔ اصل میں ہم بڑے بڑے گناہوں کو بھی معمولی
تصور کرتے ہیں اور اصفیاء و عرفاء معمولی گناہ کو بھی بڑا خیال کرتے ہیں۔ صحیحین
میں حضرت ابن مسعود رضہ سے مروی ہے۔ کہ مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے۔
جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے۔ اور اسے خطرہ ہے کہ اس پر گر پڑے گا اور فاجر
آدمی گناہوں کو یوں سمجھتا ہے جیسے مکھی ناک پر بیٹھی اور ہاتھ سے اڑا دیا
حالانکہ ہونا یوں چاہیے۔ بقول حضرت بلال بن سعد رضہ گناہ کا چھوٹا ہونا نہ دیکھو
بلکہ جس کی نافرمانی کر رہے ہو اس کی عظمت کو دیکھو۔ جبکہ ہم جو پہاڑوں جیسے گناہوں
کا بار اٹھائے پھرتے ہیں۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کے جلال اور غضب سے زیادہ خائف
رہنا چاہیے۔ اور اپنے پروردگار کے حضور گڑگڑا کر معافی اور بخشش کا طلبگار رہنا
چاہیے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت (گناہوں سے پاک ہونا۔) اسلام کا
مسلم مسئلہ ہے) لیکن اس کے باوجود امام الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ۔ بیشک میں ہر روز ستر
مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے۔ کہ ہم کس کے حضور میں
بخشش کے سوالی بن کر کھڑے ہیں۔ اپنے خالق و مالک کے حضور اللہ تعالیٰ
سے کچھ مانگنے اور کسی دنیا دار سے طلب کرنے میں جو فرق ہے اس میں زمین و آسمان
کی نسبت ہے۔ اہل دنیا سے بار بار مانگو تو وہ ناراض ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ
سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ نبی اکرم ؐ نے فرمایا من لم یسئال اللہ یغضب
علیہ۔ یعنی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر غضب
آتا ہے۔ جب بندہ اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے توبہ کرتا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کے حضور عفو درگزر کا طالب بن کر سوال کرتا ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ
کس قدر خوش ہوتا ہے۔ اس کی تفہیم کے لئے نبی اکرم ؐ نے ایک تمثیل بیان فرمائی ہے
آپ نے فرمایا۔ کسی اعرابی کا جنگل میں اپنی سواری کو ڈھونڈنا ——

—— یہ معاملہ تو عام حالات میں ہے لیکن شب برات اخاص
مواقع میں سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت بے انداز برستی ہے۔ جب اس کی مغفرت
خود بندوں کو تلاش کرتی ہوں ان کے گھروں پر دستک دیتی ہے۔ جب وہ ملیک الملک
آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر سائلوں کو اپنے قرب سے نوازتا ہے۔ اور جب

پچھلی رات اٹھ کر حق کے حضور حاضر ہونے کی شرط نہیں لگائی جاتی بلکہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی رحمت کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا شب برأت حقیقت میں تائبین کی رات ہے۔ اپنے دامن سے گناہوں کی سیاہی دھو ڈالنے کی رات ہے۔ آنسوؤں سے اپنے من کو اجلا کرنے اور نفس و شیطان کے پھندے سے آزادی کی رات ہے۔ سمندر کی وسعت کے برابر ہم گناہ لے کر جائیں یا پہاڑوں کے ذروں کے برابر۔ اگر ہم نے اخلاص سے رحمت الٰہی کا دامن تھام لیا۔ رحمٰن و رحیم کے دروازے پر دستک دی۔ تو ہم نے گوہر مراد پا لیا۔ اور جو خواب غفلت میں پڑا رہا۔ اس کا مقدر سو گیا جو اس رات بھی تہی دست رہا وہ بہت بڑے خسارے میں رہا۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یا سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

ماہنامہ نور الحبیب جلد ۵ فروری ۱۹۹۳ء
شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ شمارہ ۲

دستخط
25-4-04

شب برأت

مولانا خلیل احمد قادری صاحب

حم والکتاب المبین انا انزلنہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم

قسم ہے اس روشن کتاب کی بے شک ہم نے اس کو برکت والی رات میں اتارا۔ بلاشبہ ہم ڈرانے والے ہیں۔ ہمارے حکم سے ہر حکمت والا کام تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ ہم بھیجنے والے ہیں۔ رسولوں کو۔ مفسرین کرام کا ارشاد ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے مراد یا شب قدر ہے یا شب برأت اس شب میں فرق صرف یہ ہے کہ پندرہ شعبان المعظم کی رات کو قرآن پاک بتمامہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے جبریل امین نازل ہوتے اور لیلۃ القدر میں قرآن کریم کا نزول نبی اکرم تاجدار عرب و عجم پر وحی کے ذریعے نازل ہوا۔ اس شب میں خیر و برکت نازل ہوتی رہتی ہے اسی لئے اس شب کو شب مبارکہ فرمایا گیا۔ اس مبارک رات میں انسانی تقدیروں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ رحمت الٰہیہ انوار و عرفان کی بارش ہوتی ہے۔ اس رات میں گنہگار امت کو مغفرت کی بشارت اور بخششوں کے پروانے ملتے ہیں۔ اس لئے اس برکت والی رات کو شب برأت کہتے ہیں۔

شب برأت میں چند ایسی خصوصیتیں ہیں جو اسے دوسری راتوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہ گناہوں
کی معافی اور انعام ربانی کی رات ہے۔ اس رات میں سال آئندہ کے ہونے والے تمام امور کا
فیصلہ ہو جاتا ہے۔ بہر صورت۔ خوشی کی قحط سالی خیر و شر خوشی غمی حوادثات زمانہ مصائب
و آلام موت و زندگی غرض کہ تمام احکامات (ید برات الامر) تمام عالم کے تدبیر کرنے والے
فرشتے کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ جس پر سال آئندہ میں عمل ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ مہرانہ تمام
عالم کے سالانہ بجٹ کی رات ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے۔ فیها یفرق کل امر حکیم۔ ہر حکمت
والا کام ہمارے حکم سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

احادیث نبویہ سے بھی اس رات کی عظمت عیاں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی فضیلت
میں کثرت سے احادیث وارد ہیں۔

(۱) علامہ بیہقی دعوات کبیر میں روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین
عائشہ صدیقہ رضی سے فرمایا۔ کہ میرے پاس جبریل امین آئے اور عرض کی کہ آج شعبان کی پندرھویں
رات ہے۔ اس رات میں اس سال کا ہر مرنے والا اور پیدا ہونے والا لکھ دیا جاتا ہے۔ اس
رات میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو جہنم سے اس قدر آزاد فرماتا ہے۔ جتنے بنی کلب کی بکریوں کے
جسم کے بال بنی کلب کی بکریوں کے ساتھ تشبیہ میں یہ راز ہے کہ قبیلہ بنی کلب کے پاس
بکریاں بہت ہوتی تھیں اور بکریوں کی کثرت تعداد سے بالوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔
مگر کافر اللہ مشرک اور مسلمان سے عداوت رکھنے والے اور تکبر کرنے والے اور شراب کا
دائمی عادت رکھنے والے کی طرف نظر نہیں فرماتا۔

(۲) حضرت اسامہ رضی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی محترم سے عرض کی کہ آپ کو ماہ شعبان
سے زیادہ کسی مہینے میں میں نے روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ تو سرکار ابد قرار ؐ نے فرمایا کہ
یہ مہینہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے۔ لوگ اس سے غافل ہیں۔ اس ماہ مبارک میں
اعمال جناب باری علی اسمہ کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل
روزہ کی حالت میں پیش ہو۔

(۳) حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے۔ کہ سرور کونین
صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب شعبان کی پندرھویں شب آ جائے۔ تو اس میں
قیام کرو۔ اور دن میں روزہ رکھو۔ کیونکہ اس برکت والی رات میں۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی آسمان
دنیا کی طرف غروب آفتاب سے طلوع فجر تک نزول اجلال فرماتا ہے۔ اور اعلان فرماتا ہے

کہ کوئی ہے طالب مغفرت کہ اس کو بخشش دوں۔ کوئی ہے طالب رزق کہ اسے
روزی دوں۔ کوئی ہے ابتلائے رنج و غم کہ اسے عافیت و راحت بخشوں۔ کیا
کوئی ہے ایسا۔ یہ ندائیں مسلسل جاری رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتا۔
سبحان اللہ۔ غروب آفتاب سے طلوع سحر تک رحمتوں اور برکتوں کا مسلسل نزول
ہو رہا ہے۔ گویا۔ بندوں پر کرم کی بارش ہوتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ بندے
اپنے اندر اس کرم کے حصول کی صلاحیت پیدا کریں۔

حضرت ابو الحسن بکری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ پندرہویں شب شعبان
میں دو رکعت نفل کی نیت سے سو رکعت پڑھیں جائیں۔ اور ہر رکعت میں بعد سورۃ
فاتحہ کے گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھیں۔ یا پانچ سلام سے۔ دس رکعت پڑھیں
اور ہر رکعت میں۔ بعد سورۃ فاتحہ کے سو سو بار سورۃ اخلاص پڑھی جائے۔

دونوں طریقے سلف صالحین سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ
مجھے ۳۰ صحابہ سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ کہ جو شخص پندرہویں شعبان کو نوافل کثرت کے
ساتھ پڑھے گا۔ اور ذکر الٰہی کرے گا۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ ستر بار نظر رحمت
فرماتا ہے۔ اور ہر نگاہ میں اس کی ستر حاجتیں پوری ہوتی ہے۔ یہ دعا کثرت سے
زبان پر ورد کرے۔ اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنا۔ الٰہی تو
بخشنے والا ہے۔ اور تو بخشش کو محبوب رکھتا ہے۔ ہماری خطائیں معاف فرما۔

حقوق العباد کو پورا کریں۔ اور ذاتی رنجشوں اور بغض و حسد سے دلوں کو پاک
و صاف کریں۔ اور خلوص قلب کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہو جائیں۔ اپنے
نیک مقاصد کے لئے۔ بھی دعائیں مانگیں۔ اور جہاں تک ہو سکے نوافل پڑھیں۔ عبادت
کریں۔ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔ درود پاک کا ورد رکھیں۔ صدقہ و خیرات دیں
اور مزارات کی زیارت کریں۔ اس رات میں۔ اپنے وفات شدہ دوست و احباب
وغیرہ اقرباء کو ثواب پہنچائیں۔ ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔
حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

357

اس شب میں۔ جنت البقیع جو مدینہ منورہ کا مزارستان ہے۔ میں تشریف لے گئے۔
میں آپ کے پیچھے پیچھے پہنچی۔ تو دیکھا۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل
سجدہ فرمایا اور زار و قطار رو کر اپنی امت کی مغفرت کیلئے دعا فرمائی۔ اس
سے ظاہر ہوا۔ کہ اپنی قوم سے محبت اور فوت شدہ اعزۃ کیلئے ایصال ثواب
سنت مصطفےٰ ہے۔

ہمارے ملک میں آتش بازی کا عام رواج ہے۔ ایسی رحمتوں اور برکتوں
والی رات میں اس قسم کے فضول امور کا ارتکاب انتہا درجہ کی محرومی ہے قرآن
کریم میں ارشاد ہے۔ ان المبذرین کانو اخوان الشیاطین بلا شبہ فضول خرچ
کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان رحمت سے دور ہے۔ آتش
بازی فضول خرچی میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو ایسے مضر اور مفسد لہو لعب
سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اور صدق دل سے غفور الرحیم کے حضور میں خطاؤں
اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہئے۔ اور اپنے جائز اور نیک مقاصد کیلئے
دعائیں کریں۔ کیونکہ یہ ساعتیں مقبول ہیں۔ اللہ کریم ہمیں توفیق عمل دے۔

نور الحبیب شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ
جولائی سنہ ۱۹۷۸ء جلد ۳

(نوید شب برات) (غلام رسول سعیدی)

گناہ انسان سے ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن پیمانِ وفا باندھنے کے بعد جفا کچھ اور گراں
گزرتی ہے۔ اسلام کا احرام باندھنے کے بعد ہوا و ہوس کا طواف اطاعت خداوندی
کے عہد کے بعد اتباع نفس اختیار کی بے گانگی کیلئے حجت اور اپنوں پر استہزا کا موجب
بن جاتی ہے۔

کبھی ایسا ہوا ہے۔ کہ کوئی چیز فروخت کر دی جائے۔ اور سودا ہونے
کے بعد بیچنے والا یہ کہے کہ اس چیز پر میرا قبضہ ہے۔ اس کے حقوق میرے
ہیں۔ اور اس شئے پر میرا تصرف ہے۔ اگر ایسا ہو تو یقیناً یہ خریدار کے ساتھ

ناانصافی اور ظلم ہوگا۔ ایک مہذب معاشرے میں کوئی شخص اس ظلم کو روا نہیں رکھے گا۔ لیکن کیا یہ حیرت کی انتہا نہیں۔ کہ ہم نے ظلم کا یہ سلوک اس ذات کے ساتھ روا رکھا ہے۔ جو ہمارا اور اس ساری کائنات کا مالک و خالق ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے نفوس اور اموال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا۔ جب ہم نے یہ سودا کر لیا ہے۔ تو یہ جان اور مال اب ہماری ملکیت نہیں رہی۔ اس پر ہمارا قبضہ بعد تصرف نہیں رہا۔ سونا جاگنا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا کھانا۔ پینا لین دین خرید و فروخت کسی شے کے ہم مالک نہیں رہے۔ یہ تمام امور اب اس کے تصرف کے تابع ہیں۔ ہمارا کسی چیز پر اختیار نہیں۔ لیکن اگر اس کے باوجود ہم جان و مال پر اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں۔ اس کی مرضی کے خلاف زندگی کے ہر مرحلہ میں ہماری رائے حاکم رہے۔ تو اس کے دو ہی مطلب ہیں۔ یا تو ہم نے خدا سے ہنوز یہ سودا نہیں کیا۔ یا سودا کرنے کے بعد ہم اس کے ملک میں اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر تصرف کر رہے ہیں۔ اور اس کائنات میں اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک شخص مکان بنانے کے لئے زمین حاصل کرے۔ سیمنٹ بجری اینٹیں اور لوہا فراہم کرے۔ اسے بنانے کے لئے راج مزدوروں کی خدمات مہیا کرے۔ کئی برس لگا کر یہ مکان تیار کرے۔ اور جب یہ مکان بن کر تیار ہو جائے۔ اور وقت آئے۔ کہ وہ اس میں رہائش اختیار کرے۔ اپنی مرضی اور منشاء سے اس مکان میں زندگی گزارے۔ تو اچانک کوئی دوسرا شخص آکر اس مکان پر قبضہ کر لے۔ اور کہے کہ اس مکان میں میں اپنی مرضی اور منشاء سے زندگی گزاروں گا۔ تمہیں نہیں رہنے دوں گا۔ تو کیا یہ ظلم نہیں ہے۔ کیا ہم یہ ظلم گوارہ کر لیں گے۔ کبھی جو بات ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اسے ہم نے کتنی آسانی سے اس ہستی کے لئے پسند کر لیا ہے۔ جو تمام کائنات کا خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی ہر پیدائش کیلئے ماں کے رحم میں نطفہ فراہم کیا۔ نو ماہ تک اسے تخلیق کے مختلف مراحل سے گزارتا رہا۔ گندے قطرے کو ہڈیوں اور

اور گوشت کا پاکیزہ لباس پہنایا۔ بے جان لوتھڑے میں حسین و حرکت پیدا کی۔ ذہن میں رعنائی خیال اور قلب میں محبت کی گرمی ملپسر کی۔ آغوش مادر میں اس کے لیے باپ کی شفقت اور ماں کا ایثار مہیا کیا۔ اسے یوں ہی پالتا رہا۔ بڑھاتا رہا۔ بدن انسان کی تعمیر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس عمارت نے اپنے بلوغ کو پالیا۔ اور جب یہ انسان اس قابل ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی ہوئی عمارت میں اس کے احکام کو آباد کرتا۔ اس منزل میں اس کی معانی کو مکین بناتا۔ اس نے اللہ کے احکام اور فرامین کو اس عمارت سے نکال دیا۔ اور ہوا کے نفس کو اس مکان کا مکین بنایا۔ انہ کان ظلوما جہولا ۔

روز و شب معصیت کی تسبیح رولنے والوں کو وفا کا دم بھر کر پھیر اسے بھلانے والوں کو وہ پکار پکار کر بلاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ ۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل خدا کو یاد کرنے کیلئے موم ہو جائیں۔ گنا ہوں پر اللہ ایا دینے سے اسے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ جبھی تو وہ کہتا ہے۔

ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم۔ خدا تمہیں عذاب دیکر کیا کرے گا۔ اگر تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور سچے مسلمان ہو جاؤ؟۔ اگر تم سے معصیت سرزد ہو گئی ہے۔ یا تم اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے ہو۔ تو یہ ایسا داغ نہیں جو دھویا نہ جا سکے۔ ایک دو گناہوں کی بات نہیں۔ اگر تم گناہوں کے سمندر بھی لے کر آئے۔ تو وہ معاف کر دیگا۔ کرم خداوندی کے بحر بیکراں کے سامنے ایک دل کی سیاہی کی کیا حقیقت ہے۔ پوری کائنات کی سیاہی بھی ہو تو دھل جائیگی۔ تم آؤ تو سہی دیکھو۔ آغوش رحمت تمہیں لینے کے لیے کس طرح بیتاب ہے۔ وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموٰت والارض۔ لوگو دوڑو۔ اپنے رب کے عفو و کرم کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین و آسمان سما سکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔

والذین اذا فعلوا فاحشۃ ——— اجر العاملین ۔ وہ لوگ جنہوں نے کوئی برا کام کیا ہو۔ یا جنہوں نے اپنی مرضی سے جانوں پر کوئی ظلم کر لیا ہو اللہ کو یاد

کریں۔ اور اس سے گناہوں پر معافی چاہیں۔ اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو
بخشے گا۔ اور پھر اس گناہ پر ڈٹے نہ رہیں۔ تو اللہ کے پاس ان لوگوں کے لیئے
بخشش ہے۔ اور ایسے باغات ہیں۔ جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ جن میں انہوں
نے ہمیشہ رہنا ہے۔ اور عمل کرنے والوں کو خوب ہی اجر ملتا ہے۔

خدا کی مغفرت اور بخشش حاصل کرنے کے لیئے۔ اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔
اس سے عفو و کرم کی بھیک لینے کے لیئے اس کے دربار کا رخ کرنا ہے۔ [illegible] پر
ہم جا نہیں سکتے۔ عرش تک رسائی نہیں۔ لامکان کی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
یہ کرم فرمایا کہ تم جا نہیں سکتے۔ میں تو آسکتا ہوں۔ رات کو پچھلے پہر
جب ایک عالم نیند میں ڈوبا ہوتا ہے۔ وہ پہلے آسمان پر متوجہ ہوکر صدا دیتا ہے
ہے کوئی سوالی میں اس کی جھولی بھر دوں۔ لینے والے محو استراحت ہوتے ہیں۔ اور
دینے والا آواز دیتا رہتا ہے۔

عموماً پیاسے چل کر پانی کے پاس پہنچتے ہیں۔ لیکن کبھی پانی لطف و کرم پر
آئے۔ تو وہ خود پیاسوں کے پاس جا پہنچتا ہے۔ یہاں کرم کا کرم دو طرح سے
ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ مینائے عفو و کرم لے کر خود تشنگان مغفرت کی طرف
متوجہ ہوا۔ انہیں بلا کر تکلیف میں نہیں ڈالا۔ دوسرا یہ کہ ساقی مغفرت نے
بخشش کے جام رات کے سناٹوں میں پیش کیئے۔ جب عروس شب اپنے
سیاہ گیسو۔ پھیلا لیتی ہے۔ جب تاریکی اور سکوت طاری ہوتا ہے کوئی
دوسرا نہیں ہوتا۔ دن کے اجالوں میں اس کی خودی کو مجروح اور اس کی ذات
کو رسوا نہیں کیا۔ تاکہ جب اس کے شیشہ دل سے گناہوں کی سیاہی دھلنے لگے
تو رات کے اندھیروں میں وہ کسی کو نظر نہ آئے۔ عبد اور معبود کے درمیان جو
ناز و نیاز ہوں۔ سراپا خطا و تقصیر میں جو عجز کے انداز ہوں۔ اس میں
کوئی تیسرا نہ آسکے۔ اور بندہ کسی حائل و حاجب کے بغیر اپنے مولا کو پا سکے۔
اسے راضی کر سکے۔

گناہگاروں کو بخشنے کے لیئے۔ وہ رات کے پچھلے پہر آیا۔ اور گناہگار مست
رہتے۔ وہ ہر رات آوازیں دیتا رہا۔ یہ کسی رات اٹھ نہ سکے۔ لیکن اس کی توجہ

خالی نہیں گئی۔ الذین یبیتون لربھم — کا لقب پانے والے رکوع و سجود میں
راتیں گزارنے والے۔ ہر رات کو اٹھتے ہیں۔ اور پچھلے پہر جب آسمان دنیا پر
رب کائنات آواز دیتا ہے۔ یہ اللہ کے دریوزہ گری کرتے ہیں۔ مراد پاکر شاد کام
ہوتے ہیں۔ رحمت و مغفرت سے جھولیاں بھر لیتے ہیں۔ یہ ہر رات اسی طرح کرتے ہیں
ان کی کوئی رات خالی نہیں جاتی۔ ان کی ہر رات نجات کی رات ہوتی ہے۔ قدسیوں
کی اصطلاح میں شب برات ہوتی ہے۔

رب کائنات نے دیکھا۔ کہ کاملین اور واصلین شب بیدار اولیاء اللہ
میدان لے گئے ان عطاؤں اور نوازشوں سے گناہ گاروں نے کچھ نہیں لیا۔ وہ
مغفرت کی صدائیں۔ دیتا رہا۔ یہ پڑے سوتے رہے۔ ابر کرم برساتا رہا۔ اور
یہ محو خواب رہے۔ مگر تماشا یہ ہے کہ یہ راتوں کے پچھلے پہر اٹھ نہیں سکتے۔
اور وہ ان پر کرم کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ ان پر غفلت حاوی ہے۔ اس پر
رحمت غالب ہے۔ تبھی تو یہ غلبہ رحمت اس کا متقاضی ہوا۔ کہ سال کی راتوں
میں ایک رات ایسی بھی رکھی جائے۔ جس میں پچھلے پہر کی قید نہ ہو۔
غروب آفتاب سے لیکر سپیدہ سحر تک۔ تمام شب رب کائنات آسمان
دنیا سے بخشش لٹاتا رہے۔ تاکہ بندوں پر اس کے کرم کی حجت تمام ہو
جائے۔ رحمت کی معراج ہو جائے۔ اور یہ بتا دیا جائے۔ کہ اے تن آسان
سہل کوش۔ اور غافل بندو۔ اگر تم ہمارے لئے۔ انتہائے شب میں اٹھ نہیں سکتے
تو نہ سہی ہم تمہارے لیے ابتدائے شب میں آ جاتے ہیں۔ مگر تم ہماری مغفرت کی
طرف آؤ تو سہی وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم — اے خواب غفلت
میں پڑے رہنے والے گناہ گارو۔ تمہیں مبارک ہو۔ یہ تمہاری رات ہے۔ نیکوکاروں کے
لئے تو ہر رات ہی شب برات ہوتی ہے۔ مگر اے خدا کے بندو۔ شعبان کی یہ
پندرہویں شب تمہاری رات ہے۔ اٹھو اے غافلو۔ کہ اس رات میں تمہیں بشارت
ہے۔ دوڑو اے ناامیدو۔ کہ آج سر شام سے مغفرت کی ندا جاری ہے، منالو
اپنے رب کو کہ یہ موقع ہے۔ لوٹ لو۔ اس رات کی عطائیں۔ اور نوازشیں تمہاری
ہیں۔ ساقی تمہارا ہے۔ مینا تمہارا ہے۔ بادہ و ساغر تمہارا ہے۔ سلہ

رسالہ نور الحبیب جلد ۳ مارچ ۱۹۹۱ء شمارہ ۱

امام اعظم کے مناقب

آپ کا نام نعمان کنیت ابو حنیفہ لقب امام اعظم ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد ایران کے رہنے والے تھے۔ نام کی نسبت آپ کی کنیت زیادہ مشہور ہوئی۔ یہ کنیت حقیقی نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں سے کسی کا نام حنیفہ نہ تھا۔ قرآن پاک میں ہے۔ واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا اسی نسبت معنوی سے آپ نے کنیت ابو حنیفہ اختیار فرمائی۔

امام صاحب کے بچپن کا زمانہ نہایت ہی انقلاب انگیز پر آشوب تھا۔ حجاج بن یوسف علمائے کرام و مشائخ عظام کیلئے موت کا پیغام بنا ہوا تھا۔ اسی ماحول میں علم دین کی طرف توجہ دینا آسان نہ تھا۔ اسی لئے امام اعظم اپنے آبائی پیشہ تجارت میں مشغول ہو گئے۔

بشارت مصطفیٰ ﷺ امام اعظم کے بارہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس مجلس میں سورۃ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپ نے اس سورۃ کی آیت تلاوت کی۔ جس کا ترجمہ ہے۔ اور دوسروں کے لئے بھی انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے۔ اور وہی ہے غالب با حکمت۔ تو حاضرین میں سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ یہ دوسرے کون ہیں۔ جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے۔ حضور نے خاموشی اختیار فرمائی۔ جب بار بار سوال کیا گیا۔ تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا۔ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو گا۔ تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کر لیں گے۔

علامہ ابن حجر مکی اپنے استاد مکرم حضرت جلال الدین السیوطی علیہ الرحمۃ کی معرفت لکھتے ہیں۔ کہ اس حدیث پاک کے اولین مصداق صرف حضرت امام اعظم ہی

ہیں۔ کیونکہ آپ کے زمانہ میں اہل فارس میں سے کوئی شخص بھی آپ کے علمی مقام کو نہ پا سکا۔ اور نہ کوئی آپ سے پہلے ہوا۔ نہ کوئی بعد میں ہوا۔ اور نہ ہی کوئی ہوگا۔

حضرت علی کی پیشین گوئی: نقل ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیشین گوئی فرماتے ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کے متعلق ارشاد فرمایا۔ کہ ثابت کی پشت سے ایسی خوشبو ظاہر ہوگی۔ جس سے تمام جہان مہک جائیگا۔ اس لیے آپ کا نام نعمان رکھا گیا۔ نعمان فارس کے علاقہ میں ایک خاص قسم کی بوٹی کا نام ہے۔ جس کی خوشبو بہت تیز ہوتی ہے۔ اور اس کو شقائق النعمان بھی کہتے ہیں۔ بعض مورخ لکھتے ہیں۔ کہ نعمان اس خون کا نام ہے جس سے سارے جسم کی بقا ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے قدرت کاملہ کی طرف سے آپ کا یہ نام عطا ہوا۔ کہ آپ کے وجود باجود کو اللہ تعالیٰ نے بقائے اسلام کا ذریعہ بنایا۔

پیدائش: آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۸۰ھ بروز اتوار رجب المرجب میں کوفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں۔ کہ پیدائش سے پہلے کئی دفعہ حسین خواب نظر آئیں۔ بیداری میں کئی بزرگ آئے۔ اور مجھ کو بیٹے کی خوشخبری دیتے۔ ایران و فارس کے روایتی حسن کے مطابق آپ بے حد حسین تھے آپ کے والد ماجد حضرت ثابت بہت متقی پرہیزگار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے۔ آپ کا قول مشہور ہے۔ کہ عشق رسول کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت بے کیف ہے۔ اولیاء اللہ کا تصور اور شیخ کا تصور ان کے بغیر ناممکن ہے۔ اولیاء فرماتے ہیں۔ کہ کئی مدارج محض تصور امام اعظم سے ہی طے ہو جاتے ہیں۔

آپ کا دادا: کا نام حضرت مرزبان ہے۔ جس کا لفظی معنی سردار بادشاہ اور دولتمند ہے۔ ویسے بھی آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت شیخ شیراز سعدی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور تصنیف گلستان میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام اپنے علاقہ کے معززانہ رئیس اعظم اور اونچے خاندان والے تھے۔
حضرت امام صاحب کے پوتے حضرت اسماعیل حماد اپنے ایک شکوہ میں لکھتے ہیں۔

کہ حضرت علی المرتضیٰ کی دعا سے ہمارے خاندان میں نہ کوئی شخص غلام بنایا گیا۔ اور نہ ہی کوئی غریب رہا۔ اور نہ ہی اس سے قبل ایسا ہوا۔ غرضیکہ حضرت امام اعظم میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔ جو کہ ایک قوم کے سردار اور سالار میں ہونی چاہییں تھیں۔ اگر آپ کو روحِ اسلام کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

داتا گنج بخش اور امام اعظم: حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ آپ کے متعلق کشف المحجوب میں فرماتے ہیں۔ کہ اماموں کے امام سنیوں کے پیشوا فقیہوں کے بزرگ اور عالموں کے لیے باعث عزت۔ جب کبھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کو جاتے تو آپ کہتے۔ السلام علیک یا سید المرسلین۔ تو جواب آتا وعلیک السلام یا امام المسلمین۔

نیز حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک مرتبہ ملک شام میں گیا۔ عاشقِ رسول حضرت بلال کے مزار شریف پر سویا ہوا تھا۔ کہ اپنے آپ کو مکہ مکرمہ میں پایا اور دیکھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں۔ اور ایک معمر بزرگ کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے۔ جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں فرطِ محبت سے دوڑا۔ اور حضور اقدس کے پاؤں مبارک کو چوما۔ اور اس کے بعد میں تعجب میں تھا۔ کہ یہ معمر شخص حضور کے اتنے محبوب کون ہیں۔ حضور علیہ السلام نے میرے تعجب کو نورِ نبوت سے سمجھ لیا۔ مجھے فرمانے لگے۔ یہ تیرا اور تیرے شہر کے لوگوں کا امام ہے۔ یعنی ابو حنیفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ۔ اس خواب سے میرا خیال صحیح ہو گیا۔ کہ حضرت امام اعظم ان پاک ہستیوں میں سے ہیں جو اوصافِ طبع سے فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی اور قائم ہیں۔

حُسنِ ظن: ایک مرتبہ آپ بازار سے گزر رہے تھے۔ کہ کسی عورت نے اپنی سہیلی سے کہا۔ کہ یہ وہ بزرگ ہیں۔ جو ہر رات ایک ہزار نفل پڑھتے ہیں حالانکہ حضرت امام صاحب علیہ الرحمۃ پانچ سو نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ نے یہ سنا۔ تو ایک ہزار نفل ہر رات پڑھنے شروع کر دیئے۔

امام اعظم اور ایک بچہ: ایک دفعہ آپ بازار سے گزر رہے تھے۔ کہ ایک بچہ آپ کے آگے۔ ناچتا کودتا چکر کھاتا جا رہا تھا۔ آپ نے اس بچے سے فرمایا صاحبزادے سنبھل کر چل۔ کہیں گر پڑے گا۔ بچے نے کہا حضور میری فکر نہ کریں۔ آپ سنبھل کر چلیں کیونکہ میں گرا۔ تو اکیلا گروں گا۔ لیکن آپ گرے تو پورا جہان گر پڑے گا۔ یقینی طور پر یہ کوئی فرشتہ ہی ہوگا۔ جس نے علمائے کرام و مشائخ عظام کو سبق دیا۔

سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنا لعاب مبارک حضرت انس بن مالک رض کے سپرد کیا تھا۔ کہ اسے حضرت ابو حنیفہ کو پہنچا دینا۔ اور وہ حضرت انس کے لب میں آبلہ مشدہ محفوظ تھا۔ چنانچہ وہ آپ نے امام صاحب کو پہنچا دیا۔ ایک اور روایت ہے۔ کہ یکون فی امتی رجلا اسمہ نعمان و کنیتہ ابو حنیفہ ھو سراج امتی۔ تین مرتبہ حضور نے یہ جملہ دھرایا۔ یعنی میری امت میں ایک مرد ہوگا۔ جس کا نام نعمان ہوگا۔ اور کنیت ابو حنیفہ وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

امام اعظم کا ایک شخص مقروض تھا۔ وہاں آپ کا ایک شاگرد فوت ہو گیا۔ آپ اس کی نماز جنازہ کیلئے تشریف لے گئے۔ تمازت آفتاب زوروں پر تھا۔ صرف اس مقروض آدمی کے مکان کی دیوار سے سائے کے بغیر کوئی سایہ نہ تھا۔ لوگوں نے کہا کہ ایک ساعت اس دیوار کے سایے میں آرام فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ اس صاحب دیوار پر میرا کچھ قرض ہے اس لئے اس دیوار سے فائدہ حاصل کرنا روا نہیں۔ اگر میں اس سے کچھ منفعت حاصل کروں تو وہ ربوا یعنی سود میں شمار ہوگا۔

امام اعظم معجزہ نبی مصطفیٰ ﷺ: حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے۔ کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی ذات ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بزرگ ترین معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ قرآن و حدیث کے بعد آپ ہی کا مذہب ہے۔ اور اس کے مطابق حضرت سیدنا عیسیٰ نزول کے بعد چالیس برس تک حکم فرمائیں گے۔ کہتے ہیں کہ آخری مرتبہ حج کے لئے گئے۔ تو خانہ کعبہ کا طواف کے بعد۔ پوری رات ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر آدھا قرآن تلاوت کیا۔ اور آدھا دوسرا پاؤں پر کھڑے

ہو کر ختم کیا۔ اور دعا کی اے اللہ ہم نے تجھے نہیں پہچانا۔ جیسے پہچاننے کا حق تھا۔ اور تیری عبادت نہیں کی جیسے کہ عبادت کرنے کا حق تھا۔ غیب سے آواز آئی۔ اے ابو حنیفہ تو نے مجھے پہچان لیا۔ جیسے کہ پہچاننے کا حق تھا۔ پس میں نے تجھے اور تیرے تابعین کو بخش دیا۔

آپ نے سات صحابہ کرام کا دیدار کیا۔ اور حدیثیں نقل کیں۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ہمعصر تھے۔ فقہ کے چاروں اماموں میں آپ امام اول ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض۔ اور ابراہیم بن ادھم بلخی اور بشر حافی رضی اللہ عنہم آپ کے استادِ علم تھے۔ امام محمد امام ابو یوسف امام شافعی رضی اللہ عنہم۔ آپ کے ممتاز تلامذہ ہیں۔

شہادت۔ حضرت امام اعظم کو خلیفہ منصور عباسی نے چار یا پانچ سال قید میں رکھنے کے بعد کھانے میں زہر دے کر شہید کرا دیا۔ دنیا کے عظیم عالم تابعی اور محسن اسلام نے شہادت کا درجہ حاصل کرتے ہوئے ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لی۔ یہ عظیم واقعہ سنہ ۱۵۰ھ رجب المرجب میں ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ میں پچاس ہزار مسلمانوں نے ایک وقت میں ادا کی۔ آپ کا مزار اقدس بغداد میں مرجع خلائق ہے۔

نورالحبیب شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ جولائی ۱۹۷۸ء
جلد ۳۔
-۵-

عنان: آخر

نورِ الحبیب

حضور علیہ السلام کے یوم وصال پر غم کیوں نہیں منایا جاتا؟ ۔

(طاہر القادری)

بعض نادان دوست ربیع الاول شریف کے موقع پر جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے والوں پر کئی طرح کے دوسرے اعتراضات کے ساتھ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں۔ کہ حضور کی ولادت باسعادت اور وصال مبارک ایک ہی دن اور ایک ہی ماہ میں ہوئے ہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کے بجائے ان کے وصال فرما جانے کے افسوس میں غم منانا چاہیئے۔ اور اس پر نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ کہ جی دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وصال کا غم بھی ہے۔ لہذا اس دوست موقع کی مناسبت سے ہم ان کے لیئے۔ اتنا ہی عرض کرنا چاہیں گے کہ

۱۔ غم کرنا امت مسلمہ کا شیوہ نہیں ۔ اللہ کی نعمتوں کے بدلے شکر کرنا۔ اور شکر بجالاتے ہوئے خوشی کرنا اللہ رب العزت کا حکم ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی شکر بجالاتے ہوئے۔ غم واندوہ اور افسوس کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ایسا کرنا تو نعمت کی بے قدری اور بے قدری کرنا۔ گویا کفران نعمت کے زمرے میں آتا ہے۔ جس کے لیئے ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۔ (ابراہیم ۱۴ — ۷) اور اگر تم میری نعمت کی ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب سخت ہے۔ لہذا اس موقع پر سوگ منانا اور غم کرنا امت مسلمہ کا وطیرہ اور اس کا شیوہ نہیں۔ اس لیئے کہ ۔

۲۔ غم نعمت کے خاتمے پر کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غم اس وقت کیا جاتا ہے۔ جب کوئی چیز ختم ہو جائے۔ چلی جائے۔ اس سے حاصل ہونے والے فوائد بھی ختم ہو جائیں۔ اور اس کے اثرات و نتائج کا سلسلہ بھی بند ہو جائے۔ مثلاً کسی کے ہاں بیٹا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ اب اس کے مرنے پر تو اسے غم ہو سکتا ہے۔ کہ بیٹے کی نعمت اس سے چھن گئی۔ لیکن پھر بھی شکر گزار مومنین کا یہ شیوہ بھی نہیں۔ کہ مال و دولت اور اولاد کے آنے جانے پر خدا سے شکوے کریں۔

کیونکہ یہ تو آزمائشیں ہوتی ہیں۔ چہ جائیکہ کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر غم کرتا۔ یا حزن وملال کی کیفیت اپنائے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک بھی اسی طرح امت کے حق میں رحمت ہے۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ تھی۔ معترضین کو یہ اعتراض کرتے ہوئے کم از کم حیاۃ النبی پر غور کرنا چاہیے۔ وہ ہٹ دھرمی میں آ کر انبیاء اور تمام انسانوں کی موت و حیات کو یکجا تصور کرتے ہیں۔ وہ انتہائی۔ نامناسب اور غیر علمی انداز سے اس دلیل کا سہارا لیتے ہیں۔ جس میں سرے سے کوئی قرینِ قیاس بات ہی نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے۔ کہ آقا علیہ السلام تو موجود ہیں۔ تب غم کریں۔ کہ حضور علیہ السلام کا سایۂ رحمت امت کے سر سے اٹھ گیا ہو۔ یا رابطہ اور تعلق منقطع ہو چکا ہو۔ حضور تو آج بھی امت کے احوال سے باخبر ہیں۔ اور قدم قدم پر دستگیری فرماتے ہیں۔ یہاں حیات النبی کے دلائل دینا تو باعث طوالت ہوگا۔ وہ ایک الگ موضوع ہے۔ جس پر مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کی کتب موجود ہیں۔ تاہم اس میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ کہ حضور علیہ السلام اپنے جسم اطہر کے ساتھ اپنے روضہ مبارک میں بحیات تشریف فرما ہیں۔

۳۔ حضور کی نبوت تا قیامت جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کلمہ مسلمانوں کو عطا فرمایا۔ اس کے الفاظ ہی اس حقیقت پر پختہ شہادت ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جاری و ساری ہے۔ اور قیامت تک اسی طرح رہے گی۔ جس طرح حیات ظاہری میں تھی۔ کلمہ طیبہ کے کلمات ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

محمد رسول اللہ — محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ایسا جو شخص تھے۔ یہ کہے۔ کہ محمد اللہ کے رسول تھے اور یہ نہ کہے۔ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماضی میں رسول سمجھنے کے عقیدہ کو سرے سے ختم کر دیا۔ اور حضور کی بات تھے۔ کے صیغے سے کرنا

کی اجازت ہی نہیں دی۔ اور سلسلۂ نبوت کے آخر میں حضور کو بھیج
کر یہ واضح کر دیا کہ لوگوں اور نبی آئے۔ اور چلے گئے۔ چونکہ وہ جاتے رہے۔
اس لئے نئے بھی آتے رہے۔ اگر حضور چلے گئے ہوتے۔ تو کوئی نبی نیا آجاتا۔ اور
نیا نبی اب نہیں آئیگا۔ خدا نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم فرما دیا۔ لہٰذا
سیدھی سی بات ہے۔ حضور کی نبوت تا حال ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔ اس
لئے یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ کہ حضور اب بھی اسی طرح اللہ کے رسول ہیں۔ جس طرح
صحابہ کے لئے تھے۔ اور جس طرح ہمارے لئے ہیں۔ اسی طرح بعد میں آنے والی قیامت
تک کی نسلوں کے لئے ہوں گے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ ۶۳ برس تک آپ ہر
سر کی آنکھ سے دکھائی دیتے تھے۔ اور وصال مبارک کے بعد کسی دل کی آنکھ سے دکھائی
دیتے ہیں۔ پہلے حالتِ بیداری میں ہر کسی کو نظر آتے تھے۔ اب کسی کسی کو خواب میں نظر
آتے ہیں۔

اور جو شخص ان کی یاد اور محبت میں دل کو زندہ کر لے وہ اب بھی نہ صرف خواب
میں بلکہ بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے۔ اور دل کی آنکھ سے نہیں سر
کی آنکھ سے دیکھتا ہے ۔۔۔۔ حضور کی امت میں کتنے عشاق ایسے ہیں۔ جن
کے متعلق مشہور ہے۔ کہ جب وہ بیمار ہوئے حضور سعید دن میں ان کی عیادت
اور احوال پوچھنے تشریف لائے۔ اور لا تعداد بزرگوں کے حالات ایسے ملتے ہیں۔
جن کے ہاں مرگ ہوئی۔ حضور بنفسِ نفیس ان کے ہاں تعزیت اور دلجوئی کے لئے
تشریف لائے۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخلص غلاموں کی عیادت بھی کرتے ہیں۔ ان
کی راہنمائی بھی کرتے ہیں۔ انہیں دل اور سر کی آنکھوں سے شرفِ دیدار بھی بخشتے
ہیں۔ اور جب وہ دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ تو ان کی روحوں کے استقبال کے لئے بھی تشریف
لاتے ہیں۔

حضرت ابو العباس مرسی کا حال۔ حضور کے بعض امتی تو ایسے بھی ہیں۔
جنہوں نے قسم کھا کر کہا۔ لو حجب عنی رسول اللّٰہ طرفة عین ما عددت
نفسی من المسلمین۔ (روح المعانی پارہ ۲۲)-

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے لیے بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں تو اس لمحے میں خود کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتا ——— ان کے تو ایسے بھی غلام ہیں۔ جن کی نظروں سے وہ اوجھل ہوتے ہی نہیں۔ ارے نادان انسان تو نے سمجھ لیا۔ کہ حضور مجھے جو نظر نہیں آتے۔ تو شاید چلے ہی گئے ہیں۔ جوان کے ہو گئے ہیں۔ ان سے پوچھ کر دیکھو وہ کہتے ہیں۔ ہمیں ہر گھڑی دیدار سے نوازا جاتا ہے۔ اور ہر آن ان کا لطف و کرم جاری ہے۔ اور جس گھڑی وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہوں ہم اپنے آپ کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔

جیسا سب کچھ ہے تو غم کس کا۔ نہ تو حضور کی عنایات میں کمی آئی۔ نہ اُن کی شفقتوں اور مہربانیوں میں کمی آئی۔ نہ اُن کی طرف سے ملنے والی ہدایات میں کمی آئی۔ نہ حضور کے تصرف و کمال میں کمی واقع ہوئی۔ اور نہ اُن کے حسن و جمال میں کوئی نقص رونما ہوا۔ نہ اُن کے مرتبے میں کچھ فرق پڑا۔ نہ نبوت و رسالت بعد ختم نبوت میں کمی واقع ہوئی۔ اور نہ اُن کی توجہات میں کوئی کمی ہوئی۔ جب سب کچھ اسی طرح موجود ہے۔ تو غم کس بات کا؟

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت آئی ہے۔ لیکن جب ایک عام مومن اور کافر کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تو حضور کی موت اور عام انسانوں کی موت میں کتنا فرق ہوگا؟

حضور ؐ نے جو ظاہری دنیا سے پردہ فرمایا ہے۔ تو عام انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ خواص تو آج بھی حضور کو عالم بیداری میں دیکھتے ہیں۔ امام جلال الدین السیوطی جیسے لوگ جنہوں نے زندگی میں کم و بیش ۷۲ یا ۷۵ بار عالم بیداری میں حضور کی زیارت کی۔ (امام شعرانی بحوالہ میزان الکبریٰ ص ۱ مطبوعہ مصر)

آپ جب روضۂ اقدس پر حاضری کیلئے جاتے ہیں۔ تو کیا اسی طرح جاتے ہیں۔ جس طرح ایک عام آدمی کی قبر پر جایا جاتا ہے۔ بلکہ وہاں جا کر وہی آداب ملحوظ رکھنے فرض ہیں۔ جو آپ کی ظاہری حیات مقدسہ میں تھے۔

اور جیسا ہم حضور پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ تو بعض سلام تو فرشتوں کے ذریعے
ان تک پہنچائے جاتے ہیں۔ اور بعض خوش قسمت ایسے بھی ہیں۔ جن کا سلام سن
کر حضور اس کو جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

حضور نے اسی لئے فرمایا۔ کہ لوگو۔ میری وفات کو دوسروں کی موت کی
طرح نہ سمجھنا قیامت تک اگر کوئی مومن بھی مجھ پر سلام کہے گا۔ میں اس کا
سلام سنتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں۔ میری روح مجھ پر واپس لوٹا دی جاتی
ہے۔ کئی دوسرے آئمہ کے علاوہ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں
اس قسم کی بہت سی روایات اکٹھی کی ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔
جسے انہوں نے طبرانی اور ابو داؤد سے اس طرح نقل کیا۔ حضور نے فرمایا۔

ليس من عبد يصلي علي	جو شخص بھی مجھ پر درود وسلام بھیجتا
الا بلغني صوته حيث	ہے۔ اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔ وہ
كان قلنا و بعد وفاتك	جہاں بھی ہو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیا بعد
قال و بعد وفاتي ان الله	از وصال بھی آپ اسی طرح سنیں گے فرمایا
حرم على الارض ان تاكل	ہاں۔ کیوں نہیں۔ وصال کے بعد بھی۔ کیونکہ
اجساد الانبياء —	اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ
جلاء الافہام ص ٦٣ علامہ ابن قیم	انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

یہ کوتاہیاں ہماری طرف سے ہیں۔ کہ ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں۔ اس لئے
کہ ہم زندہ ہو کر بھی مردہ ہیں۔ اور وہ وفات پا کر بھی زندہ ہیں۔ حضور تو سلام
سنتے بھی ہیں۔ اور اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ مگر ہم اس جواب کے سننے
سے قاصر ہیں۔ کیونکہ ہر کان نہ سزاوارِ سماعت ہست۔ اور نہ ہر آنکھ قابل دیدار
الغرض امت مسلمہ پر خوشی و مسرت کا اظہار واجب ہے۔ نا کہ اظہار
غم۔ اور افسوس —

۴۴۔ امت کے حق میں ولادت اور رحلت دونوں رحمت ہیں: رحلت شریفہ کے
متعلق مندرجہ بالا بحث کے بعد چند روایات اور آئمہ کے اقوال پیش خدمت ہیں

جوان شاء اللہ اس قابلِ افسوس ذہنی رجحان کو اصلاحی پہلوؤں پر سوچنے میں مدد دیں گے۔ امت کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور رحلت ظاہر دونوں رحمت ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حیاتی خیر لکم و موتی خیر لکم ۔(الشفا)

میری ظاہر حیات اور میرا وصال دونوں تمہارے لیئے باعث خیر ہیں۔

دوسرے مقام پر اس کی حکمت ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

ان اللہ عزوجل اذا اراد رحمۃ امۃ من عبادہ قبض نبیھا قبلھا فجعلہ لھا فرطا وسلفا بین یدیھا واذا اراد اللہ ھلکۃ امۃ عذبھا ونبیھا حی فاھلکھا وھو ینظر فاقر عینہ بھلکتھا حین کذبوہ وعصوا امرہ المسلم ص ۲۴۹/۲

جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر اپنا خاص کرم کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس امت کے نبی کو وصال عطا کر کے اس امت کے لیئے شفاعت کا سامان کر دیتا ہے۔ اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس کی ظاہری حیات میں ہی عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے۔ اور اس امت کی ہلاکت کے ذریعے اپنے پیارے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرماتا ہے۔

-۵-

مذکورہ حدیث میں لفظ فرط کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

اصل الفرط ھو الذی یتقدم الواردین لیھیئ لھم ما یحتاجون الیہ عند نزولھم فی منازلھم ثم استعمل للشفیع فیمن خلفہ (شرح الشفاء)

فرط کسی مقام پر آنے والوں کی ضروریات ان کی آمد سے پہلے مہیا کرنے والے شخص کو کہا جاتا ہے۔ پھر اپنے بعد آنے والے کی سفارش کرنے والے کیلیے مستعمل ہونے لگا۔

اس امت پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایت ہے۔ کہ آخرت میں پیش ہونے سے پہلے اس کے لیئے حضور علیہ السلام کو شفیع بنا دیا گیا۔ اسی لیئے آپ نے فرمایا۔ میرا وصال بھی تمہارے لیئے رحمت ہے۔ جب یہ بات طے پاگئی کہ امت کے حق میں۔ دونوں رحمت ہیں۔

تواب دیکھنا یہ ہے۔ کہ دونوں میں نعمتِ عظمیٰ کون سی ہے؟ تو ظاہر ہے۔ کہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری امت کے حق میں ایسی عظیم نعمت ہے۔ کہ اس کے ہی ذریعے ہی دوسری نعمت حاصل ہوئی

امام جلال الدین سیوطیؒ مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے اصول شریعت بیان کرتے ہیں۔ کہ

وقد امر الشرع بالعقیقۃ عند الولادۃ وھی اظہار شکر وفرح بالمولود ولم یامر عند الموت بذبح ولا بغیرہ بل نہی عن النیاحۃ واظہار الجزع۔ فدلت قواعد الشریعۃ علی انہ یحسن فی ھذا الشھر اظہار الفرح بولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم دون اظہار الحزن فیہ بوفاتہ

شریعت نے ولادت کے موقع پر عقیقہ کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بچے کے پیدا ہونے پر اللہ کے شکر اور خوشی کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ لیکن موت کے وقت ایسی چیز کا حکم نہیں دیا بلکہ نوحہ جزع وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔ شریعت کے مذکورہ اصول کا تقاضا ہے۔ کہ ربیع الاول شریف میں آپؐ کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کیا جائے نہ کہ وصال پر غم

(حسن المقصد فی عمل المولد فی الحاوی للفتاوی) صـ ۱۹۲ جلد ۱

اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی حرمین شریفین کے حوالے سے لکھتے ہیں ——— علماء نے لکھا ہے۔ کہ اس محفل میں ذکر وفات نہ چاہیے۔ اس لئے کہ یہ محفل واسطے خوشی میلاد شریف کے منعقد ہوتی ہے۔ ذکر غم جانکاہ اس محفل میں ناز یبا ہے حرمین شریفین میں ہرگز عادت ذکر قصہ وفات نہیں ہے۔ (تواریخ حبیب الٰہ صـ ۱۵)

بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ایسا نہیں جو امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ختم کر دے۔ بلکہ آپ کا فیضانِ نبوت تاقیامت جاری ہے۔ اور آپ برزخی زندگی میں دنیاوی زندگی سے بڑھ کر حیات کے مالک ہیں۔ حضرت ملا علی قاری ؒ نے آپ کے وصال کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ

ليس هنالك موت ولا فوت بل انتقال من حال الى حال (شرح الشفا)

صہ ۳۶/۱

کہ یہاں نہ موت ہے۔ اور نہ وفات بلکہ ایک حال سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا ہوتا ہے۔

نور الحبیب جلد ۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء شمارہ ۸

(ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

—٥—

[signature]

۲۸-۰۵-۲۰۰۶

رسول اکرم کی رسالتِ عامہ

حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ رسالت کے ان گنت اور بے شمار پہلو ہیں۔ ہم یہاں صرف اس ایک پہلو پر قدرے تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے ذرہ ذرہ عالم علوی و سفلی کے ہر حصہ میں ہر جگہ جلوہ گر ہیں۔ اور وہ نور مجسم جہاں چاہیں۔ جب چاہیں بیک وقت جتنے مکانوں میں چاہیں۔ جیسے چاہیں۔ جس کو چاہیں۔ خواب میں یا بیداری میں بنفسِ نفیس زیارت سے مشرف فرما سکتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱ = وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس + ۲ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین + ۳ ورحمتی وسعت کل شئی + ان آیات میں حصر و عموم کے حقیقی معنیٰ مراد ہیں۔ جیسا کہ محققین نے تصریح فرمائی ہے۔ تو واضح ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ جلوہ گر ہیں۔ اور اولین و آخرین سب کے رسول ہیں۔

دلیل نمبر ۴ = یاایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا (اے غیب کی خبریں دینے والے بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر و ناظر) علم معانی کے قاعدہ مسلمہ کے مطابق بیان مرسل الیہ اور شاہد کے مفعول کا حذف عموم پر دلالت کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ آپ کائنات کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور بصیر ہیں۔

دلیل نمبر ۵ = النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم ۔ یہ نبی تمام ایمان والوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہے۔ اس وضاحت کے بعد حضور ؐ کے حاضر و ناظر ہونے کا وہی انکار کریگا۔ جو یا تو اپنے آپ کو مومن نہ جانے۔ یا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضور ؐ کو نبی نہ جانے۔ کیونکہ ہمارے نبی تو ہر ایک مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہیں۔ ؎

در دلِ مقام مصطفیٰ است۔

دلیل نمبر ۶ = لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے پاس تشریف فرما ہیں۔ نیز جب ہر ایک کی تکلیف آپ پر گراں ہے۔ تو اس لیئے بھی کہ آپ علم غیب کلی کے عالم ہیں۔ اور اس لیئے بھی آپ حاضر و ناظر ہیں۔ کیونکہ ما عنتم اپنے عموم کے لحاظ سے محسوس و غیر محسوس

ہر قسم کی مشقت کو شامل ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی کو مشکل کا ادراک
وعلم ہوتا ہے۔ تب ہی گراں گزر سکتی ہے۔

دلیل نمبر ۷ = ارسلت الی الخلق کافۃً۔ میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا
ہوں۔ اس قدر صراحت ووضاحت کے بعد کسی بھی عقلمند کو جو ایمان بالغیب سے بہرہ
ور ہے۔ ہرگز انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ البتہ یہ بات کہ ایک جسم متعدد مکانوں میں
بیک وقت کیسے موجود ہو سکتا ہے۔ تو اس کی وضاحت کیلئے مندرجہ احادیث واقوال
ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل ۸ = شب معراج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
کو کثیب احمر کے پاس اپنی قبر کے اندر نماز پڑھتے موجود دیکھا۔ جب بیت
المقدس پہنچے تو وہاں تمام انبیاء ورسل اور موسیٰ علیہم السلام بھی موجود تھے۔ پھر آسمانوں
پر بھی۔ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم۔ حضرت آدم وغیرھم علیہم السلام موجود
پائے۔ یہ سب مختلف ومتعدد مکان میں۔

دلیل 9 = منکر نکیر میت سے پوچھتے ہیں۔ کہ تو اس مرد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے
میں کیا کہتا ہے۔ معلوم ہوا ہر قبر میں ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گری فرماتے
ہیں۔ روئے زمین پر بیک وقت فوت ہونے والے اور مشرق ومغرب کے دور دراز
مقابر میں۔ آن واحد میں دفن ہونے والے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں سے بیک وقت
یہی سوال کیا جاتا ہے۔ اور ایک ہی آن میں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں موجود
نظر آتے ہیں۔ اسی طرح منکر نکیر دو فرشتے اسی آن واحد میں۔ ان تمام ہزاروں
لاکھوں قبروں میں اگر سوال کرتے ہیں۔ تو ایک فرد کا ایک ہی وقت میں متعدد
مکانوں میں موجود ہونا واضح ہو گیا۔

دلیل 10 = ایک سوال کے جواب میں کہ ملک الموت ایک ہے۔ جنگ کے دوران مشرق
ومغرب میں لوگ مرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا ملک
الموت کیلئے اس طرح جمع کر دی ہے۔ جس طرح تمہارے سامنے تھالی۔ اب خود حضرت
عزرائیل علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا۔ کہ ایک ہی وقت میں کوئی مشرق میں فوت ہوتا
ہے۔ اور دوسرا مغرب میں بیک وقت ان دونوں کی روح تم کس طرح قبض کرتے ہو۔

تو حضرت ملک الموت نے کہا۔ ان اللہ قد زوی لی الدنیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے لیئے ساری دنیا کو سمیٹ کر اس طرح میرے سامنے کر دیا ہے۔ جس طرح غذا کھانے والے کے سامنے پیالہ تو اس سے بھی ایک فرد کا بیک وقت متعدد جگہوں میں حاضر وناظر ہونے کا پتہ چل گیا۔

دلیل ۱۱ = ان اللہ زوی لی الارض (حدیث) بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیئے ساری زمین سمیٹ دی ہے۔ پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ہے۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا۔ کہ سرکار دو عالم ؐ کے لیئے زمین کس قدر جمع کی گئی ہے۔ البتہ قصیدہ غوثیہ کے اس شعر سے کہ۔ ؎

نظرت الی بلاد اللہ جمیعًا — کخردلۃ علی حکم اتصال

اتنا پتہ ضرور چلتا ہے۔ کہ جب حضور غوث اعظم رضہ کی نظر میں کائنات رائی کی مانند ہے۔ تو حضور سرور کائنات علیہ السلام کے لیئے اس سے بھی زیادہ جمع کر دی ہے۔

دلیل ۱۲ = تدنی الشمس یوم القیامۃ من الخلق حتی تکون منہم کمقدار میل = قیامت کے روز سورج کو تمام مخلوق سے ایک میل کی مقدار قریب کر دیا جائیگا۔ کیوں کہ جناب اب بھی مسئلہ حاضر وناظر میں کوئی حقا باقی ہے۔ یہ وہ میدان ہے۔ جہاں تمام مخلوق جن وانس چرند وپرند اکٹھے ہوں گے۔ اور سورج سب سے ایک ہی میل پر قریب ہوگا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کا ایک وصف سراجًا منیرًا بیان فرمایا ہے۔ یعنی آفتاب جگمگا دینے والا۔ اگر محشر کا آفتاب۔ ہر ایک کے برابر قریب ہو سکتا ہے۔ تو مدینے کا چاند آفتاب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہر ایک کے پاس ہر جگہ حاضر وناظر کیوں نہیں ہو سکتے۔ واللہ علی کل شیءٍ قدیر ؎

کالشمس فی کبد السماء وضوءھا۔ یغشی البلاد مشارقًا ومغاربا۔

دلیل ۱۳ = علامہ نور الدین حلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کے لیئے ایسا مکان بنا دیا ہے۔ کہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ میں موجود رہتے ہوئے ہر جگہ پر گھر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ فلا بدع ان یکون قبر النبی ﷺ بطیبۃ کذالک۔ تو اس میں کون سی اچنبے اور تعجب کی بات ہے۔ کہ مدینہ منورہ میں نبی اکرم کے سبز

گنبد خضرا نور کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہو۔ کہ حضور وہاں بھی ہوں۔ اور ہر جگہ بھی موجود بھی ہوں گے۔

دلیل ۱۴ = حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات کے لیے۔ روح ہیں حتیٰ کہ ارواح کے بھی روح ہیں۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربی فرماتے ہیں (اعلم ایدک اللہ ان اصل ارواحنا روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو اول الاباء روحا وآدم اول الآباء جسما) بیشک ہمارے تمام روحوں کا اصل محمد ؐ کا روح ہے۔ تو آپ روحوں کے لحاظ سے اوّل باپ ہیں۔ اور آدم علیہ السلام جسموں کے لحاظ سے اوّل باپ ہیں۔ اب دیکھیے کہ روح کا اصل مکان دل ہے۔ مگر جسم کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں جہاں روح نہ ہو۔ اور جب حضور جانِ جہان ہیں۔ تو ضرور ثابت ہوا۔ کہ تمام جہان میں ہر جگہ موجود ہیں۔ اگر بظاہر مدینہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ سیدی عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مقدس تمام ارواح کا بادشاہ اور سب سے اعظم ہے۔ کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو پر کیے ہوئے ہے۔

دلیل ۱۵ = شیخ ابوالعباس طنجی رح فرماتے ہیں۔ مجھے میرے شیخ نے نبی اکرم ؐ کی زیارت کے لیے بیت المقدس جانے کا حکم دیا۔ جس وقت میں مسجد میں داخل ہوا۔ تو دیکھا کہ زمین و آسمان عرش و کرسی پر ہے۔ ہر جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جلوہ گر ہیں۔

دلیل ۱۶ = غوث کبیر شیخ عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ کے انوار سے تمام جہان پر ہے۔ اور عالم کی کوئی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نہ ہو۔ اور یہ نور آئینہ کی طرح ہے۔ تو جن مقدس حضرات کو حق تعالیٰ چشم بصیرت عطا فرماتا ہے۔ وہ ہر جگہ حضور کی صورت مقدسہ کی زیارت کر لیتے ہیں۔ جس طرح آئینہ میں انسان اپنا چہرہ دیکھتا ہے اسی لیے مشرق و مغرب کے مختلف حصوں میں ایک آن میں بہت سے لوگ زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور یہ امر حضور کے اختیار میں ہے۔ جس کو چاہیں اپنی صورت مقدسہ کی زیارت کرائیں جس کو چاہیں اپنی ذات کریمہ کی زیارت کرائیں۔ اور اس کے علاوہ تمام انبیاء و رسل اور تمام اولیاء امت کی صورتوں میں بھی زیارت کرواتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے مریدوں کو اپنے پیروں کی ذات میں حضور کی زیارت نصیب ہوتی ہے ۔ تو اس طرح حاضر و ناظر کا مسئلہ سمجھا جا سکتا ہے۔

3781

دلیل 17 ایک صحابی کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ خیال آیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ بیداری میں بھی دیکھے گا۔ اس فکر میں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دکھایا۔ وہ صحابی کہتے ہیں۔ میں نے جب آئینہ دیکھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہو گیا۔ سبحان اللہ آئینہ بھی اپنے سینہ میں تصور یار نقش کیے ہوئے تھا۔

دلیل 18 علامہ نورالدین علی حلبی فرماتے ہیں۔ جسم اقدس حضور پر نور ؐ سے کوئی زمانہ کوئی مکان خالی نہیں۔ عرش کرسی فرشتہ لوح و قلم۔ بحر و بر۔ برزخ و ہر ہر جگہ موجود ہے۔ عالم علوی اور عالم سفلی میں ہر جگہ جلوہ فگن ہے۔ اسی طرح ہے۔ جیسے روضہ انور میں۔ اور جب نبی اکرم علیہ السلام علوی و سفلی تمام جہانوں کے روح ہیں۔ تو ضروری ہے۔ جب تک جہان ہے۔ اس کی ہر چیز ہر جز میں جان ہے۔ ع

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے۔

دلیل 19 = ٹیلویژن میں غور کرنے سے نئے ذہنوں کے لیے۔ یہ مسئلہ باآسانی واضح ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی ٹیلیویژن اسٹیشن پر سامنے آتا ہے۔ اور ہزاروں میلوں میں مختلف ہزاروں مکانوں میں جہاں جہاں ٹیلیویژن رکھا ہوتا ہے۔ ہر جگہ وہ آدمی بیک وقت نظر آتا ہے۔ ہاتھ سر۔ منہ پاؤں ہلاتا۔ آنکھیں بند کرتا کھولتا۔ لبیں ہلاتا۔ اور بولتا ہوا۔ ان تمام جگہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کی گفتگو بھی سارے لوگ باقاعدہ سنتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ لوگ اسے دیکھتے ہیں۔ وہ نہیں دیکھتا۔ لوگ اس کی بات سنتے ہیں۔ وہ نہیں سنتا۔ یہ تو انسانی اور مادی ایجاد کا کرشمہ ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت روحانیت کے ساتھ اگر عالم کا ذرہ ذرہ ٹیلیویژن بنا دیا گیا ہو۔ اور گنبد سبز اس کا اسٹیشن تو کیا یہ قدرت خداوندی کے لیے مشکل ہے۔

اعتراض = مندرجہ بالا مضمون سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور پر نور ؐ کا مثل بلکہ امثال ممکن ہیں۔ حالانکہ حقیقت حقہ یہ ہے۔ کہ حضور بے مثل ہیں۔ جو اہلسنت وجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

جواب ۔ وہ تو خود حضور ہی ہوتے ہیں۔ یا حضور کے جلوے اور مظاہر ہوتے ہیں۔ اس کو مثل نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھیے خود اللہ تعالیٰ لا مثل لہٗ ہے۔ لیس کمثلہ اس کی شان ہے۔ مگر وھو معکم اینما کنتم بھی اسی کی شان ہے۔ تمام انبیاء و رسول اس کی ذات و صفات کے مظاہر ہیں۔ اس کے باوجود اس کی بے ہمتائی و یکتائی میں قطعاً فرق نہیں آتا۔ اور اگر یہاں معیت بے کیف اور از قبیل متشابہات ہے۔ تو وہاں بھی اسی طرح ہے۔ یہاں جیسے خدا کی شان کے لائق ہے۔ اور وہاں جیسے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق ہے۔ ؎

کارہائے انبیاء و رسول   ہست از افلاک و اختر ہا بروں (بالا)

دلیل ۲۰ = حضرت قضیب البان رضی اللہ عنہ پر عدالت میں شکایت کی گئی۔ کہ وہ تارک الصلوٰۃ ہے۔ جب قاضی نے دریافت کیا۔ تو وہاں قاضی کے سامنے ایک کی بجائے سات قضیب البان بن گئے۔ اور ان میں ایک بولا۔ ہم میں سے کس پر دعویٰ کرتے ہو۔ مختصر ضلالت والمضلون

دلیل ۲۱ = روایت کیا گیا ہے کہ ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ کو ۸ ذوالحجہ کو لوگوں نے بصرہ میں دیکھا۔ اور اسی روز آپ مکہ مکرمہ میں بھی دیکھے گئے تھے۔

دلیل ۲۲ = حضرت شاہ میراں سید بھیکو علیہ الرحمۃ کے احوال میں منقول ہے۔ کہ آپ ایک درخت کے سایہ میں قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ایک برہمن آکر عرض کرنے لگا۔ کہ ہندوؤں کے پیشوا رام سے ثابت ہے۔ کہ وہ ایک شب میں چالیس ۴۰ عورتوں کے پاس تمام رات رہتا تھا۔ کیا آپ کے پیغمبر سے ایسا کمال ثابت ہے۔ آپ نے جوش میں آکر فرمایا۔ آقا کا کیا پوچھتے ہو۔ غلام کو دیکھو۔ اوپر نظر اٹھا۔ اس نے اوپر جو دیکھا۔ تو درخت کے ہر پتہ پر میراں شاہ بھیکو علیہ الرحمۃ بیٹھے ہیں اور سب نے رحل پر قرآن کریم کھلا پڑا ہے۔ تلاوت کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ برہمن تو مسلمان ہو گیا۔ مگر جن کی قسمت میں ہو۔ سیدی فقیہ اعظم دامت برکاتہم کا شعر ہے۔ ؎

در یک مکان نشستہ بکنند سیر جاہا۔

مشہور شان اولیاء ہاشیار پر صلاح۔

اعتراض ۔ روح چونکہ لطیف ہے۔ اور مرتا بھی نہیں۔ اس لیے روح کی بات تو سمجھ

آسکتی ہے۔ مگر جسم کے متعلق بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔

جواب۔ انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ دوسرے اجسام پر قیاس نہیں کیے جاسکتے اور نہ اُن کی موت دوسروں کی طرح ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی موت لمحہ بھر کے لئے ہوتی ہے۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے۔ مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد اُن کی حیات مثل سابق وہی جسمانی ہے

اور ان کے جسم دوسروں کے بلکہ ارواح سے بھی لطیف تر اور پاکیزہ تر تابندہ تر ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا معشر الانبیاء تنبت اجسادنا علی ارواح اهل الجنة ہم انبیاء کی جماعت کے اجسام اہل جنت کے ارواح پر پروان چڑھائے جاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے جسم فانی نہیں ہوتے۔ کیونکہ اہل جنت کیلئے بقا ہے۔ فنا نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام فنبی اللہ حی یرزق۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کے نبی زندہ ہیں۔ رزق دیئے جاتے ہیں۔ سیدی عبد العزیز دباغ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

فتصیر الذات تفعل ما تفعله الروح — اس کی ذات یعنی جسم وہ تمام کام کرتا ہے جو روح کرتا ہے۔

اسی لئے۔ اولیاء کرام رضی اللہ عنہم ایک ہی قدم اٹھاتے ہیں۔ تو مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتے ہیں۔ شیخ نور الدین علی حلبی صاحب سیرۃ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وبالجملة والتفصیل فهو صلی اللہ علیہ وسلم موجود بین اظهرنا حسا ومعنا وجسما وروحا وسرا وبرهانا — یعنی حاصل مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسی معنوی جسمانی روحانی سری اور برہانی لحاظ سے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

؎ روح تو سب کی ہے زندہ ان کا جسم پر نور بھی روحانی ہے۔
اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف۔ ان کے جسم کی کب ثانی ہے

دلیل ۲۳ = رویت بصر کے متعلق دو قول عقلاء کے مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ آنکھ کے پردے جلید پر صورتوں کے ارتسام و انتقاش کے ذریعے چیزیں نظر آجاتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ آنکھ سے شعاع نور نکل کر مبصرات پر پڑتی ہے۔ تو چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اب آپ رات کو جس وقت ستارے خوب چمک رہے ہیں ان کی طرف دیکھیں۔ آپ کو بیک وقت ہزاروں ستارے نظر آئیں گے۔ پھر اسی کیفیت کی وساطت سے مسئلہ حاضر ناظر پر غور کریں۔ بآسانی منزل مقصود مل جائیگی۔ ان شاء اللہ۔ پہلے قول اور نظریہ رویت کے مطابق تمہاری آنکھ کی پتلی میں وہ سب ستارے جلوہ آرا ہیں۔ اور دوسرے نظریہ کی بنا پر آپ کا نور نظر آن واحد میں اُن مختلف ستاروں میں جلوہ گر ہے۔ پہلی صورت میں گو یا ستارے آنکھ کے پاس ہیں۔ اور دوسری صورت میں نور نظر ستاروں کے پاس ہے۔ مسئلہ حاضر وناظر میں یہ دونوں صورتیں موجود ہیں۔ یہ کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے پاس جلوہ گر ہیں۔ اور یہ کہ ساری کائنات ظاہری وباطنی شہنشاہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر و ناظر ہے۔ جیسے دلائل سابقہ سے واضح ہو چکا ہے۔

دلیل ۲۴ = بابل میں ایک آئینہ تھا۔ جو سارے ملک کی تازہ ترین صورت حال کا پتہ دیتا تھا۔ جب کسی شخص کے یا علاقہ کے کوائف مطلوب ہوتے۔ اس آئینہ میں نظر کرتے۔ تو اس کا پورا حال مشاہدہ کر لیتے۔ کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ یا وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ایسے جام جمشید کا قصہ پارینہ مشہور رہا ہے۔ جب انسانی عقل کی یہاں تک رسائی ہے۔ تو قادر مطلق خالق برحق کے نزدیک برحق محبوب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قلب کا عالم کیا ہو گا۔ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

اے فروغت صبح اعصار و دہور۔
چشم تو بینندۂ ما فی الصدور۔

دلیل ۲۵ = وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اپنے ہی دل کا مطالعہ کریں۔ آپ نے

جتنے شہر قصبے، محلے سڑکیں در و دیوار حیوانات مکانات جمادات شجر و حجر نہریں دریا، سمندر، میدان۔ انسان عمر بھر جو بھی چیزیں دیکھیں۔ جس قدر معلومات حاصل کیے ہیں۔ ان سب چیزوں کے فوٹو ہمارے دل میں موجود ہیں۔ اور بغیر کسی التباس کے وہ سب الگ جدا جدا محفوظ ہیں۔ گویا دل کے ایک نہایت چھوٹے سے کمرہ میں سارے جہان کے سارے محسوسات و معقولات کے نقشے مرتسم و منقش ہیں۔ لہٰذا اپنے دل میں ہی جستجو کیجیے ادھر ادھر گھومنے کی ضرورت نہیں۔ امام اہلسنت سیدی صدر الافاضل مراد آبادی فرماتے ہیں۔ ؎

اپنے ہی سینہ میں کیجیے اپنے دل بر کو تلاش

مصر میں کیا جائیے کیا چاہِ کنعاں دیکھیے۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ دل کا جہان بڑا ہی وسیع ہے۔ اس کی وسعت میدانوں اور ویرانوں سے فضاؤں اور آسمانوں سے سمندروں اور کہستانوں سے زیادہ تر ہے۔ یہاں تک کہ مجموعہ اضداد ہے کہ سیاہ و سفید یاس و امید سردی و گرمی۔ خشکی و تری خوشی و غمی وغیرہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ لیکن حیرت ہوگی۔ کہ بایں ہمہ وسعت و چشمِ چیونٹی سے زیادہ تنگ بھی ہے۔ جب اس پر خود غرضی کا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ جب وہ عشق و محبت کی وادیوں میں کھو جاتا ہے۔ یا جب وہ شح و بخل کی تاریکیوں میں گھر جاتا ہے۔ تو نوکِ سوزن کے برابر بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ مجنوں کے دل میں لیلیٰ کے جور و جفا سہنے کیلئے فضاء آسمانی سے زیادہ گنجائش ہے۔ لیکن کوئی مدِ سرا لیلیٰ کے آنچل کو ایک نظر دیکھ لے۔ اس کی گنجائش اصلاً نہیں۔ پروانے شیدا راہِ خدا میں تن من دھن سب کچھ نثار کر کے بھی سیر نہیں ہوتے۔ اعلیٰ حضرت اپنے دل کی تمنا کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔ ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا۔

نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا۔ کروں کیا دو جہاں نہیں۔

اقبال مرحوم انہیں عشاق کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

ہمہ سرمایہ خود را بہ نگاہے بخشند ایں چہ قومے است سودا بزیاں نیز کنند۔

لیکن بایں ہمہ فیاضی و لاابالی سلطانی کاموں میں تو ہے۔ لاشک ایک ذرہ بھر گنجائش
نہیں رکھتے۔ کیوں جناب اب بتائیے۔ تمہاری عقل اپنے ہی سینہ میں لٹکنے والے ایک چھوٹے
سے لوتھڑے کا یہ معمہ حل کر سکتی ہے۔ اگر نہیں۔ اور یقیناً نہیں تو پھر اپنی اس ناقص عقل
کو خیرباد کہہ دو۔ اور بات وہی تسلیم کر لو۔ جو اصحاب دل فرما رہے ہیں۔

دلیل ۲۶ = سرکار دوعالم ؐ کے جسم اقدس اور جامہ بشریت بے مثل و بے مثال
ہے۔

رخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ نہیں جسکا مثل اور آئینہ
نہ کسی کے وہم و خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں۔

اصحاب قلب و بصیرت عارفانِ اسرار فطرت واقفانِ رموز شریعت کے چند اقوال
آخر میں درج کرتا ہوں۔ جن سے اصل مسئلہ سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ اور بہت
سے شکوک و شبہات بھی ان شاء اللہ زائل ہوں گے۔ حضرت سیدی فقیہ اعظم سے
آج سے تقریباً چالیس سال قبل سنا تھا۔ کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھی نور
ہے۔ اس پر جو دلائل بیان فرمائے۔ ان میں یہ ایک دلیل تھی۔ کہ ساری کائنات حتی کہ
زمین اور وہ مبارک مٹی جس سے آنحضرت علیہ السلام کا جسم مقدس بنا یعنی حضور
علیہ السلام کے نور سے ہی پیدا ہوئی۔ اور یہ امر مسلم ہے۔ کہ چیز اپنے اصل
کے ساتھ مل جائے۔ تو منقلب ہو کر وہی بن جاتی ہے۔ مثلاً کوئلوں کے ڈھیر پر
ایک آگ کا انگارہ رکھ دیا جائے۔ تو تھوڑی ہی دیر میں وہ سارا ڈھیر آگ بن جائیگا۔
بلا تمثیل وہ مقدس مٹی جس وقت اپنے اصل نور کے ساتھ ملی تو نور بن گئی۔ یہی
وجہ ہے۔ کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

دلیل ۲۷ = صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ کہ لم یکن یری لہ ظل فی
شمس ولا قمر۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ سورج کی
دھوپ میں اور نہ چاند کی چاندنی میں۔

دلیل ۲۸ = حضرت غوثِ وقت سیدی عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ جس کا
خلاصہ یہ ہے۔ کہ روح انور جس وقت جسم مقدس میں سکون پذیر ہو گیا۔ تو
جسم اطہر میں بھی وہ تمام کمالات حاصل ہو گئے۔ جو روح میں تھے۔ اور روح کی طرح ہی

جسم میں مبصرات مسموعات مشمومات۔ مذوقات۔ ملموسات۔ اور دیگر معلومات پر مطلع ہونے لگا۔ بدیں وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے اور پیچھے برابر دیکھنا ثابت ہے۔

دلیل ۲۹ ۔ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ یریٰ من جمیع جہاتہ حضور پر نور علیہ السلام ہر طرف سے دیکھتے ہیں۔

دلیل ۳۰ ۔ شیخ عبدالرؤف مناوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ لانہ کان یریٰ من کل جھتہ میں حیث کان نورًا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے دیکھتے تھے۔ کہ آپ نور تھے۔ مرشدی فقیہ اعظم دامت برکاتہم نے کیا ہی ایمان افروز شعر ارشاد فرمایا

پس پیش یکساں بہ بدر گرگشتہ

پس پیش یکساں سراجا منیرا

دلیل ۳۱ ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت بطور اعجاز استتار صفات ہیبت و وقار میں مستور ہے۔ ورنہ کسی کی مجال کہ تاب لا سکے۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

گر نبود پردہ صفات محمد — خلق بسوز د نور ذات محمد۔

ہاں کبھی کبھی تھوڑا سا جلوہ دکھا بھی دیتے ہیں۔

دلیل ۳۲ ۔ حضرت حسان بن ثابت سے ثابت ہے کہ لما نظرت الی النورہ صلعم وضعت کفی علی عینی خوفًا من ذھاب البصری = میں نے جب نبی اکرم صلعم کے انوار کی طرف نظر کی تو اپنی ہتھیلی آنکھوں پر رکھ لی۔ اندھا ہونے کے ڈر سے۔

واللہ الہادی

نور الحبیب
جلد ۳
۱۴۰ تا ۳۲

30-5-2006

سایۂ نور

بلاشک وشبہ وریب آنحضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اس دعوٰی پر شاہد
عدل ایمان مومن ہی کافی ووافی ہے۔ جمہور آئمہ کرام وعلماء عظام قرناً فقرناً
تصریحات فرماتے چلے آئے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور نور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ہیں۔ اور احادیث مبارکہ سے اس نورانیت
کی شعاعیں۔ اپنی چمک دمک سے ابصار وبصائر کو متنور فرما رہی ہیں۔ اور
سب سے بڑھ کر وہ شہادت ہے۔ جو خود اس نور کے پیدا فرمانے والے نے صراحۃ
بیان فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین۔ تحقیق
آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب روشن۔ آئمہ فرماتے ہیں۔ کہ
اس نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور واؤ عاطفہ اسی طرف اشارہ
کرتی ہے۔ امام فخر الدین رازی اسی آیت کے ماتحت فرماتے ہیں۔
ان العطف یوجب المغایرۃ بین المعطوف والمعطوف علیہ فرماتے ہیں۔ ان
المراد بالنور محمد وبالکتب قرآن روح البیان میں ہے۔ ان الرسول
نور لان اول شئی اظہرہ الحق بنور قدرتہ من ظلمۃ العدم نور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کما قال صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نوری ثم خلق
العالم بما فیہ من نورہ الیٰ ان قال ولھذا کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول
انا من اللہ والمومنون منی وقال تعالیٰ قد جاءکم من اللہ نور وروی عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال کنت نورًا بین یدی ربی (الحدیث)
تفسیر جلالین میں ہے۔ ھو نور النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور
خطبہ کتاب میں وعدہ کر چکے ہیں۔ والاعتماد علی ارجع الاقوال خازن
اور معالم التنزیل میں ہے۔ یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان تمام کا
خلاصہ یہ کہ اس نور سے جو آیت میں وارد ہوا۔ ہمارے حضور پر نور
صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کی نورانیت
پر صدہا دلائل آیات واحادیث واقوال آئمہ قدیم وجدید پیش کر سکتے
ہیں۔ مگر اطمینان قلب کیلئے امید کہ یہی کافی ہوگا۔ اور جیسا حضور علیہ السلام

کا نور ہونا شمس الضحیٰ کی طرح واضح ہوا۔ تو سایہ کا نہ ہونا خود بخود
معلوم ہو گیا۔ بدیہیات اولیہ سے واضح ہے۔ کہ نور اور سایہ کا اتفاق نہیں
ہو سکتا۔ بحمدہٖ تعالیٰ حق جواب سوال تفصیل و اجمال کے متوسط پیرایہ
میں ادا ہو گیا۔ اور آفتاب نیم روز و ماہ نیم ماہ سے بھی حق زیادہ نمایاں
ہوا۔ مگر ان بے چارے سادہ الواح کیلئے جو محض لکیر کے فقیر ہیں۔ چند
تصریحات احادیث و اقوال آئمہ و علماء تفسیر و حدیث تحریر کی جاتی ہیں۔
حضرت امام اجل جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ نے الخصائص الکبریٰ میں اس
موضوع کے لئے مستقل باب مرتب فرمایا۔ فرماتے ہیں ص ۳۸ ج ۱ باب الآیہ
فی انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یُریٰ لہٗ ظل یعنی باب اس شان نبوت میں
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ اسے دکھائی نہ دینے میں ہے۔ اور پھر اس
باب میں حضرت حکیم ترمذی سے حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی۔ حیث
قال اَخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لم یکن یُریٰ لہٗ ظلٌّ فی شمسٍ ولا قمرٍ۔ یعنی بے شک رسول اللہ علیہ السلام
کے لئے دھوپ میں سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اور نہ چاندنی میں۔ اور پھر حضرت
امام ابن سبع سے اس پر شہادت نقل فرماتے ہیں۔ قال ابن سبع من
خصائصہٖ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ ظلہ کان لا یقع علی الارض وانّہٗ کان
نوراً فکان اِذا مشی فی الشمس والقمر لا ینظر لہٗ ظلٌّ۔ آنحضرت
علیہ السلام کے فضائل خاصہ سے ہے۔ کہ بے شک آنحضرت علیہ السلام کا سایہ
زمین پر واقع نہیں ہوا کرتا تھا۔ اور بے شک آپ نور تھے۔ اور جس وقت آپ دھوپ
اور چاندنی میں چلتے تھے۔ آپ کیلئے سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا۔ نیز حضرت امام
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو مسلم امام ہیں۔ شفا شریف صفحہ ۲۴۳ جلد ۱ میں
فرماتے ہیں۔ وما ذکر من انّہٗ کان لا ظل لشخصہٖ فی شمسٍ ولا قمرٍ
لانّہٗ کان نوراً۔ حضور علیہ السلام کے دلائل نبوت و رسالت سے ہے۔ وہ بات
جو مذکور ہوئی۔ کہ بلا شبہ نبی علیہ السلام کے جسم اطہر کے لئے دھوپ اور چاندنی
میں سایہ نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ نور تھے۔ حضرت محقق برحق شاہ عبدالحق محدث

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مدارج النبوۃ ص۲۱ جلد ۱ میں فرماتے ہیں۔ بنود مر آں
حضرت را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان
فی نوادر الاصول الی ان قال و نور یکے از اسماء آنحضرت است
و نور را سایہ نباشد نیز ص۸۱۸ جلد ۱ میں فرماتے ہیں۔ و نمی افتاد
آنحضرت را سایہ بر زمین کہ محل کثافت و نجاست است و دیدہ نشد اورا
سایہ در آفتاب۔ الی ان قال چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عین نور باشد
و نور را سایہ نباشد۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ تھا۔
اس لیے کہ آپ نور ہیں۔ اور نور کے لیے سایہ نہیں ہوتا تفسیر روح البیان
ص۱۳۵ جلد ۶ - امام فخر الدین رازی سے منقول ہے۔ ان ظلّ شخصہ الشریف
کان لا یظھر فی شمس ولا قمر۔ یعنی تحقیق حضور علیہ السلام کا سایہ
دھوپ اور چاندنی میں ظاہر نہ ہوتا تھا۔ حضرت شیخ سلیمان جمل فتوحات
احمدیہ ص۵ میں ناقل انہ لم یکن لہ ظلّ فی شمس ولا قمر یعنی آنحضرت ؐ
کے لیے دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہ تھا۔ نیز امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ
مکتوبات شریف میں ص۱۸۷ جلد ۳ - میں فرماتے ہیں۔ ناچار او را سایہ
نہ بود۔ یعنی حضور آپ کا سایہ نہ تھا۔ نیز حضرت شاہ عبد العزیز تفسیر عزیزی
ص۲۱۹ میں فرماتے ہیں۔ و سایہ ایشاں بر زمین نمی افتد - اور ان کا سایہ
زمین پر نہ گرتا تھا۔ مجمع البحار ص۳۰۳ جلد ۳ میں ہے۔ من اسمائہ ؐ
النور قیل من خصائصہ انہ اذا مشی فی القمر والشمس لا ینعقد لہ
ظلّ۔ آنحضرت ؐ کے اسمائے مبارکہ سے ہے۔ نور فرمایا گیا کہ آپ کے فضائل خاصہ
میں سے شمار کیا گیا کہ آپ کیلئے چاندنی اور دھوپ میں سایہ ظاہر نہیں ہوتا
تھا۔ نیز تفسیر روح البیان ۱۳۵ - ۶ - امام فخر الدین رازی کی کتاب
الاشارات سے ہے۔ و دخل علیہ عثمان فاستشارہ فقال یا رسول اللہ
اَخذتُ غیرۃَ عائشۃ مِن ظلّکَ اِلّا انّی رأیت اللہ قد صان ظلّک ان یقع
علی الارض انّی لان ظلّ شخصہ الشریف کان لا ینعقد فی شمس
ولا قمر لأن لا یوطأ بالاقدام ؐ۔ حضرت ذالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بلا شبہ میں یقین کرتا ہوں کہ
اللہ تبارک وتعالیٰ نے ضرور محفوظ کیا۔ آپ کے سایہ کو زمین پر واقع ہونے
سے یعنی آپ کا سایہ دھوپ اور چاندنی میں ظاہر نہ ہوتا تھا۔ تاکہ کبھی پلید زمین
پر واقع نہ ہو جائے۔ اور ان دو وجوہ میں کچھ تنافی نہیں۔ بلکہ دونوں وجہیں
وجیہہ ہیں۔ کہ راوی نے اختصاراً ایک ایک پر اکتفاء کیا۔ اور اصل میں
دونوں ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوۃ رکن چہارم ص۱۰۱ میں حضرت عثمان
غنی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ذی النورین گفت بآں دلیل کہ خدائے تعالیٰ روا نمے دارد کہ
سایہ تو برزمین افتد و سیباو آنست کہ مبادا زمین نجس باشد یا
آنکہ کسی پائے قدم برسایہ تو نہد۔ یعنی عثمان غنی نے عرض کی کہ خدا
وند تعالیٰ یہ جائز نہیں رکھتا۔ کہ آپکا سایہ زمین پر واقع ہو۔ اور اس کی وجہ
یہ ہے۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ زمین پلید ہو۔ یا کوئی آپ کے سایہ پر قدم رکھے۔
ان ارشادات طیبات اور احادیث واقوال آئمہ وعلماء قدیم وحدیث سے
نہایت ہی نمایاں اور درخشاں ہوا۔ کہ آنحضور علیہ السلام کیلئے سایہ نہ
تھا۔ اور سایہ نہ ہونے کے اسباب وجوہ بھی بعض حضرات نے ذکر فرمائے۔
بعض نے نورانیت حضور پر نور کو دلیل ٹھہرایا۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا۔
خصائص سے امام ابن سبع علیہ الرحمۃ کا ارشاد انہ کان نوراً اور
قاضی عیاض سے لانہ کان نوراً۔ اور مدارج النبوۃ سے نور را سایہ نبا
شد سن چکے اور یہ وجہ بھی مذکور ہوئی۔ کہ سایہ نہ ہونا نبوت کے
علامات ونشانات سے ہے۔ اور آپ کے فضائل خاصہ سے ہے۔ چنانچہ
الخصائص الکبریٰ اور شفا شریف وغیرہما سے گزر چکا۔ باب الآیۃ وغیرہا
اور علاماتِ نبوۃ خارقۃ العادۃ ہی ہوتی ہے۔ اور بعض نے یہ وجہ ذکر فرمائی۔
کہ پلید زمین پر واقع ہونے سے سایہ اطہر کو بچانا مقصود تھا۔ چنانچہ شیخ
علیہ الرحمۃ سے قولاً نقلاً سن چکے۔ نے افتاد آنحضرت را سایہ برزمین
کہ محل نجاست وکثافت است مبادا برزمین نجس افتد۔ اور بعض نے
یہ سبب ذکر فرمایا۔ کہ اس لئے سایہ نہیں تھا۔ کہ کسی کا پاؤں نہ آجائے۔

چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ روح البیان اور معارج النبوۃ سے منقول ہوا۔ لان
لا یوطا بالاقدام اور ایک نہایت ہی زبردست الطف دلبر کیف وہ علت ہے۔
جیسے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ذکر فرمایا: لطافت آں جانِ جاں و
روح و رواں و ایمان صلی اللہ علیہ وسلم اور سنیئے فرماتے ہیں۔ مکتوبات شریف
ص ۱۸۷-۳۔ نیز در عالم شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تر است۔
و چوں لطیف تر از وے در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد علیہ علی
آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔ یعنی جہانِ ظاہر میں ہر شخص کا سایہ اس سے
زیادہ لطیف ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لطیف جہان میں کچھ بھی
نہیں۔ تو آپ کے لئے سایہ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ نیز ص ۲۳۷ - میں
فرماتے ہیں۔ ہرگاہ محمد رسول اللہ از لطافت ظل نبود خدائے محمد را چگونہ ظل
باشد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جب محمد رسول اللہ کیلئے بسبب لطیف ہونے کے
سایہ نہیں ہے۔ تو محمد رسول اللہ کے خدا کیلئے سایہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ
آپ کی لطافت کا یہ عالم کیوں نہ ہو۔ کہ آپ سراپا نور جان لطافت کے سرور ہیں۔
جس کا ثبوت اوّل میں کچھ بیان ہوا۔ اور اب آخر میں ایک نہایت ہی ایمان افروز
و اوہام سوز حدیث پاک ذکر کروں جس میں محبوب اعظم کی نورانیت کبریٰ کا
تفصیلی بیان۔ خود محبوب اکرم کی زبان فیض ترجمان سے ہے۔ اور دل کے کان
کھول کر سنیئے = صحیح بخاری ۹۳۵-۲ - مسلم - ۲۶۰-۱ - ترمذی ۱۸۳
-۲ = سنن ابوداؤد ۱۹۲-۲ = میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث
ہے۔ الٰہی بنادے میرے دل میں نور۔ اور میری قبر میں نور۔ اور میرے آگے نور۔
اور میرے پیچھے نور۔ اور میری دائیں جانب نور۔ اور میری بائیں جانب نور۔ اور
میرے اوپر نور۔ اور میرے نیچے نور۔ اور میرے کان میں نور اور میری آنکھوں میں
نور۔ اور میرے بالوں میں نور۔ اور میرے پوست میں نور۔ اور میرے گوشت
میں نور۔ اور میرے خون میں نور۔ میری ہڈیوں میں نور۔ آخر بڑا کر میرے
لئے نور۔ اور عطا کر مجھے نور۔ اور بنادے میرے لئے نور۔ اور میرے عصبا (پٹھے)
میں نور۔ اور بنادے میری ذات میں نور۔ اور بنادے مجھ کو نور صورت سے

کہ آنحضرت سراسر نور ہیں۔ اول ہی سے نور ہیں۔ جیسے ثابت ہو چکا۔
تو اس دعا سے مراد تحدیثِ نعمت و تواضع و استدامت و تعلیم امت کے
احتمالات ہیں۔ چنانچہ دعا آخر سورۃ البقرہ کے متعلق آئمہ کرام فرماتے ہیں۔
کہ تحدیثِ نعمت مراد ہے۔ اور جیسے باوجودیکہ اولئک علی ھدی من ربھم۔
وارد ہر نماز میں متکرر اھدنا الصراط المستقیم۔ کی دعا بغرض استدامت
وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ اور ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خاص اس حدیث کے
متعلق تحدیث بالنعمۃ کی تصریح فرمائی اور آئمہ کرام ادعیہ سرکار ابد قرار
کے لئے احتمالات مذکورہ کا نشان دیتے ہیں۔ (۱۲ منہ غفرلہٗ)

تحدیث نعمت و استدامت و تواضع تعلیم امت میں تو مدعا حاصل
ہو گیا ہے۔ اگر بالفرض طلب غیر حاصل ہی مقصود ہو تو تب بھی مقصود حاصل
کہ حدیث شریف میں وارد کل بنی بجا ہے۔ بلکہ قرآن کریم کا فرمان بھی۔
قال ربکم ادعونی ———— اذا دعان = بہر حال ثابت ہوا کہ
محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعضاء مبارکہ میں نور ہی نور تھا۔ بلکہ خود
حضور نور ہی تھے۔ اور طرفہ یہ کہ آگے پیچھے دائیں بائیں۔ اوپر نیچے نور ہی
نور تھا۔ تو اس کیفیت مبارکہ کا تصور ہی صریح طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ
آپ کے لئے سایہ کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ انسان جو معنی میں انسان ہے۔ اگر دل
سے مضمونِ حدیث ھذا کی تصدیق کرتے ہوئے۔ غور کرے تو آفتاب سے بھی زیادہ
روشن پائے گا۔ کہ اس آفتاب ربانی کیلئے سایہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں حیران ہوں
کہ نفی سایہ میں کون سا استحالہ ہے کہ تسلیم نہ کیا جائے۔ حالانکہ بہت سے اجسام
کیلئے مشاہدہ ثابت و مسلّم کہ سایہ نہیں۔ جیسے سات آسمان اور ہوا وغیرہ
تو اس جانِ لطافت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سایہ کا نہ ہونا کیونکر محال و
مستبعد ہو سکتا ہے۔ حالانکہ دلائل صریحہ کثیرہ ظاہرہ زاہرہ قاہرہ باہرہ
سے نفی سایہ ثابت ہے۔ اور سایہ نہ ہونے کا کوئی دلیل نہیں۔ لہذا مانعین کے
بعض معتمدین نے بھی بڑے صاف اور واضح الفاظ میں سایہ کا نہ ہونا ذکر کیا۔

اور اس پر دلائل بھی قائم کیے۔ مدرسہ دیوبند کے بڑے خصوصی مفتی اعظم مولوی عزیز الرحمن صاحب جو مستقل دارالافتاء دیوبند کے اولین مفتی ہیں۔ ان کا فتویٰ فتاویٰ دیوبند عزیز الفتاویٰ ص ۲۰۲ - ۸ میں بایں الفاظ ہے۔

آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا | ۱۳۶۴: وہ کون سی حدیث ہے جس میں یہ ہے۔ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا؟۔

(الجواب) امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرتؐ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یریٰ لہ ظل فی شمس ولا قمر = اور تواریخ حبیب الہ میں مولانا مفتی عنایت احمد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آپ کا بدن نور تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا۔ مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سایہ نہ ہونے کا خوب نکتہ لکھا ہے۔ اس قطعہ میں سے

پیغمبر ما نداشت سایہ تا شک بدل یقین نیفتد
یعنی ہر کس کہ پیرو است پیداست کہ زمین نیفتد

(انتہی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ)

نیز مولانا نور محمد صاحب جوگروی نے اپنی مشہور کتاب شہباز شریعت ص ۲۱۰، ۲۱۱ کے تیرہ شعروں میں سایہ نہ ہونے کی تیرہ دلیلیں بیان کی ہیں۔ جن کی تفصیلی تقریر جناب حافظ محمد صاحب لکھی کر والے اس کے حاشیہ شمشیر طریقت میں بایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں۔ سلہ اور رحمت الخ) خدا تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ انبیاء کے آخر میں فرمایا۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ یعنی اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت سارے واسطے جہانوں کے۔ پس گویا سایہ آنحضرتؐ کا ہی ہے اس لیے جو شخص تابع احمت ہے۔ وہ اس کے سایہ کے نیچے آجاتا ہے مصنف نے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کے بارہ میں تیرہ وجوہ تیرہ بیتوں میں بیان کی ہیں۔

ابتدا ان تیرہ بیتوں کی اس مصرعہ سے ہے۔ ع

اس رحمت عالم سیدا سایہ دھرتی عمل نہ پڑندا۔

اور آخری مصرعہ ان تیرہ بیتوں کا یہ ہے۔

ع۔ بس کر نور محمد کیونکر سایہ سرور کیتا۔

تیرہ وجوہ ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ کافر یا منافق اس سایہ
پر پاؤں نہ رکھے۔ دوسرا یہ کہ سایہ تاریکی اور سیاہی سے خالی نہیں ہوتا۔ اور
آنحضرت کا جسم نورانی ہے۔ یہ کہ اس نے اپنا سایہ واسطے شفاعت دن حشر
کے ذخیرہ رکھا ہے۔ جیسا کہ اپنی دعا کو شفاعت کیلئے ذخیرہ رکھا ہے۔ چنانچہ حدیث
بخاری اور مسلم میں لکھا ہوا ہے۔ چوتھے یہ کہ سایہ اس کا رحمت ہے۔ پانچویں یہ کہ
آنحضرت جہان کے پیشوا ہیں۔ اب نہ ہو کہ سایہ اس کے آگے ہو۔ چھٹے یہ کہ
سایہ ہر چیز کا اس کے نزدیک ہوتا ہے۔ اور سایہ تاریک ہے۔ اور آنحضرت
تمام چیزوں سے روشن ہیں۔ پس مناسبت نہیں کہ تاریکی اس کے نزدیک آئے
جو ہمیشہ روشن ہے۔ ساتویں یہ کہ سایہ کی دلیل آفتاب ہے۔ اور سایہ ہر چیز
کا بسبب بلند ہونے آفتاب کے کم ہو جاتا ہے۔ اور مناسب نہ تھا۔ کہ آفتاب
آنحضرت کے سایہ کو کم کر دیوے۔ آٹھویں یہ کہ علم الٰہی میں لوگ دو گروہ ہیں۔
فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔ یعنی ایک گروہ جنتی اور ایک گروہ دوزخی
پس مناسب نہ تھا۔ کہ کوئی شخص اس کے سایہ کے نیچے آ کے۔ اور پھر دوزخی ہو جائے
نانویں یہ کہ سایہ ہر شخص کا زمین پر سجدہ میں ہوتا ہے۔ اور اکثر لوگ آپ ہی
سجدہ سے محروم ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے سردار تھے۔
پس حاجت سجود سایہ کی نہ تھی۔ دسویں یہ کہ خدا تعالیٰ مومنوں کو تاریکی
سے نکال کر۔ نور کی طرف لاتا ہے۔ اور آنحضرت کا سایہ ظاہر ہوتا۔ تو اس کا عکس
ہوتا۔ گیارہویں یہ کہ جوہر صافی کا سایہ ہمیشہ روشن ہوتا ہے۔ اور آنحضرت سبھا
سے زیادہ روشن تھے۔ بارہویں کہ سایہ ہر ایک کا دوسرے کے سایہ سے مل جاتا ہے۔
اور مناسب نہ تھا۔ کہ آنحضرت کا سایہ دوسروں کے سایہ سے خلط ملط ہوتا۔ تیرہویں
یہ کہ صاف چیز پر سایہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ اور ناپاک چیز پر سایہ میلی ناپاک

نظر میں آتا ہے۔ پس مناسب نہ تھا۔ کہ آنحضرت کا سایہ نہ ہو کر دکھائی دیتا۔
بہر حال اہل انصاف کیلئے بات بارہ حق ثابت واضح ہے۔ دعا ہے کہ حضرت رب العالمین
ہمیں صراط مستقیم پر ہی چلائے۔ اور حسد و ضد اور عناد سے بچائے۔ ؎

کونین میں ممکن نہیں ان کا ہمسر — مبعوث ہوئے گرچہ بہت پیغمبر
بے مثلی پہ کامل ہے۔ یہ حجت منکر — معلوم ہوا سایہ جسم اطہر۔

حرف آخر

مذکورہ بالا عبارات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ نبی کریم علیہ السلام حقیقی معنوں کہ دونوں لحاظ سے نور ہیں۔ اور یہی عقیدہ تابعین اور تبع تابعین اور آئمہ کرام اولیائے عظام اور تمام مومنین کا ہے۔ بغرض اختصار صحابہ کرام کی بعض عبارات ہی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ کیونکہ عقل سلیم والوں کے لیے۔ اس سے مسئلہ نور اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ اور نہ ماننے والوں کے لیے۔ دفتر کے دفتر ناکافی۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے

نور الحبیب ربیع الاول ۱۳۹۸
فروری ۱۹۷۸ سلسلہ تبلیغ ۱۴۳ / ۲۱
حضرت ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی برکاتہم العالیہ

۳-۰۶-۲۰۰۶

مُصلح اعظم ﷺ

(پروفیسر حافظ منظور حسین صاحب)

تعریف و توصیف مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وہ بحر بیکراں ہے کہ سمندر اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود اس کے سامنے ایک کوزۂ آب سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا اس سمندر کو اگر کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی جائے تو ناکامی مقدر ہوگی۔

اس مصلح اعظم کی سیرۃ طیبہ کا بیان ہے۔ جس سے بہتر مادر گیتی نے آج تک نہیں جنا۔ اس ذات والا صفات پر گفتگو ہے۔ جس سے برتر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا۔ ؎

واجمل منک لم ترقط عینی

واکمل منک لم تلد النساء

ان کی عادات علیہ اور صفات سنیہ کا تفصیلی بیان تو درکنار یہاں تو ایک وصف کے بیان میں زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور قلم ٹوٹتے جا رہے ہیں۔ ؎

تیرا آنا تھا کہ اصنام حرم ٹوٹ گئے۔

تیرے رعب سے شہہ زوروں کے دم ٹوٹ گئے

تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا۔

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے۔

مگر زبان قلم آج ثنائے محبوب میں بے تاب ہے۔ کہ اس کا وظیفہ یہی ہے۔ لہٰذا اسے کہنے دو کہ نقاش ازل کا بہترین نقش، مصور فطرت کی بہترین تصویر اور اخلاق عالم کی بہترین تخلیق یہی وجود باجود ہے۔ کہ دست قدرت کو بھی اپنے شاہکار پر ناز ہے۔ ؎

کائنات حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی۔

اور جب سمٹی تمہارا نام ہو کر رہ گئی۔

اسی لیے ارشاد فرمایا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

تمہارے لئے رسول اللہ کی مقدس ذات بہترین نمونہ ہے۔

کاریگر اپنے سیمپل پر۔ شاعر اپنے شاہکار پر۔ مصور اپنے مرقع پر اور انجنیئر اپنے اعلیٰ تعمیر پر سارا ہنر صرف کر دیتا ہے۔ بعد تمثیل دستِ قدرت نے بھی اس ذات ستودہ صفات پر اپنے سارے کمالات کا اظہار فرما دیا۔

؎ رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ

نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں۔

دنیا میں بہت سے ریفارمر بہت سے مصلح۔ بہت سے دانشور۔ بہت سے فلاسفر۔ بہت سے ادیب و شاعر۔ بہت سے رہبر و راہنما۔ اور بہت سے سیاسی لیڈر ہو گئے ہیں۔ مگر کسی کے کردار میں ایسی وسعت آفاقیت۔ عالمگیریت اور UNIVERSALITY نہیں۔ کہ ہر ایک اسے اپنے لیے نمونہ بنا سکے۔ یہ سرور کائنات خیر موجودات علیہ السلام کی ہی ذات اقدس کا اعجاز ہے۔ کہ ہر شخص اسے ذریعہ نجات بنا سکتا ہے۔

بچے آمنہ طیبہ طاہرہ کے در یتیم کو دیکھیں۔ نوجوان مکہ کے نیچی نگاہوں والے باحیا جوان کو بوڑھے مدینہ عالیہ کے شیخ کامل کو۔ زاہد و مسکین حرا کے گوشہ نشین کو بادشاہ دو عالم کے تاجدار کو۔ خیبر پیٹ پر پتھر باندھنے والے متوکل کو۔ جرنیل بدر و حنین کے سپہ سالار کو۔ مظلوم مکہ کے بے یار و مددگار کو۔ خاوند سیدہ صدیقہ کے شوہر کو۔ باپ فاطمۃ الزہرا کے والد ماجد کو۔ مزدور مسجد نبوی کے لیے پتھر ڈھونے والے۔ اور خندق کھودنے والے مزدور کو۔ بھوکے شعب ابی طالب کے محصور کو۔ مسافر طائف کے پردیسی کو مالک زید بن حارثہ کے آقا کو۔ منعم غزوہ حنین کا مال غنیمت بانٹنے والے کو۔ تاجر ملک شام کے سوداگر کو۔ غلام اللہ کا شکر گزار بندے کو۔ طالب خدا اللہ پر حق کے اس طالب صادق کو۔ اور مطلوب اللہ کے اس محبوب کو۔ اور اسکی بانکی۔ البیلی پیاری اور نیاری اداؤں کو دیکھیں۔ اور اپنی زندگی کو سنواریں مگر ؎

نہ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی۔ ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی۔

کیونکہ وہ جلوہ روبرو ہو۔ مگر آنکھ بے نور ہو تو کچھ نظر نہیں آتا ؎

؎ حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ مگر۔

آنکھ والا۔ تیرے جوبن کا تماشا دیکھے۔ دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے ؎

کیونکہ پہلے انبیاء و رسل کے برعکس ان کی نبوت کسی ایک قریہ بستی شہر۔ صوبہ ملک

یا قوم تک محدود نہیں۔ بلکہ جملہ کائنات کیلئے ہے۔ اسی لئے ان میں استعداد نبوۃ ورسالت اور رشد وہدایت بھی اتنی پیدا کی گئی جو سب کے لئے کافی ووافی ہو۔ ہاں۔ وما ارسلنک الا کافۃ للناس کا تاج انہی کے فرقِ ناز پر سجایا گیا۔ اور قل یاایہا الناس انی رسول اللہ کا سہرا انہیں کی جبینِ مبین پر لٹکایا گیا۔ ؎

؎ جس کے زیرِ نگیں ہیں سماک وسمک
جس کے گھر میں ہیں چاند سورج فلک

جس کے حلقے میں ہیں۔ انبیاء وملک
جس کا سکہ رواں فرش سے عرش تک

اس جہانگیر بعثت پہ لاکھوں سلام۔

انسانیت مدتوں در بدر ٹھوکریں کھاتی رہیں۔ کہ اسے سہارا مل جائے۔ آدمیت صدیوں اندھیروں میں بھٹکتی رہی۔ کہ اسے ہدایت کی روشنی نصیب ہو۔ تا آنکہ رحمتِ باری ~~نصیب ہے~~۔ جوش میں آگئی۔ اور اس سراپا نور کو مبعوث فرمایا۔ جس کے آتے ہی ظلم وستم جہالت کے اندھیرے کھٹنے لگے۔ اخلاقی پستیوں کے بادل چھٹنے لگے۔ اور جبر واستبداد کے طوق وسلاسل کٹنے لگے۔

کسی بھی اچھے مصلح کیلئے ضروری ہے۔ کہ اس کی ~~خود~~ اپنی تربیت بہترین ہوئی ہو۔ سبحان اللہ۔ میرے آقا وہ مصلح اعظم ہیں جنہیں علمنا ہ من لدنا علماً۔ کے مدرسے میں پڑھایا گیا۔ فانک باعیننا کی تربیت گاہ میں پروان چڑھایا گیا۔ مکارم اخلاق کا اس ذات پر اتمام کر کے انک لعلیٰ خلق عظیم کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا گیا۔ ؎

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا۔ تیری خلق کو حق نے جمیل کیا۔
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسن وادا کی قسم۔

یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی زبان حق گو ان کا دماغ حق اندیش اور ان کی آنکھ حق بین تھی۔ ابو داؤد کتاب العلم میں حضرت عبداللہ کی روایت ہے۔ کہ میں جو کچھ حضور علیہ السلام فرماتے لکھ لیا کرتا تھا۔ بعض حضرات نے مجھے منع کیا۔ کہ ہر بات نہ لکھنی چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کبھی غصہ وغضب کی حالت میں کوئی ایسی بات بھی زبان

مبارک سے نکل جائے جو لکھنے کے قابل نہ ہو۔ ہیں میں لکھنے سے رک گیا۔ اور اس بات کا ذکر سید عالم ﷺ سے کیا۔ تو آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے دہان اقدس کی طرف اشارہ کیا۔ اور فرمایا۔ اکتب فوالذی نفسی بیدہ لا یخرج منہ الا الحق لکھا کر قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس منہ سے نہیں نکلتا سوائے حق کے گویا جس طرح سونے کی کان سے لوہا نہیں نکل سکتا۔ زبان مصلح سے کوئی غلط بات نہیں نکل سکتی۔

ع زبان جس کی ہر بات وحی خدا۔ چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام۔

مصلح کے لئے دوسری شرط یہ ہے۔ کہ صلاح کا پیام بر اپنے منشور کا عملی ثبوت مہیا کرے۔ اس سلسلے میں سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام ہے۔ کہ بار بار شاید آپ کے عمل کو سیدہ عائشہ رض کان خلقہ القرآن۔ کے الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔ اگر آپ نے دوسروں کو خدمت خلق کا سبق دیا تو خود بیوں، بیواؤں یتیموں اور ضعیفوں کا ہاتھ بٹایا۔ اگر دوسروں کو عبادت کا شوق دلایا۔ تو خود بھی رات بھر قرآن سنایا۔ حتی کہ پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ حضرت عمر نے آپ کو آرام کا مشورہ دیا۔ تو فرمایا۔ افلا اکون عبداً شکوراً کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ آپ کے اوضاع و اطوار اور افعال و اعمال قرآن کریم کی عملی تفسیر تھے۔ گویا اصلاح و ہدایت کا ایک منشور اوراق میں مسطور تھا۔ تو دوسرا مدینہ طیبہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ آج بھی قرآن حکیم کو زبانی یاد کرنے والا۔ اگرچہ حافظ قرآن کہلاتا ہے مگر حقیقتاً حافظ قرآن وہی ہے۔ جس نے اس قرآن ناطق کی اداؤں کا نقشہ کھینچ دیا۔

ع مقصود جس کو رہتا ہو کسی کے مصحف رخ کا۔
میرے مذہب میں اس کو حافظ قرآن کہتے ہیں

خدا مغفرت کرے حضرت مولانا محمد یار نے کیا خوب فرمایا۔

ع محمد بن کے جینا جام توحید خدا پینا
قلندر اس کو حضرت عشق کا تقویٰ کہتے ہیں۔

کسی بھی ہادی اور مصلح کے لئے تیسری ضروری شرط یہ ہے۔ کہ اُسے اپنے مشن

سے والہانہ لگاؤ ہو۔ اور وہ اپنی تمام تر قوتیں اسی مقصد کے حصول میں صرف کر دیا
اس کاوش کے سلسلے کی کڑیاں کوہ صفا سے لیکر طائف کے بازاروں تک اور پسینے
کے شگفتہ قطروں سے لیکر خون مقدس کے فواروں تک پہنچتی ہے۔ آپ کی تبلیغی
کوشش۔ آفتاب عالمتاب کے طلوع سے لیکر شام کے گیسو بکھر جانے تک
اور رات کے اندھیروں سے صبح کے اجالوں تک جاری و ساری رہتی۔ روایات و
اخبار شاہد ہیں۔ کہ آپ نے اپنی گراں مایہ عمر قدس کا ایک ایک لمحہ تبلیغ
و اصلاح و ارشاد کی نذر کر دیا۔ حتیٰ کہ بارگاہ صمدیت سے بھی اظہار تشویش
ہونے لگا۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین۔ اے پیارے کیا
تم ان کے عدم ایمان کے افسوس میں اپنی جان کو گھلا دو گے۔

عجب طرہ یہ ہے۔ کہ اس تمام جد و جہد اور محنت و مشقت میں کوئی
غرض اور لالچ پوشیدہ نہ تھا۔ کفار مکہ نے سیادت و قیادت کا تاج پہنا
دینے۔ دولت و ثروت کا انبار لگا دینے اور حسین و جمیل عورتیں بیاہ دینے
کی پیشکش کی۔ اور تبلیغ حق سے روکنا چاہا۔ مگر آپ کا پائے ثبات
ذرہ بھر نہ ڈگمگایا بلکہ زبان فیض ترجمان سے یہی سنایا۔ لا اسئلکم
علیہ اجرا۔ میں تم سے کسی معاوضہ کا خواہشمند نہیں۔ ابو طالب نے کہا یا
تو فرمایا چچا جان۔ اگر یہ لوگ سورج میرے دائیں ہاتھ۔ اور چاند میرے بائیں ہاتھ
پر لا کر رکھ دیں۔ تو تب بھی تبلیغ حق و صداقت سے باز نہ آؤں گا۔

اسی شبانہ روز بے لوث اور انتھک محنت کا اثر تھا۔ کہ جس عرب پر
صدیوں سے جہالت کی دبیز تہیں جم چکی تھیں۔ چند سالوں میں ہی نور ایمان
و عرفان سے ہی جگمگا اٹھا۔ آپ نے پاؤں تلے روندی ہوئی۔ انسانیت کو امید۔ روشنی
اور کامرانی کا پیغام دیا۔ شرک کے اندھیرے دور کیے۔ کفر سے پاک کیا۔ اور ضلالت کے
پردوں کو چاک کیا۔ گرتوں کو ٹھہرایا۔ روتوں کو ہنسایا۔ اور بندوں کو خدا سے ملایا۔
نفرت کو محبت میں۔ عداوت کو مودت میں۔ ظلم و استبداد کو عدل و انصاف
میں تبدیل کر دیا۔ حیوانیت کو انسانیت کا لباس پہنایا۔ بہیمیت کو آدمیت کے
آداب سے سجایا۔ چوروں کو محافظ دولت اور امانت۔ لٹیروں کو پاسبانِ عصمت

بنایا۔ اونچ نیچ کی لعنتوں کو ملیامیٹ کیا۔ اور رنگ و نسل کے بت پاش پاش کر دیے۔
فرمانبرداروں کو فرمانروائی بخشی اور غلاموں کو دارائی۔ یہ تاریخ کا بہت بڑا انقلاب
تھا کہ سردارانِ قریش نیچے بیٹھے تھے۔ اور بلال نامی حبشی کو جو کبھی ان کا غلام تھا۔
اور پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لایا کرتا تھا۔ کعبے کی مقدس چھت پر پاؤں جمائے
لوگوں کو پکار رہا تھا۔ یہ اعجاز کس مصلح اعظم کا تھا۔ ؎

؎ کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا۔ کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا۔
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دریتیم اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا۔

آج بھی اگر ہمیں اپنے بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح مقصود اور
عظمت رفتہ مطلوب ہے۔ تو اسی مصلح اعظم کے منشور پر عمل کرنا ہوگا۔ شیخ
شیراز کی آواز افق سے آرہی تھی۔ ذرا سنو کان لگا کے سنو۔

؎ خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز در پئے مصطفیٰ۔

نوائے حبیب فروری سنہ ۱۹۷۸ء سنہ ۱۳۹۸ھ
ربیع الاول سلسلہ تبلیغ ۱۴۳/۲۱

(سیرۃ طیبہ کے متعلق واقعات)

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَر
مِنْ وَجْھِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَر
لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔
(شیخ سعدی شیرازی)

حضور کے واقعات پیدائش کی تاریخ

۱۲ ربیع الاول سنہ عام الفیل ۔ اصحاب فیل کے ۵۵ دن بعد۔
۲۲ اپریل ۵۷۱ عیسوی پیروار یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی

نور الحبیب فروری ۱۹۷۸ء / ص ۳۹
ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

جبریل سے پوچھا عمر کتنی ہے۔ ستارے کو دیکھا 72 ہزار مرتبہ
(بحوالہ جواہر البحار شریف)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ ص ۴ میں اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ نے تفسیر کبیر میں جلد ۲ ص ۳۰۲ میں تحریر فرمایا۔ کہ جب یہ نور حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام کی پیشانی مبارک میں چمکا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسی نور کی برکت سے تمام اشیاء کے نام تعلیم فرمائے اور فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ ص ۱۴

سعدی علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لو ابصر الشیطان طلعۃ نورہٖ۔ فی وجہ آدم کان اول من سجد۔ اگر شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نور مصطفیٰ کے چمکار کو دیکھ لیتا۔ تو سب سے پہلے سجدہ میں گر جاتا — ولو رای نمرود نور جمالہ۔ عبد الجلیل مع الخلیل۔ ولا عند۔ اگر نمرود محبوب کے نور جمال کو ابراہیم خلیل اللہ کی پیشانی میں

دیکھ لیا۔ تو طفیل اللہ کے ساتھ خدا کی عبادت کرتا۔ اور کبھی ضد نہ کرتا۔ ہے
عیسیٰ و آدم والصدور جمیعھم ھم اعین ھو نورھا لما ورد
یعنی وارد ہوا ہے۔ کہ عیسیٰ اور آدم اور باقی تمام رسول علیہم السلام
آنکھیں ہیں۔ اور محبوب محمد مصطفیٰ ان کا نور ہیں۔

نور الحبیب صہ 15
بحوالہ زرقانی صہ 44/1

اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے میلاد کے منتظر کون کون سے اہل محبت کس کس روپ میں انتظار کرتے رہے۔ بعض عاشقوں کی کیفیات کے اشارے متعدد روایات میں ملتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی تھے۔ جو مراقبہ میں بیٹھ کر آپ کی ولادت پاک کے انتظار میں یوں محو ہو گئے۔ کہ وقت گزرنے کا احساس تک باقی نہ رہا ــــــ۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے / جان جاناں صہ 76-77 میں درج ذیل تاریخی واقعہ نقل کیا ہے۔
1000ھ میں ہندوستان میں ایک محیر العقول واقعہ پیش آیا۔ واقعہ تاریخی ہے اور شیخ زید بکری مورخ نے لکھا ہے۔ کہ راوی مرزا محمد سعید جس نے یہ واقعہ آنکھوں سے دیکھا۔ ایسا سچا ہے۔ کہ اس کی صداقت پر شک کرنا بھی گناہ سمجھتا ہوں اگر ایسا ہے۔ تو پھر اس واقعہ میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ واقعہ کیا ہے۔ ہزار برس گزر جانے کے بعد سرکار دو عالم کی یاد اس طرح تازہ کی گئی۔ کہ دنیا والے اس طرف دیکھنے لگے۔ اور ایک ایک کا منہ تکنے لگیں۔
واقعہ یہ ہے۔ کہ گورنر لاہور قلیچ محمد خان کی جونپور کے علاقے میں ایک زمین تھی۔ جب مکان تعمیر کرنے کے لیے۔ اس کو کھودا گیا۔ تو اچانک ایک کلس نکلتا نظر آیا۔ اور کھودا گیا تو ایک گنبد نظر آیا۔ اور کھودا گیا تو پورا گنبد نکل آیا۔ کھودتے کھودتے ایک ہفتہ گزر گیا۔ دن رات کھدائی ہوتی تھی یہاں تک کہ ایک گنبد دروازہ بھی نکل آیا۔ دروازہ کا قفل ایک من وزنی توڑا گیا۔ دروازہ کھولا گیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دھان پان سا آدمی ہڈیوں کی مالا۔

آلتی پالتی بیٹھے مراقب ہے۔ سر جھکائے ہے۔ غل شور کی آواز سن کر سر اٹھایا
اور ہندی زبان میں کچھ سوالات کیے۔ آخری سوال یہ کیا۔ کیا خاتم النبیین حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں ظاہر ہو گئے۔ جواب ملا ہاں۔ ہزار سال ہو گئے۔ آپ تشریف
لے گئے۔ بعد پردہ فرما گئے۔ (ذخیرۃ الخوانین از فرید بکری -)

پھر اس نے کہا مجھے نکالو۔ نکالا گیا۔ باہر خیموں میں رکھا گیا۔ وہ مسلمانوں کی طرح نماز
پڑھتا رہا۔ چھ ماہ بعد اس نے انتقال کیا۔ یہ شخص کون تھا۔ کب سے یہاں سر جھکائے
بیٹھا تھا۔ سوالات سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ہزاروں برس سے اس خلوت خانے
میں محفوظ تھا۔ گویا یہ واقعہ میلاد کی اہمیت کے ساتھ ساتھ عظمت
مصطفیٰ بعد ذکر مصطفیٰ عالم آشکارا کر گیا۔

ص ۲۵-۱۹

چنانچہ پیر ۱۲ ربیع الاول عام الفیل ۲۲ اپریل ۵۷۱ء چار
بجے کر بیس منٹ پر جب سرکار تشریف لائے۔ تو کائنات نور سے معمور ہو گئی

ص ۲۱

(حضور کی آمد پر خوشی کا اظہار حکم الٰہی ہے)

محفل میلاد کی مخالفت میں دو پمفلٹ حقیقت میلاد از قاضی محمد یونس
انور اور انجینئر عبدالقدوس سلفی کا مکالمہ ہے تیسری جلد نظر سے گزرا
جن میں محفل میلاد کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل باتیں کہی گئی
ہیں۔

۱۔ محفل میلاد کا کتاب و سنت اور قرون اولیٰ میں کوئی ثبوت نہیں۔
۲۔ محفل میلاد کا بانی ایک بے دین حاکم ہے۔
۳۔ محفل میلاد پر سب سے پہلی کتاب لکھنے والا شخص جھوٹا۔ کذاب ہے۔
۴۔ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ثابت نہیں۔
۵۔ اسے عید کے نام سے تعبیر کرنا حرام ہے۔

ابتدا میں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ مسلمانوں کے ہاں محفل میلاد یا جشن
میلاد سے مراد فقط یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے ذکر پاک کے لیے اجتماع منعقد
کرنا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کا تذکرہ ولادت

کے موقع پر عجائبات کا تذکرہ۔ خوشی میں جلوس نکالنا۔ لوگوں کو شریعت مطہرہ کی
تعلیمات سے آگاہ کرنا۔ اور نعت خوانی کرنا ہے۔

اہم نوٹ۔ جھگڑا ڈالنا۔ رقص کرنا۔ ڈانس کرنا۔ بلکہ ہر وہ عمل جو خلاف
شرع ہو اس کو کوئی جائز نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی شخص ان چیزوں کو محفل میلاد کا حصہ
تصور کرتا ہے۔ تو اسے غلط فہمی ہے۔ اور اسے علماء کی تصانیف کی طرف رجوع
کرنا چاہیے۔ اگر بعض جہلا ایسا کرتے ہیں۔ تو ان کا محاسبہ ضروری ہے۔ لیکن ان
کے اس عمل کی وجہ سے محفل میلاد کو بدعت اور خلاف شرع کہنا صراحتاً زیادتی ہے
آج تک کسی عالم نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ مسجد سے چونکہ جوتے گم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے
مسجد میں نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ یہی کہا کہ جوتوں کی حفاظت اور اس کے لیے انتظام کیا جانا
چاہیے۔ جب میلاد محفل کا تعین ہو گیا۔ تو آئیے دیکھیں کہ کیا محفل میلاد
کا حصہ بننے والا۔ ہر عمل قرآن و سنت اور قرون اولیٰ سے ثابت ہے یا نہیں۔ ان میں سے کوئی
عمل لے لیں۔ قرآن و سنت کے دلائل اس پر شاہد و عادل ہیں۔ بعض کا تذکرہ درج ذیل ہے

۱۔ ذکر مصطفیٰ کے لیے محفل کا انعقاد۔

قرآن نے بیان کیا کہ اس موضوع پر سب سے پہلا اجتماع خود اللہ تعالیٰ نے منعقد کیا۔
اس کی تفصیل میں بتایا کہ اس اجتماع میں حاضرین و سامعین تمام انبیاء علیہم السلام
تھے۔ اس محفل کا موضوع فضائل و شمائل نبوی ہی تھا۔ انبیاء کرام سے آپ کے
بارے میں عہد لیا۔ اور اس عہد پر انبیاء کرام کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ کی ذات بھی گواہ بنی۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا واذ اخذ اللہ میثاق النبیین ——— من الشاہدین
یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے تمام انبیاء سے عہد لیا۔ کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دے کر
بھیجوں اس کے بعد تمہارے پاس وہ رسول آجائے جو تم پر نازل شدہ چیز کی تصدیق کرے
تو تم نے اس پر ضرور ایمان لانا ہو گا۔ اور ان کا معاون بننا ہو گا۔ فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو۔
سب نے اقرار کیا۔ گویا ذکر مصطفیٰ کے لیے محفل کا انعقاد سنت الٰہیہ ہے۔ اور سب سے
پہلی محفل اللہ تعالیٰ نے منعقد فرمائی۔

۲۔ حضور علیہ السلام کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کا تذکرہ۔

قرآن مجید نے انسان پر کی گئی مختلف نعمتوں کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اور ایسے

بے حد و شمار کیسے ہوئے ارشاد فرمایا ـــــ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ـ مگر اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت پر احسان نہیں جتلایا ـ صرف اس عظیم نعمت پر احسان جتلایا. جو اپنے حبیب کی صورت میں عطا فرمائی ـ باری تعالیٰ کا ارشاد فرمایا ـ لقد من اللہ ـــ

کیا اس احسان کا ذکر و شکر امت مسلمہ پر لازم نہیں ہے یقیناً لازم ہے . اس کی صورت ایک یہ بھی ہے . کہ مسلمان اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت پر اس کی حمد و ثنا کریں ـ اور بھیجے گئے رسول کے درجات و کمالات سے آگاہ ہوں ـ جیسے جیسے لوگ آپ کے کمالات و مقامات عالیہ سے آگاہ ہوں گے ـ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان پر شکر کے جذبات اجاگر ہوں گے کہ ہمیں اس نے اتنا عظیم رسول عطا فرمایا ـ اس پر صحابہ کرام کا عمل ملاحظہ ہو ـ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ـ کہ ایک دن رسول اکرم ؐ اپنے حجرہ انور سے باہر تشریف لائے ـ صحابہ کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا. آج کیسے بیٹھے ہو. انہوں نے عرض کی جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ علی ما ھدانا لدینہ ومن علینا بک . ہم بیٹھ کر اس رب کریم کی حمد و ثنا و ذکر کر رہے ہیں ـ جس نے فقط اپنے فضل و کرم سے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت عطا فرمائی ـ اور اپنا پیارا حبیب ہمیں عطا فرمایا ـ آپ نے ان کے کلمات سن کر ارشاد فرمایا ـ ان اللہ یباھی بکم الملئکۃ تمہارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر فرما رہا ہے ـ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ صحابہ کرام بیٹھ کر مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات و کمالات کا تذکرہ کر رہے تھے ایک نے کہا ـ حضرت ابراہیم اللہ کے خلیل تھے ـ دوسرے نے کہا ـ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے ـ تیسرے نے حضرت عیسیٰ کا تذکرہ کیا ـ ایک نے آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کہا ـ اتنے میں حضور سرور دو عالم تشریف لائے ـ اور فرمایا جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا ـ وہ سب درست ہے ـ اور میرے بارے میں سن لو ـ الا وانا حبیب اللہ ولا فخر (مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل سید المرسلین)

غور کیا آپ نے یہ محافل میلاد نہیں تو اور کیا ہیں ـ اگر ایسی محافل جائز نہ ہوتیں تو آپ منع فرما دیتے ـ بلکہ آپ نے تو ان کی فضیلت بیان فرمائی ـ کہ ان پر اللہ تعالیٰ

فخر فرما رہا ہے۔ اور خود بھی اس میں شرکت فرما کر ان کا مقام واضح فرمایا۔

حضور علیہ السلام کے دو اعمال۔

ہم اس جگہ میلاد کی خوشی میں حضور علیہ السلام کے دو اعمال کا تذکرہ کرتے ہیں جن سے ہمارے اسلاف نے محفل میلاد کے انعقاد پر استدلال کیا ہے۔

۱۔ **پیر کے دن روزہ۔** حضور علیہ السلام ہر پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت قتادہ نے اس روزہ کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ ذالک یوم فیہ ولدت وفیہ انزل۔ فرمایا۔ یہ دن میری ولادت کا دن ہے۔ اور اسی دن اللہ تعالیٰ کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ (المسلم)

۲۔ **آپ کا مدینہ میں اظہار تشکر کے طور پر جانور ذبح کرنا۔**

امام جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک محفل میلاد کی اصل احادیث میں آپ کا یہ عمل ہے۔ کہ آپ نے مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی ولادت کی خوشی میں جانور ذبح کیے۔ بعض لوگوں نے حضور کے اس عمل کو عقیقہ قرار دیا تھا۔ لیکن امام موصوف اس کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ کہ عقیقہ تو آپ کے دادا حضرت عبد المطلب کر چکے تھے۔

العقیقۃ لا تعاد مرۃ ثانیۃ فیحمل ذالک علی ان الذی فعلہ النبی اظہار الشکر علی ایجاد اللہ ایاہ رحمۃ للعالمین وتشریع لامتہ۔ (الحاوی للفتاوی ۱-۱۹۶)

اور عقیقہ زندگی میں دوبارہ نہیں کیا جاتا۔ اس لیے آپ کے اس عمل کو اس پر محمول کیا جائے گا۔ کہ حضور علیہ السلام نے اس بات پر اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار کیا۔ کہ اس نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور اپنی امت کے لیے اسے مشروع بنانے کے لیے بھی آپ نے یہ عمل فرمایا۔ آپ کے دونوں اعمال کو ملاحظہ کرنے والا۔ از خود اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ یہ دونوں اعمال آپ نے ولادت کی خوشی میں کیے۔ جب آپ کا مبارک عمل ہمارے سامنے ہے۔ تو اس کے بعد کس دلیل کا تقاضا ہے؟

آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

اگر سابقہ دلائل سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ واضح طور پر آپ کی آمد پر خوشی کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ ارشاد فرمایا۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک

آپ فرما دیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہے۔ پس اس پر خوشی کا اظہار کرو۔ یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ جو تم جمع کرتے ہو۔ اس آیت قرآنی کا ہر ہر لفظ بول رہا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل میسر آئے تو اس پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ کیونکہ بندے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔

اب یہاں قابل غور بات یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم رحمت اور ہم پر سب سے بڑا فضل کیا ہے۔ اس بات پر تمام امت متفق ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل حضور علیہ السلام کی ذات ہے۔ ہم اس پر تین شہادتیں قرآن کریم سے ہی پیش کرتے ہیں۔

۱۔ سورۃ احزاب میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات مبارکہ۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیرا بیان کر کے فرمایا ”وبشر المومنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا“۔ مومنوں کو بشارت دے دو۔ کہ ان کے لیے۔ اللہ کی طرف سے فضل کبیر ہے۔ گویا یہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ اتنی شان والا پیغمبر تمہیں عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا بڑا فضل فرمایا ہے۔

۲۔ دوسرا مقام پر سورۃ انبیاء میں مختلف پیغمبروں کا ذکر کرنے کے بعد آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا ”وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین“۔ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مقدسہ کے ذریعے اپنے پیارے حبیب کو سراپا رحمت قرار دیا ہے۔

۳۔ تیسرا مقام پر قرآن نے آپ کے درجات علمی کا ذکر کرتا ہوئے فرمایا ”وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما“۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم سکھا دیا جو نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ کا آپ پر سب سے بڑا فضل ہے۔

مذکورہ بالا سے آپ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل معلوم ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے۔

اس آیت مبارکہ پر گفتگو کرتا ہوئے کہتے ہیں۔ بلا اختلاف حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑی نعمت اور اس کا کامل ترین فضل ہے۔ اس لیے اس آیت مبارکہ سے (بدلالۃ النص)

یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ کہ یہاں رحمت اور فضل سے مراد حضور علیہ السلام ہیں کہ جن
کی ولادت پر اللہ تعالیٰ خوشی منانے کا حکم دے رہا ہے۔

آگے چل کر اس پر دیگر قرآنی آیات سے استدلال کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ اس
مقام پر ہر چند کہ آیت کے سیاق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن
اگر ایسے معنی عام مراد لئے جائیں۔ کہ قرآن مجید اس کا ایک فرد رہے۔ تو یہ زیادہ بہتر ہے
وہ یہ کہ فضل و رحمت سے حضور کا قدوم مبارک لیا جائے۔ اس تفسیر کے موافق جتنی
نعمتیں اور رحمتیں ہیں۔ خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی۔ اور ان میں قرآن بھی ہے۔ سب اس
میں داخل ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا وجود باجود اصل ہے۔ تمام نعمتوں
کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا۔ پس یہ تفسیر اجمع التفاسیر ہو جائے گی۔
پس اس تفسیر کی بنا پر حاصل آیت کا یہ ہوگا۔ کہ ہمیں حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں۔
کہ حضور کے وجود باجود (وجود نوری ہو یا ولادت ظاہری) اس پر خوش ہونا چاہیے
اس لئے کہ حضور ہمارے لئے تمام نعمتوں کا واسطہ ہیں۔ دوسری تمام نعمتوں کے علاوہ
افضل نعمت اور بڑی دولت ایمان ہے۔ جس کا حضور سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے
غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور کی ذات بابرکات ہوئی۔
پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرحت ہو کم ہے۔

(مجموعہ خطبات بنام میلاد النبی از مولانا اشرف علی تھانوی صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ مطبوعہ
جمیلی کتب خانہ لاہور)

تو جب قرآن و سنت میں آپ کی آمد پر خوشی کے اظہار کا حکم ہے۔ تو ادب شریعت
کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے۔ ماحول اور علاقے کے خوشی کے طریقوں کے مطابق
خوشی کا اظہار جائز ہوگا۔ مثلاً جلوس نکالنا چراغاں کرنا۔ وغیرہ اور ان
چیزوں پر احادیث میں استدلال موجود ہے۔ کیا آپ کے ولادت کے موقعے پر
آسمان کے ستارے آپ کے مکان کے قریب نہیں آ گئے تھے۔ ؟

حضرت عثمان ابوالعاص کی والدہ حضرت فاطمہ بیان کرتی ہیں۔

لما حضرت ولادة رسول اللہ رأیت البیت حین وقع قد امتلأ نوراً ورأیت النجوم
تدنو حتی ظننت انھا ستقع علی = آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر میں موجود

تھی۔ آپ کا گھر نور سے معمور ہو گیا۔ ستارے گھر کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے گمان ہونے لگا۔ کہ مجھ پر گر جائیں گے۔ (رواہ البیہقی والطبرانی)

کیا ولادت کے موقع پر فرشتوں نے مشرق و مغرب اور کعبہ کی چھت پر جھنڈے نہیں گاڑے تھے۔ کیا جلوس کی صورت میں حضرت آمنہ کی خدمت میں فرشتے انبیاء اور حوران جنت مبارک باد دینے نہیں آئے تھے۔ اگر ان چیزوں کو پڑھنا دشوار ہو تو کم از کم کتب سیرۃ میں وہ منظر ہی پڑھ لیں۔ جو مدینہ طیبہ میں آپ کی آمد کے موقع پر اہل مدینہ نے استقبال کرتے ہوئے جلوس کیا تھا۔ کیا وہ خوشی کا اظہار نہیں تھا۔ کیا وہ جلوس نہیں تھا۔ کیا اس میں جھنڈے نہیں تھے۔ کیا اس میں اجتماعی طور پر خوشی کے ترانے نہیں پڑھے گئے تھے۔ کیا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ و رسالت کے نعرے نہیں تھے۔ کیا یا محمد یا رسول اللہ کے آوازوں سے شہر مدینہ کے در و دیوار گونج نہیں اٹھے تھے۔ اگر ان تمام چیزوں کا ثبوت ہے۔ تو یقیناً ہے تو پھر آج یہ چیزیں بدعت اور خلاف شرع کیوں ہو گئیں جبکہ باقی شریعت کے سامنے پیرا کی گئیں اس کے بعد قرون اولیٰ سے ثبوت کی ضرورت ہے۔ تو اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

۲ — ۳ — اب آپ نے دوسرے اور تیسرے سوال کی طرف کہ وہ حاکم وقت اور عالم دین ظالم اور کذاب تھے۔ اس سلسلے میں اولین گزارش تو یہ ہے۔ کہ جب محفل میلاد قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ تو اس کے بعد کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ ان دونوں حضرات کے بارے میں جو کچھ معترضین نے تحریر کیا ہے۔ کیا یہ تمام علماء کی متفقہ رائے ہے۔ اگر نہیں تو پھر دیانت داری کا تقاضا یہ تھا۔ کہ ان کے بارے میں دوسری رائے بھی لکھی جاتی تاکہ قارئین کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا۔ اگر فتاویٰ رشیدیہ اور تاریخ میلاد دیکھنے سے پہلے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ کی کتاب۔ حسن المقصد فی عمل المولد کا ہی مطالعہ کر لیتے تو بات واضح ہو جاتی۔ ہم ان کے بارے میں چند مسلمہ بزرگوں کی رائے تحریر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ جو چاہیں کہیں؟

۱ — حافظ ابن کثیر کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ کان الملک المظفر ابو سعید کوکبری

المولد الشریف فی ربیع الاول و یحتفل به احتفالاً ھمایلاً وکان شھماً بطلاً عاقلاً عادلاً، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بادشاہ مظفر ابوسعید ربیع الاول میں ایک عظیم الشان محفل میلاد منعقد کرتے۔ اور وہ نہایت بہادر جرأت مند دانا۔ اور عادل حاکم تھے۔

۲۔ امام جلال الدین سیوطی حسن المقصد میں لکھتے ہیں۔
صاحب اربل الملک المظفر ابوسعید احد الملوک الامجاد والکبراء الاجواد وکان لہ آثار حسنۃ۔ اربل کا حاکم مظفر ابوسعید ان حکمرانوں میں سے ایک ہے جو نہایت بزرگ صاحب شرافت اور بڑی سخی شخصیت ہیں۔ اور ان کے لئے نہایت ہی اچھے آثار ہیں۔

۳۔ مرآۃ الزمان میں سبط ابن الجوزی رقمطراز ہیں۔ یہ محفل میلاد پر کثیر مال سے رقم خرچ کرنے کے علاوہ مہمان نوازی پر ہر ایک لاکھ دینار خرچ کرتا۔ اور اس میں ہر شعبہ زندگی کے لوگ ہوتے۔

اسی طرح ہر سال دو لاکھ دینار دے کر فرنگیوں سے اپنے مسلمان قیدی رہا کراتا۔ حرمین کی نگہداشت اور حجاج کے لئے پانی مہیا کرنے کے لئے تیس ہزار دینار سالانہ خرچ کرتا۔ یہ ان صدقات کے علاوہ ہے۔ جو وہ مخفی طور خرچ کیا کرتا۔ اس کی اہلیہ خاتون بنت ایوب (جو سلطان ناصر الدین صلاح الدین کی ہمشیرہ تھی) بیان کرتی ہے۔ کہ میرے خاوند کی قمیض موٹے کھدر کی ہوتی تھی۔ جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی۔ ایک بار میں نے اس سلسلہ میں ان سے بات کی۔ تو انہوں نے کہا۔ میرے لئے پانچ درہم کا کپڑا پہن کر باقی صدقہ و خیرات کر دینا اس سے کہیں بہتر ہے۔ کہ میں قیمتی کپڑا اور لباس پہنا کروں اور کسی فقیر اور مسکین کو خیر باد کہہ دوں (الحاوی للفتاوی ص ۱۹۰ جلد ۱)

اس کے بعد اگر کوئی شخص ایسے حاکم کو عیاش اور ظالم کہتا ہے۔ تو اسے اپنی قبر یاد رکھنی چاہئے۔ اور اس دن کا انتظار کرنا چاہئے۔ جب تمام حقائق سامنے آ جائیں گے۔ رہا معاملہ شیخ الحافظ ابوالخطاب بن دحیہ کا تو وہ بھی مسلم فاضل شے۔ ان کے بارے میں ابن خلکان نے لکھتے ہیں۔ کان من اعیان العلماء

۱۰/۶/۲۰۱۵

دمشق جبر الفضلاء ۔ وہ نہایت ہی جید عالم اور دمشق کے فضلاء میں سے تھے۔
(الحاوی للفتاوی) ۱ — ۱۹۰)

اگر انہوں نے حضور علیہ السلام کے فضائل وشمائل پر کتاب لکھی اور حاکم وقت نے ایک ہزار درہم بطور انعام پیش کیا تو اس میں کیا حرج ہے ۔ اور تیسری بات یہ ہے۔ کہ کیا محفل میلاد منعقد کرنے والے اور اس پر مواد مہیا کرنے والے صرف یہی حضرات ہیں ۔ اگر اس موضوع پر کام کرنے والوں کے اسماء لکھے جائیں تو اس کے لئے الگ دفتر چاہیے ۔ کچھ آئمہ امت اور ان کی اس موضوع پر کتب درج ذیل ہیں ۔

۱ ۔ حسن المقصد فی عمل المولد — امام جلال الدین السیوطی
۲ ۔ جزء فی المولد الشریف — امام سخاوی رح
۳ ۔ المورد الروی فی المولد النبوی — ملا علی قاری رح
۴ ۔ مولد النبی ص — حافظ ابن کثیر رح
۵ ۔ المورد الهنی فی مولد النبی ص — حافظ عراقی رح
۶ ۔ جامع الآثار فی مولد النبی المختار — حافظ ناصر الدین دمشقی رح
۷ ۔ عرف التعریف بالمولد الشریف — امام شمس الدین ابن الجزری رح

یہ ہمارے مسلمہ آئمہ ہیں ۔ تمام اپنے وقت کے عظیم فقیہہ اور محدث تھے۔ کیا یہ سب ظالم اور کذاب تھے ۔ اب اپنا جملہ (آپ نے دیکھ لیا کہ محفل میلاد کا مواد فراہم کرنے والا شخص کس قدر کذاب اور بے دین ہے ۔ پڑھیں ۔ اور غور کریں ۔ کہ اس کی زد کس کس پر آتی ہے ۔

۴ رہا چوتھا سوال کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ثابت ہی نہیں ۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ضرور ہے ۔ مگر جمہور کی رائے یہی ہے ۔ کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہی ہے ۔ ہم یہاں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تحقیق پر اکتفاء کرتے ہیں ۔ ما ثبت بالسنۃ اور مدارج النبوۃ میں آپ لکھتے ہیں ۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن کونسا تھا ۔ اس بارے میں

اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ربیع الاول کی بارہ تاریخ۔ بعض کے نزدیک دو۔ اور
بعض کے نزدیک آٹھ ہے۔

بارہ تاریخ والا قول مشہور اور اکثر کا قول ہے۔ اہل مکہ کا عمل بھی اس پر شاہد
ہے۔ کیونکہ اس بارہ کی رات کو جائے ولادت نبی کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔
اور محافل میلاد کا انعقاد کرتے ہیں۔ باقی کوئی مسلمان بھی بارہ تاریخ کے ساتھ
محفل میلاد کو مخصوص تصور نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر پر مشتمل
محفل جب بھی سجائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ قاضی صاحب کا یہ
کہنا کہ بارہ ربیع الاول وفات کا دن ہے۔ اور سب کے نزدیک مسلم ہے۔ جو تاریخ
قطعی طور پر تاریخ وفات ہے۔ اس پر جشن منانا تعجب ہے۔

تعجب تو آپ پر کہ آپ خلاف واقعہ بات کر رہے ہیں۔ ہم یہاں صرف
علامہ شبلی کا حوالہ ہی ذکر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے مطالعہ پر تعجب کریں
علامہ شبلی اس مسئلہ کی تحقیق کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

وفات نبی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔ حاشیہ
سیرت النبی ص۱۷۲

۵ ۔ اب آخری سوال کی طرف آتے ہیں۔ کہ اسے عید کا دن سمجھنا منع ہے یہ
بات بھی قرآن و سنت کے منافی ہے۔ خود قرآن و سنت میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ
کے علاوہ بھی عید کا اطلاق موجود ہے۔ کیونکہ عید کا معنی خوشی کا دن ہے۔ اور
مسلمانوں کے لئے آپ کی ولادت کے دن سے بڑھ کر کونسی عید ہو سکتی ہے۔ قرآن
مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا ان الفاظ میں منقول ہے۔

ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا و آخرنا و آیۃ منک وارزقنا
وانت خیر الرازقین۔ اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے نعمتوں کا دسترخوان نازل
فرما۔ تاکہ وہ ہمارے لئے عید قرار پائے۔ اور وہ تیری طرف نشانی ہے اور تو بہتر رزق عطا
فرمانے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دن کو اپنی تمام قوم کیلئے عید قرار

کر رہے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت قرآن کی صورت میں نازل ہوئی۔
آپ غور کریں۔ اس دن کے بارے جس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب رحمۃ للعالمین اس کائنات
میں تشریف فرما ہوئے۔ وہ دن اگر عید کا نہیں تو کونسا دن عید کا ہوگا۔ حالانکہ باقی
عیدیں اسی دن کے صدقے نصیب ہوتی ہیں۔

نثار تیری چہل پہل پہ ہزار عیدیں ربیع الاول۔
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہتے ہوئے بات ٹالنے کی کوشش کرے کہ یہ سب بعد امت کی بات ہے۔ جو
ہمارے لئے قابل قبول نہیں۔ اگرچہ یہ بات بھی جہالت پر مبنی ہوگی۔ مگر ہم یہاں ایک
اور حدیث بیان کر دیتے ہیں۔ تاکہ کسی حیلے کی گنجائش نہ رہے۔

ہر جمعہ عید کا دن ہوتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ آپ نے
یہ آیت تلاوت کی۔ الیوم اکملت لکم دینکم ۔ تو پاس بیٹھے تو ایک یہودی
نے کہا۔ لو انزلت ھذہ الآیۃ علینا لاتخذنا یومھا عیدا ۔ اگر یہ آیت
ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نازل ہونے والے دن کو عید بنا لیتے۔ آپ نے اس کی
گفتگو سن کر فرمایا۔ تم تو ایک عید مناتے۔ (تفسیر سورۃ مائدہ) ہمارے یہاں
یہ آیت نازل ہوئی تو اس دن ہماری دو عیدوں کا اجتماع تھا ایک دن جمعہ کا دوسرا
دن۔ عرفہ کا۔

امام خازن نے اسی مقام پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس
دن پانچ عیدیں جمع تھیں۔ لباب التاویل ([illegible])

بخاری شریف میں بھی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک یہودی نے حضرت
عمر سے کہا۔ کہ تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے۔ اگر وہ ہم پر نازل ہوتی۔ تو اس دن
کو ہم عید قرار دیتے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کونسی آیت ہے۔ وہ کہنے لگا۔ الیوم اکملت
لکم۔ آپ نے فرمایا۔ قد عرفنا ذالک الیوم والمکان الذی نزلت فیہ علی النبی

وھو قائم بعرفۃ یوم الجمعۃ (بخاری کتاب الایمان) ہم بھی اس دن اور اس جگہ سے آگاہ ہیں۔
جہاں یہ آیت ہمارے آقا پر نازل ہوئی۔ اس وقت آپ کھڑے تھے۔ عرفات کا مقام تھا۔ اور
جمعہ کا دن تھا۔

حضرت عمر کے اس جواب کا ترجمہ امام عینی اور امام النووی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔
کہ ہم بھی اس جگہ اور دن کی تعظیم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جگہ عرفات ہے۔ وہاں حج کا سب سے
بڑا رکن ادا ہوتا ہے۔ اور وقت وہ جمعہ اور عرفہ کا دن تھا۔ اس میں دو فضیلتیں جمع ہوگئیں
اور ان میں سے ہر ایک کی تعظیم مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ اور عید دونوں کا اجتماع ہوگیا۔
تو تعظیم میں بھی اور اضافہ ہوگیا۔ تو ہم نے یقیناً اس دن کو عید بنا یا ہوا ہے۔ عمدۃ القاری
۲۶۴/۱ جب ہر جمعہ عید ہے۔ تو ایک ماہ میں چار عیدیں آتی ہیں۔ جن میں مسلمان
خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے باوجود آپ کا شیری عید کے انکار پر اصرار ہے تو آپ
کو کون مجبور کر سکتا ہے۔ مگر یہ سوال تو کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک آیت نازل ہو۔ جہاں
دو یا پانچ عیدیں جمع ہو جائیں۔ تو شرک اور بدعت نہیں۔ اور صاحب قرآن تشریف
لائیں۔ تو فی الفور ذہن شرک و بدعت کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس پر غور کی ضرورت
ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی آمد کی خوشی کرتے ہوئے۔ محافل سجائیں۔
جلوس نکالیں۔ صدقات و خیرات کریں۔ یہ اسلام کا تقاضا اور اس کی روح ہے۔
البتہ خلاف شرع کاموں سے اس کی حفاظت ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ تاکہ اس
اچھے عمل کو پر کسی طرح کا حرف نہ آئے۔

نور الحبیب جلد ۴ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۲
شمارہ ۹-۱۰ - ربیع الاول -

۷-۶-۲۰۰۶

4191 Date

یومِ ولادت باسعادت

(محمد نذیر احمد رانجھا)

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین ۔ خالق کون و مکان نے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا ۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ فرشتوں نے عرض کی اتجعل فیھا من یفسد ____ ونقدس لک ۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا ۔ انی اعلم ما لا تعلمون اور حضرت آدم علیہ السلام کے جسم خاکی کی تکمیل فرمانے کے بعد فرشتوں سے فرمایا اسجدوا لآدم سب فرشتے سجدہ میں گر گئے ۔ بجز ابلیس لعین کے گویا ابلیس لعین نے امر الٰہی کے مقابلہ میں تکبر کیا ۔ اور ایسے قبول کرنے میں عار محسوس کی جیسے کہ اس کا قول مذکور ہے کہ میں ناری الاصل ہونے کی وجہ سے اس ترابی الاصل سے افضل ہوں ۔ اور افضل سے مفضول کی تعظیم کرانا بے محل ہے ۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کے جسم بنا کر اس میں خالق حقیقی نے روح پھونک دی ۔ تو پھر انہیں سب اشیاء کی حقیقت، خواص، اوصاف ماہیت و آثار و منافع سے آگاہ فرما دیا ۔ اور جملہ فرشتوں کے سامنے وہ اشیاء رکھ کر انہیں بھی طلب فرمایا انبئونی باسماء ____ ان کنتم صادقین ۔ فرشتوں نے عرض کی سبحانک لا علم ____ الحکیم ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا ۔ انبئھم باسمائھم ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سب چیزوں کے نام بتا دیئے ۔ تو مالک حقیقی نے فرشتوں سے فرمایا ۔ الم اقل لکم ____ تکتمون ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے آدم تو اور تیری بیوی بہشت میں رہو ۔ اور دونوں جس جگہ سے چاہو فراغت سے کھاؤ ۔ مگر ولا تقربا ____ من الظالمین ۔ چونکہ ابلیس لعین نے تخلیق آدم علیہ السلام کو اپنے مردود ہونے کا سبب تصور کر لیا تھا ۔ اس لئے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے دور کرنے کی ٹھان لی پہلے اس نے حضرت حوا علیہا السلام کو بہکایا ۔ حضرت حوا نے اس درخت کا پھل کھایا ۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلایا ۔ حضرت آدم و حوا نے جب ولا تقربا ____ الشجرۃ کی خلاف ورزی کی تو حکم الٰہی ہوا ۔ اھبطوا بعضکم ____ الی حین اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ کہ تم سب کے سب نیچے جاؤ ۔ پھر اگر میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت تمہارے پاس آئے ۔ جو شخص میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا ۔ تو نہ ان پر کچھ اندیشہ ہوگا ۔ اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے ۔ اور جو لوگ کفر و تکذیب کریں گے

ہمارے احکام کی۔ یہ لوگ اصحاب دوزخ ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔
جب تخلیق بنی نوع انسان کا۔ یہ ابتدائی مرحلہ طے ہو گیا۔ اور انسان زمین پر آباد
ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس تخلیق کے مقصد سے یوں آگاہ کیا۔ وما خلقت
الجن والانس الا لیعبدون۔ ساتھ ہی ابلیس لعین کی دشمنی کا احساس دلاتے ہوئے
فرمایا۔ ولا تتبعوا خطوات الشیطن ——— مبین۔

اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کو بنی نوع انسان تک۔ پہنچانے کا وعدہ فرمایا
تھا۔ سو اس نزول رحمت کو اہل زمین پر فرمانے کے لئے اپنے خاص بندوں کو نعمت نبوت
و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ تاکہ وہ انسانوں کو۔ راہ ہدایت پر گامزن رہنے کی تلقین
و تربیت فرماتے رہیں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے
رہے۔ خوش بخت لوگ ان کی دعوتِ حق کو قبول کرتے رہے۔ اور بد بختوں نے ان
کو جھٹلا کر اپنی تباہی و بربادی کے عبرتناک منظر آنے والی نسلوں کے لئے بطور
عبرت چھوڑ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور مبارک ختم ہو جانے کے بعد عرصہ دراز تک
آسمان سے رشد و ہدایت کا سلسلہ بند رہا۔ عرب میں ہر طرف فتنہ و فساد برپا ہو
گیا۔ ہر قسم کی برائیوں اور بے حیائیوں کا دور دورہ ہو گیا۔ عیسائی تثلیث کے
جھگڑوں میں پھنس کر رہ گئے۔ تو یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کے بتلائے ہوئے راستے
سے بھٹک گئے۔ اور ادھر عام بت پرستی کے گورکھ دھندوں میں گم ہو گئے۔ ایرانی یزدان
اور اہرمن کے پرستار ہو گئے۔ اور ہندوستان سر سے بت پرستی اور کفر کا گہوارہ
بن گیا۔ رب العزت کو بنی نوع انسان کی حالتِ زار پر رحم آیا۔
اور دعائے ابراہیم علیہ السلام کے پورے ہونے کا وقت بھی آ پہنچا۔ اور ۱۲ ربیع الاول
مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر صبح صادق کے وقت حضور پرنور ﷺ
حضرت آمنہ کے بطن سے اس ظلمت کدہ جہان میں رونق افروز ہو گئے۔ آپ کی
ولادت باسعادت پر ایران کے آتش کدے سرد پڑ گئے۔ اور لات و منات
کی پوجا کرنے والے پسپا ہو گئے۔ جس روز حضور پیدا ہوئے یوں معلوم ہوتا تھا۔
کہ کعبہ شریف کے در و دیوار سے انوار تجلیات کی بارش ہو رہی ہے۔ آقا و تاجدار

کی ولادت باسعادت کی ایک روایت کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔ ؎

یہ دوشنبوں کی سعدی دینے والی خوشگوار گھڑی تھی۔
جناب آمنہ سنتی تھیں یہ آواز آتی تھی۔
مبارک ہو محمد مصطفےٰ تشریف لاتے ہیں۔
شفیع المذنبین ختم المرسل تشریف لاتے ہیں۔

پیدائش کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر ہر کثافت سے بالکل صاف تھا۔
اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ ؎ ہر کثافت سے مبرا تھا۔ وہ پتلا نور کا

اس وقت آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ وہاں موجود تھیں۔ انہوں نے آپ کو کرتہ پہنایا
حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں بشارت ہو چکی تھی۔ کہ بچے کا نام احمد رکھنا
لہٰذا انہوں نے آپ کا نام نامی 'احمد' رکھا۔ حضرت عبدالمطلب کو پوتے کی پیدائش
کی خبر پہنچی تو فوراً حضرت آمنہ کے گھر پہنچے اور فرطِ محبت سے نومولود کو خانۂ کعبہ
میں لے گئے۔ وہاں موجود لوگوں نے آپ کو مبارک باد دی۔ اور پوچھا کہ بچے کا نام رکھنے
کے متعلق کیا خیال ہے۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا۔ "محمد" یہ نام قریش کے لیے
انوکھا تھا۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ یہ کیا نام ہے۔ آپ نے تاریخی فقرہ کہا۔
کہ رَجَا اَنْ یُّحْمَدَ۔ مجھے امید ہے۔ کہ اس بچے کی تعریف کی جائے گی۔ اور مجھے
یقین ہے کہ اس بچے کی بہت تعریف ہو گی۔

عبدالمطلب کی آرزو پوری ہوئی۔ اور دنیا والوں نے دیکھ لیا۔ کہ احمد مجتبیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر تعریف ہوئی۔ دو جہاں کا ذرہ ذرہ مدح خواں ہے
حدیث قدسی میں ہے۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔ ایک عاشق
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا ہے۔ ؎

محمد کی جلوہ نمائی نہ ہوتی
خدا کی قسم یہ خدائی نہ ہوتی۔

نور الحبیب ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

زیدی ۱۹۷۸ سلسلہ تبلیغ ۱۶۴/۳۱

ص ۹۷

۲۲-۵-۲۰۰۶

اصحابِ فیل اور عظمتِ کعبہ

(قمر یزدانی)

چمن زار میں فصلِ بہار آتی ہے۔ تو دلفریب رعنائیوں اور کیف زا لطافتوں اور روح پرور نزہتوں اور دلکش رنگینیوں کو اپنے جلو میں لے کر —— جب اس کے ورود مسعود سے بہار کا دور ہوتا ہے۔ تو گلشن میں گلہائے رنگا رنگ کھلتے ہیں۔ غنچے مہکتے ہیں۔ کلیاں مسکراتی ہیں۔ عندلیب زار بہاروں کو اس بو قلموں پر نثار ہوتی ہے۔ اور اپنے کیف آفریں اور دلنشین نغمات حسن چمن پر نچھاور کرتی ہے۔ باغبان اپنی خوش بختی اور قسمت کی یاوری پر خوش ہوتا ہے۔ اور کھل کھلاتے گلوں۔ اور مہکتے غنچوں اور لچکتی شاخوں پر جان دیتا ہے۔ تمام کائنات قدرت کے ان روح پرور مناظر اور حسن ازل کی دلفریبیوں کی داد دیتی ہے۔ اس کے ساتھ دل آویز بہاروں کا خالق بھی اپنی مخلوق کو مسکراتا دیکھ کر اپنے اس حسین تخلیق پر ناز کرتا ہے۔ اور کائنات کے لئے رحمت و عطا کے دروازے کھول دیتا ہے۔

چنانچہ خالق کائنات کے اس نظام فطرت کے تحت گلستانِ ہستی پر بہار جاوداں کا ورود ہونے والا ہے۔ نسیم رحمت کی شمیم جانفزا کے دلنواز جھونکے مشامِ ہستی کو معطر کرنے والے ہیں۔ اہل چمن کسی گلِ رعنا کے کھلنے کے منتظر ہیں۔ گویا گلستانِ حیات میں فصلِ بہاری کا اہتمام ہو چکا ہے۔ اور ذرہ ذرہ اس کے خیر مقدم کے لئے بیقرار ہے۔ مشاطۂ قدرت زلفِ گیتی کی تزئین میں مصروف ہے۔ اور عروسِ کائنات کے چہرۂ گلگوں پر فرحت و انبساط کے نمائیاں ہیں۔ لطفِ الٰہی کی نسیم خوشگوار رحمتوں اور لطافتوں کو اپنے جلو میں لئے دیگر ازمنہ سے خطۂ مقدس کا طواف کر رہی ہے۔ عالمِ لاہوت میں حوران و ملائک نغمہ تہنیت سے کائنات کو مسحور کر رہے ہیں۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ سرور بہاراں سے یوں گویا ہے کہ ؎

اے سماں نزہت گر فردوس کا ہے بزم دوراں + مبارک ہو تبسم حور غنچوں کو ترا آنے والا ہے
بہارِ خلد کی رنگینیاں ہیں جس سے گلشن میں + مبارک عندلیبو وہ گلِ تر آنے والا ہے
وہ نور لم یزل فطرت بھی جس پر ناز کرتی ہے + وہ فخر دو جہاں محبوب داور آنے والا ہے
قمر! بشریٰ کہ کی ہر طرف تشہیر ہوتی ہے
ہے جس کی ذات شانِ حق کی مظہر آنے والا ہے

۱۷ محرم کا واقعہ ہے۔ کہ چمن زار گیتی میں ورودِ بہار کے دن قریب ہیں۔ یعنی سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت میں ابھی باون ۵۲ روز باقی ہیں۔ کہ ابرہہ ابن صباح اشرم جو شاہ حبش نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ اور صنعا (دارالخلافہ) یمن میں شاہ حبش کا باجگزار ہونے کے باوجود خود مختار حاکم کہلاتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اطراف و اکناف سے لوگ مکہ مکرمہ میں کعبہ معظمہ کی زیارت کیلئے نذر و نیاز اور تحائف لے کر آتے ہیں چونکہ وہ بھی مذہب عیسوی کا زبردست مبلغ تھا۔ کعبہ کی اس قدر عظمت دیکھ کر اس کی آتش حسد بھڑک اٹھی۔ اس نے فوراً صنعا میں سنگ مرمر کا ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا۔ جس میں تصویر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نصب کیا۔ جب یہ سب کام مکمل ہو گیا۔ تو اہل یمن کو پہلے اس کے طواف پر مجبور کیا۔

اہل مکہ نے جب کعبۃ اللہ کے مقابل میں کلیسائے یمن کو دیکھا۔ تو زہیر بن عمرو مکی نے ایک دن موقع پا کر وہاں پہنچ کر پاخانہ کر دیا۔ انہی دنوں مکہ معظمہ سے جانے والا ایک مسافر قافلہ جب صنعا کی طرف سے گزرا تو اس کلیسا کے پاس ڈیرہ لگایا۔ رات کے وقت جب اہل قافلہ نے آگ جلائی۔ تو ایک چنگاری اڑ کر اس پر جا گری جس سے وہ جل کر خاک ہو گیا۔ جب ابرہہ نے اپنے تعمیر کردہ کلیسا کی یہ بے حرمتی دیکھی تو سیخ پا ہوا۔ اور دل میں آتش غضب بھڑک اٹھی۔ ادھر شیطان لعین کا داؤ بھی چل گیا۔ اس نے ابرہہ کو یہ سبق دیا۔ کہ یہ سب شرارت اہل مکہ کی طرف سے ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم ان کی عبادت گاہ کو گرا دو۔

چنانچہ ابرہہ تدریس ابلیس پر عمل کرتے ہوئے۔ جنگی ہاتھیوں کے ساتھ اپنے سپاہیوں کا۔ ایک انبوہ کثیر لے کر انہدام کعبہ کی نیت سے چڑھ آیا۔ راہ میں جو کچھ آیا۔ برباد کر دیا۔ آخر جب یہ لشکر کعبہ معظمہ سے تین میل دور وادی محسر میں پہنچا۔ تو ابرہہ کے محمود نامی ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔ پھر دوسرے ہاتھی پہ سوار ہو کر بڑھنے کا قصد کیا۔ تو وہ بھی رک سا گیا۔ آخر مجبوراً اسی جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ عرب والوں نے کبھی ہاتھی نہیں دیکھے تھے۔ اس لیے ہاتھیوں اور اس بڑے لشکر کی سطوت و شوکت سے گھبرا کر اہل مکہ

اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپے ۔ صرف حضرت عبدالمطلب (حضور علیہ السلام کے جد امجد) اور ان کے خاندان کے چند افراد مع بعض ان کے بیٹے اور پوتے تھے بس یہی ایک خاندان تھا۔ جو مکہ میں موجود رہ گیا تھا ۔ باقی سب بھاگ گئے تھے ۔

یہی دس بارہ افراد پر مشتمل مختصر سی فوج تھی ۔ جسے اب کعبہ کی طرف سے نصرت غیبی پر ناز تھا۔ جسے چند دنوں کے بعد پیدا ہونے والے ۔ اپنے خاندان کے چشم و چراغ نازش کون و مکان اور صاحب اعجاز بیٹے کے مقام عظمت و رفعت پر فخر تھا ۔ جسے اپنی خاندانی سعادت پر گمان تھا ۔ گویا ؎

سپہ اولاد تھی والد سپہ سالار مکہ تھا ۔
یہی کعبے کا خادم تھا ۔ یہی سردار مکہ تھا ۔

اسی اثناء میں ابرہہ کا لشکر جو اہل مکہ کے مویشیوں کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کے کچھ اونٹ بھی ہنکا لے گئے ۔ تو خبر ہونے پر حضرت عبدالمطلب تن تنہا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ابرہہ کے پاس پہنچے ابرہہ نے جب اس پیکر شرافت و نجابت اور مجسمہ تقدس و طہارت کو اپنی طرف آتے دیکھا ۔ تو خیر مقدم کیلئے باہر نکلا ۔ اور کمال تعظیم سے پیش آیا ۔ اور کہنے لگا ۔ کہیے حضرت آپ کا نام کیا ہے ۔ اور کیا درخواست لیکر آئے ہو ۔ تو اس کے جواب میں اشجع العرب حضرت عبدالمطلب نے فرمایا ۔ مجھے اہل عرب عبدالمطلب کے نام سے پکارتے ہیں ۔ اور یہاں آنے کی غرض یہ ہے کہ تیرے لشکری میرے اونٹ ہنکا لائے ہیں ۔ وہ مجھے واپس دلا دو ۔ اس کے علاوہ اور کوئی درخواست نہیں ہے ۔ یہ سن کر ابرہہ نے نخوت آمیز قہقہہ لگایا ۔ اور کہنے لگا ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہاری ۔ قدیمی عبادت گاہ ۔ (جسے تم کعبہ کے نام سے موسوم کرتے ہو ۔ اسکو گرانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں ۔ اور ؎

تعجب ہے کہ تم ناچیز شے کا ذکر کرتے ہو ۔
نہیں کعبے کی فکر اونٹوں کی اپنے فکر کرتے ہو ۔

میں نے سمجھا تھا کہ کعبہ کو بچانے کی کوشش کے لیے آئے ہو ۔ اور اسے نہ گرانے کی درخواست کرو گے ۔ مگر تم نے تو اپنے ذاتی مفاد کو پیش کیا ۔ ابرہہ کی یہ بات سن کر سرچشمہ صداقت نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اونٹ میرے

Date

ہیں۔ اور کعبہ رب کا ہے۔ اس لیے ۔ ؎

؎ صداقت ہے یہاں میں اپنی شے کا ذکر کرتا ہوں۔
کہ میرا مال ہیں اونٹ اس لیے میں فکر کرتا ہوں۔
کریگا فکر اپنے گھر کی جو اس گھر کا مالک ہے
کہ جو اس گھر کا مالک ہے ۔ بحر و بر کا مالک ہے

حضرت عبدالمطلب کا یہ شان آمیز اور صداقت انگیز جواب سنتے ہی ابرہہ نے خاموش ہو کر اونٹ واپس کر دیے۔ آپ اپنے اونٹ لیکر گھر واپس تشریف لے آئے۔ اور علی الصبح اپنے خاندان کی معیت میں حرم کعبہ میں تشریف لا کر جناب آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والدہ ماجدہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے کعبہ کے مالک اور اے جود و خلق کی کائنات کے مالک۔ تو سمیع و البصیر ہے تو علیم و خبیر ہے۔ تو جانتا ہے۔ کہ ایک دشمن کعبہ تیرے مقدس گھر کو صفحۂ ارض سے مٹا دینے کی نیت سے آیا ہوا ہے۔ اس لیے فتح و نصرت عطا فرما۔ اور پھر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب اشارہ کرکے دعا فرماتے ہیں کہ

الٰہی۔ ؎

یہ عالی شان بچہ جو ابھی ہے بطن مادر میں + بشارت تھی۔ کہ اس کا نور چمکے گا ترے گھر میں
اسی کے واسطے سے ہم دعا کرتے ہیں اے مالک + سوا تیرے کسی سے ہم نہیں ڈرتے ہیں اے مالک
بچا لے یورشِ دشمن سے اپنے گھر کی حرمت کو + بچا لے آل اسماعیل کے سارے عزت کو۔

صبح کا وقت ہے۔ افق مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا ہے۔ دعا سے فراغت کے بعد حضرت عبدالمطلب مع جملہ احباب و اعزہ کی معیت میں کوہ شبیر پر چڑھ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ گویا اب وہ کعبہ پر حملہ کی تیاری میں ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ابرہہ پہلے اپنے سفید ہاتھی پر۔ آگے آگیا۔ مجدیانہ شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ اور پیچھے پیچھے اس کے لشکر نے کعبہ کا رخ کیا۔ جونہی حرم کعبہ میں آکر ابرہہ نے اپنا ہاتھی ملکو بڑھایا۔ کہ بس ایک ہی ٹکر سے کعبہ کو مسمار کر دیا۔ ادھر عبدالمطلب مقابلہ کیلئے بانفس و غضب اٹھے۔ اور ادھر رب کعبہ کا قدرت کاملہ کی شان بے نیازی کو ملاحظہ کیجئے۔

کہ ہاتھی بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹا۔ اور آگے بڑھ کر ٹکر مارنے کی بجائے ع

پئے تعظیم کعبہ عاجزی سے جھک گیا ہاتھی۔

ابرہہ ایسے وقت پر ہاتھی کی اس حرکت پر سخت برہم ہوا۔ جونہی وہ پیچھے مڑ کر اپنے لشکریوں کو بڑھنے کیلئے کہنے لگا۔ تو دیکھتا ہے کہ تمام لشکر بھی قطار اندر قطار رک گیا ہے۔ اور ہاتھیوں کا یہ حال ہے کہ سب کے سب عظمتِ کعبہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ مہاوت ہاتھیوں کو مارتے ہیں۔ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ان کی ہر طرح حرکات ناکام ثابت ہوئیں اس عجیب واقعہ کے منظر کی عکاسی حفیظ جالندھری نے اپنے شعر میں یوں کی ہے کہ ہ

پڑے ہیں۔ اس طرح ہاتھی کہ جنبش ہی نہیں کرتے۔

کیوں؟ کس لیے؟ اس لیے کہ ۔ ع

خدا کا ڈر ہے دل میں آج سلطان سے نہیں ڈرتے

آخر ابرہہ نے جب اپنے جنگی ہاتھیوں کو یوں سرنگوں دیکھا۔ تو غضب آلود ہو کر اپنے لشکریوں کو تیغ و تبر و شمشیر و سنان لے کر آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ اور ادھر قادرِ مطلق کی شانِ بے نیازی کا منظر دیکھئے کہ دعائے عبدالمطلب کی اجابت بحکم ربِ جلیل ہزار ابابیل تین تین کنکریاں (دانۂ مسور کے برابر) ایک ایک چونچ میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لے کر غول کی صورت میں جدہ کی طرف سے نمودار ہوئیں۔ اور بجلی کی سی طرح تیزی کے ساتھ ابرہہ کے لشکر پر چھا گیا۔ اور سنگریزوں کی بارش شروع کر دی۔ اس آفتِ ناگہانی کو دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بدحواس ہو کر بھاگنے لگا۔ ہر کنکر پر اس شخص کا نام لکھا تھا۔ جس سے وہ مارا گیا۔ ایک ایک کنکر ہر سوار کے سر سے نکل کر اور جانور کی پشت میں گھس کر پیٹ سے نکل جاتا تھا۔ ایک پل میں کعصفٍ مأکول بن گیا۔ یعنی تباہ و برباد ہو گیا۔ اور حضور پرنور شفیع یوم النشور سید کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیات والتسلیمات کے قدوم میمنت لزوم کے فیوض و برکات سے کعبہ معظمہ شرِ اشرار اور یورشِ کفار سے محفوظ رہا۔

سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس واقعہ سے عرب والوں کے دل میں کعبہ کی عقیدت پہلے سے دو چند ہو گئی۔ اور اس سال کا نام عام الفیل رکھا گیا۔ اس کا

سے یعنی ظہور قدسی کی نسبت سے اس سال کو سنۃ الفتح والابتہاج کے نام سے
بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

سورۃ فیل شریف کی پہلی آیت سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام اپنی ولادت
سے قبل اور نبوت سے اس واقعہ کو مشاہدہ فرما رہے تھے۔ الم تر کیف فعل ربک باصحٰب
الفیل۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں
کا کیا حال کیا۔ یعنی تم نے دیکھا۔ اس سے یہ ہی ثابت ہوا۔ کہ جس طرح قبل ولادت
حضور علیہ السلام معائنہ فرما رہے تھے۔ اسی طرح بعد وصال بھی مشاہدہ جاری ہے

نور الحبیب صـ ۸۳ تا ۸۶ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ
فروری ۱۹۷۸ء سلسلہ تبلیغ ۱۶۳/۲۱

Qabbas
۲۵-۰۶-۲۰۰۶

میلاد النبی اور اکابر امت

(محمد محب اللہ نوری)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں میلاد پاک کی تقریب منعقد کرنے پر
اکابر امت نہ صرف یہ کہ جواز پر متفق ہیں۔ بلکہ سبھی میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کے فضائل و مناقب میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں ترکی سے شائع
ہونے والی حضرت معلم العالم علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی الشافعی علیہ
الرحمۃ کی کتاب "النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم" سے ایک اقتباس
بمعہ ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں میلاد شریف کے متعلق بعض مقتدر حضرات
سے ارشادات منقول ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس سے استفادہ کریں گے۔

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ قال ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ من انفق درہما
علیٰ قراءۃ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان رفیقی فی الجنۃ۔ جس نے میلاد
کی تقریب میں ایک درہم بھی خرچ کیا وہ جنت میں میرا ساتھی ہو گا۔

۲ - حضرت سیدنا عمر فاروق رضؓ:

وَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ عَظَّمَ مَوْلِدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَدْ اَحْیَی الْاِسْلَامَ۔

جس نے میلاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی تعظیم کی پس تحقیق اس نے اسلام کو زندہ کیا۔

۳ - حضرت سیدنا عثمان غنی رضؓ

وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ اَنْفَقَ دِرْہَمًا عَلٰی قِرَاءَۃِ مَوْلِدِ النَّبِیِّ ﷺ فَکَاَنَّمَا شَہِدَ غَزْوَۃَ بَدْرٍ وَّحُنَیْنٍ۔

جس نے میلاد پاک کیلئے ایک درھم خرچ کیا گویا کہ وہ غزوہ بدر و حنین میں شریک ہوا۔

۴ - حضرت سیدنا علی رضؓ:

وَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ عَظَّمَ مَوْلِدَ النَّبِیِّ ﷺ وَکَانَ سَبَبًا لِقِرَاءَتِہٖ وَیَخْرُجُ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا بِالْاِیْمَانِ وَیَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

محفل میلاد پاک کا تعظیم و تکریم سے اہتمام کرنے والے کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ اور بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوگا۔

---

۵ - حضرت امام حسن بصری رضؓ:

قَالَ حَسَنُ الْبَصْرِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَدِدْتُّ لَوْ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا
کَانَ لِیْ مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ ذَہَبًا فَاَنْفَقْتُہٗ تو میں اسے بھی میلاد پاک میں خرچ
عَلٰی قِرَاءَۃِ مَوْلِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کر دیتا۔

۶ - حضرت جنید بغدادی رضؓ۔ جس شخص نے میلاد پاک کی تقریب میں قدر و عزت سے حاضری دی۔ عنقریب وہ اپنے ایمان میں کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

۷ - حضرت معروف کرخی رضؓ۔ جس شخص نے میلاد پاک کی تعظیم کے لئے۔ لوگوں کو جمع کیا۔ کھانا کھلایا۔ چراغاں کیا۔ نئے کپڑے زیب تن کیے۔ اور خوشبو لگائی۔ بروز محشر اللہ تعالیٰ اُسے نبیوں کی رفاقت عطا کرے گا۔ اور اس کا مقام اعلیٰ علیین ہوگا۔

۸ - حضرت امام فخر الدین رازی رضؓ: (۱) جو شخص نمک گندم وغیرہ پر میلاد شریف پڑھ کر دم سے دیگر ماکولات میں ملا دے۔ تو اس میں بڑی برکت ہوگی۔ اور یہ اشیاء کھانے والوں کیلئے ذریعہ نجات بنیں گی۔

(۲) اگر شربت پر میلاد پاک پڑھا جائے تو جو کوئی اسے نوش کرے گا اللہ تعالیٰ اس
کا دل ہزار ہا انوار و تجلیات سے منور کرے گا۔ ہزار ہا کھوٹ اور بیماریوں سے دور
کرے گا۔ اور قیامت کے روز اس کا دل مردہ نہیں ہوگا۔

(۳) کچھ درہم و دنانیر (روپے پیسوں) پر میلاد شریف پڑھ کر باقی خزانہ میں
شامل کر دیا جائے۔ تو اس مال و دولت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے
ایسی برکت ہوگی کہ اس کا مالک کبھی تنگدست نہ ہوگا۔

۹۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ = جو شخص محفل میلاد کا اہتمام و انتظام کرے
قال الامام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ یعنی لوگوں کو جمع کرے۔ کھانا تیار کرے۔ اور
جَمَعَ لِمَوْلِدِ النَّبِیِّ ﷺ اِخْوَانًا وَ هَیَّأَ طَعَامًا اچھے کام کرے۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ
وَ اَخْلٰی مَکَانًا وَ عَمِلَ اِحْسَانًا وَ صَارَ سَبَبًا اسے صدیقین صالحین اور شہداء کے
لِقِرَاءَتِہٖ بَعَثَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَعَ الصِّدِّیْقِیْنَ ساتھ جنت الفردوس میں جگہ
وَ الشُّہَدَاءِ وَ الصَّالِحِیْنَ وَ یَکُوْنُ فِیْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ۔ عطا کرے گا۔

۱۵۔ حضرت سری سقطی قدس سرہٗ = جس شخص نے محفل میلاد النبی ﷺ میں
شرکت کا ارادہ کیا۔ گویا کہ اس نے ریاض الجنۃ کا قصد کیا۔ کیونکہ محفل میلاد میں
شرکت کا سبب محبت رسول ہے۔ اور آنحضور کا ارشاد ہے۔ میرے ساتھ محبت
رکھنے والا جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔

(۱۱) = حضرت امام جلال الدین سیوطی رح ۔ (۱) کسی محلہ گھر یا مسجد میں میلاد
مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی تقریب منعقد ہو تو فرشتے اس جگہ کو گھیر لیتے ہیں۔
ان کے مکینوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ فرشتے دعائیں
کرتے ہیں۔ اور میلاد کا اہتمام کرنے والے کے لیے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل
اور عزرائیل دعاگو ہوتے ہیں۔

(۲) جو بھی مسلمان اپنے گھر میں میلاد کرائے اللہ تعالیٰ اہل خانہ کو قحط وباء جلنے
غرق ہونے بلیات و مصائب بغض و حسد، نظر بد۔ چوری ڈاکے سے محفوظ
فرمائے گا۔ اور وفات کے وقت منکر نکیر کے جواب میں آسانی فرمائے گا۔ اور
وہ سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہوگا۔

میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا ارادہ کرنے والے کے لئے اسی قدر کافی ہے اور جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے۔ اگر تمام زمانے میلاد کی مدح میں رطب اللسان ہو تو بھی اس کے دل پر مطلقاً اثر نہ ہوگا۔
دعا ہے مولا تعالیٰ ہمیں میلاد کی قدر و منزلت کی تعظیم کرنے والوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص متبعین اور محبین سے بنائے آمین۔

(حضرت ابن عباس اور ذکر ولادت نبوی)

عَنْ ابن عباس کان یحدث ذات یوم فی بیتہ وقائع ولادتہ لقوم فیستبشرون ویحمدون اذا جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حلّت لکم شفاعتی۔

ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ وہ اپنے مکان میں قوم کے سامنے ولادت نبی کے حالات و واقعات بیان کر رہے تھے۔ اور قوم حضور کی ولادت پر مسرت و حمد کر رہی تھی۔ یکا یک حضور تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہاری شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی۔

نور الحبیب صفحہ ۹۳-۹۸ ربیع الاول
۱۳۹۸ھ فروری ۱۹۷۸ء
۱۶۳/۲۱

۲۶-۰۶-۲۰۰۶

اِسلامی کیلنڈر

حضرت امام جعفر صادق رض کی طرف درج ذیل قاعدہ کو منسوب کیا گیا ہے کہ ہر سال میں رمضان کی پہلی تاریخ اس دن ہوگی جس دن اس سے قبل کے رمضان کی پانچویں تھی ۔ مثلاً ۱۳۳۷ھ میں رمضان کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن اس لئے ہونی چاہئیے کہ ۱۳۳۶ھ میں رمضان کی پانچویں تاریخ ہفتہ کو تھی ۔

ذیل میں ایک نقشہ درج ہے ۔ اس سے ہر ماہ کی پہلی تاریخ باسانی معلوم ہوسکتی ہے ۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس سن کے مہینے کی پہلی تاریخ معلوم کرنا چاہو اس سن کو آٹھ پر تقسیم کرو اس صورت میں ظاہر ہے یا تو کچھ باقی نہ بچےگا بلکہ پوری تقسیم ہو جائے گی اور یا آٹھ سے کم بچیں گے ۔ اگر آٹھ سے کم بچیں تو جس کی پہلی تاریخ معلوم کرنی ہو اس کے مقابل اتنے ہی خانے گن لو ۔ جس خانہ پر باقی ختم ہوگی وہی اس ماہ کی پہلی تاریخ ہوگی ۔ اور اگر کچھ بھی باقی نہ بچے تو اس ماہ کے مقابل پورے آٹھ خانے گن لو ۔ مثلاً ہم کو معلوم کرنا ہے کہ ۱۳۳۷ھ میں رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کب ہوئی تو ہم نے ۱۳۳۷ھ کو آٹھ پر تقسیم کیا ایک باقی بچا جس خانہ میں رمضان المبارک لکھا ہوا ہے ۔ اس کے مقابل پہلے خانہ میں ہفتہ لکھا ہوا ہے ۔ معلوم ہوا کہ ۱۳۳۷ھ میں رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ہفتہ کو تھی اور مثلاً ہم یہ چاہتے ہیں کہ ۱۳۳۶ھ میں شوال کی پہلی تاریخ معلوم کریں تو ۱۳۳۶ھ کو آٹھ پر تقسیم کیا تو کچھ بھی باقی نہ بچا ہم نے ماہ شوال کے مقابل میں آٹھ خانے شمار کئے آٹھویں خانہ میں اتوار لکھا ہوا ہے معلوم ہوا کہ شوال ۱۳۳۶ھ کی پہلی تاریخ کو اتوار کا دن تھا ۔

	محرم	صفر	ربیع ①	ربیع ②	جمادی ①	جمادی ②	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذیقعدہ	ذوالحجہ
۱	پیر	بدھ	جمعرات	ہفتہ	اتوار	منگل	بدھ	جمعہ	ہفتہ	پیر	منگل	جمعرات
۲	جمعہ	اتوار	پیر	بدھ	جمعرات	ہفتہ	اتوار	منگل	بدھ	جمعہ	ہفتہ	سوموار
۳	منگل	جمعرات	جمعہ	اتوار	پیر	بدھ	جمعرات	ہفتہ	اتوار	منگل	بدھ	جمعہ
۴	اتوار	پیر	بدھ	جمعہ	ہفتہ	پیر	منگل	جمعرات	جمعہ	اتوار	پیر	بدھ
۵	جمعرات	ہفتہ	اتوار	منگل	بدھ	جمعہ	ہفتہ	پیر	منگل	جمعرات	جمعہ	اتوار
۶	پیر	منگل	جمعرات	ہفتہ	اتوار	منگل	بدھ	جمعہ	ہفتہ	پیر	منگل	جمعرات
۷	ہفتہ	اتوار	منگل	جمعرات	جمعہ	اتوار	پیر	بدھ	جمعرات	ہفتہ	اتوار	منگل
۸	بدھ	جمعہ	ہفتہ	پیر	منگل	جمعرات	جمعہ	اتوار	منگل	بدھ	جمعرات	ہفتہ

القابِ نبوت

(1) تاجدارِ رسالت۔ شہنشاہِ نبوت۔ مخزنِ جود و سخاوت۔ پیکرِ عظمت و شرافت۔ محبوبِ رب العزت۔ محسنِ انسانیت۔

(2) مدینے کے تاجدار۔ سرکارِ نامدار۔ دو جہاں کے سردار۔ احمدِ مختار۔ حبیبِ پروردگار۔ شفیعِ روزِ شمار۔ امت کے غمخوار۔ نبیوں کے سردار۔ بے کسوں کے مددگار۔ مکی مدنی سردار

(3) تاجدارِ مدینہ۔ راحتِ قلب و سینہ (4) مدینے کے سلطان۔ نبی آخر الزمان۔ محبوبِ رحمٰن۔ شفیق مہربان۔ رحمۃ للعالمین۔ شفیع المذنبین۔ جد الحسن والحسین۔ امام المرسلین۔ سرورِ کونین۔

(5) پیارے آقا۔ احمدِ مجتبیٰ۔ محمد مصطفیٰ۔ شبِ اسریٰ کے دولہا۔ شافعِ روزِ جزا۔ سلطان الانبیاء۔ محبوبِ کبریا

(6) رحمتِ عالم۔ نورِ مجسم۔ نبیِ کریم۔ رؤف رحیم

خطبات میلاد

نمبر شمار	جمعہ	ماہ	مضامین
1	1	محرم الحرام	واقعہ کربلا
	2	〃 〃 〃	شہادت امام ؑ
	3	〃 〃 〃	آداب نبوی ؐ
	4	〃 〃 〃	شام کربلا
2	1	صفر	سلطنت نبوی ؐ
	2	〃 〃 〃	کلمہ طیب
	3	〃 〃 〃	حقوق والدین
	4	〃 〃 〃	اطاعت محمد ؐ
	5	〃 〃 〃	معجزات نبی ؐ
3	1	ربیع الاول	بشارت انبیاء ؑ
	2	〃 〃 〃	ولادت رسول ؐ
	3	حلیمہ سعدیہ	حلیمہ سعدیہ ؓ
	4	〃 〃 〃	جامعیت کبریٰ ؐ
4	1	ربیع الثانی	رسول مقبول ؐ
	2	〃 〃 〃	شفاعت کبریٰ ؐ
	3	〃 〃 〃	محمد کا نور ؐ
	4	〃 〃 〃	حکایات درود سلام
	5	〃 〃 〃	محمد کا ذکر ؐ
5	1	جمادی الاول	شان رسالت ؐ
	2	〃 〃 〃	مقام مصطفیٰ ؐ
	3	〃 〃 〃	کمالات مصطفیٰ ؐ
	4	〃 〃 〃	سیرت طیبہ ؐ
	5	〃 〃 〃	〃 〃 〃

نمبر شمار	جمعہ	ماہ	مضامین
6	1	جمادی الآخر	خصائص نبی اکرم ؐ
	2	〃 〃 〃	شان مصطفیٰ ؐ
	3	〃 〃 〃	امام الرسل ؐ
	4	〃 〃 〃	شفاء الامراض
	5	〃 〃 〃	دعائے ابراہیم ؑ
7	1	رجب المرجب	اللہ کا احسان ؐ
	2		غمخوار آقا رسول ؐ
	3	〃 〃 〃	صاحب کوثر ؐ
	4	〃 〃 〃	معراج نبی اکرم ؐ
8	1	شعبان	محبت نبی اکرم ؐ
	2	〃 〃 〃	مدینۃ الرسول ؐ
	3	〃 〃 〃	شب برات
	4	〃 〃 〃	ہجرت نبوی ؐ
	5	〃 〃 〃	درود شریف ؐ
9	1	رمضان	آمد ماہ صیام
	2	〃 〃 〃	مخدومہ کائنات ؓ
	3	〃 〃 〃	داماد مصطفیٰ ؐ
	4	〃 〃 〃	عظمت قرآن مجید
	5	〃 〃 〃	شب قدر
10	1	شوال	عید الفطر کا یوم
	2	〃 〃 〃	شان صحابہ کرام ؓ
	3	〃 〃 〃	تاجدار صداقت ؓ
	4	〃 〃 〃	تاجدار عدالت ؓ

نمبر شمار	جمعہ	ماہ	مضامین
11	1	ذیقعدہ	عثمان غنی رضؓ
	2	〃 〃 〃	حضرت بلال رضؓ
	3	〃 〃 〃	حب رحمۃ للعالمین ؐ
	4	〃 〃 〃	دستگیر دو جہاں ؐ
	5	〃 〃 〃	عظمت مصطفےٰ ؐ
12	1	ذوالحجہ	اسوۂ حسنہ نبی ؐ
	2	〃 〃 〃	معجزات نبی ؐ
	3	〃 〃 〃	عشق مصطفےٰ ؐ
	4	〃 〃 〃	اہل بیت نبی ؐ
1	1	محرم الحرام	واقعات کربلا
	2	〃 〃 〃	شہادت حسین ؓ
	3	〃 〃 〃	ذکر الٰہی ج
	4	〃 〃 〃	کمال نسبت رح
2	1	صفر المظفر	حیات اولیاء رح
	2	〃 〃 〃	سید عبد القادر جیلانی رح
	3	〃 〃 〃	شان اولیاء رح
	4	〃 〃 〃	عظمت اولیائے کرام رح
3	1	ربیع الاول	میلاد النبی ؐ
4	2	ربیع الاول	حلیمہ کا مہمان ؐ
	3	〃 〃 〃	رحمت دو عالم ؐ
	4	〃 〃 〃	میلاد شریف ؐ
	5	〃 〃 〃	نعمت عظمیٰ ؐ
4	1	ربیع الثانی	شہنشاہ دو عالم ؐ
4	2	ربیع الثانی	شفیع اعظم ؐ
	3	〃 〃 〃	جمال مصطفےٰ ؐ
	4	〃 〃 〃	جسمانِ نبوی ؐ
	5	〃 〃 〃	دہن مبارک ؐ
5	1	جمادی الاول	زلف رسول ؐ
	2	〃 〃 〃	خوشبو بہترین ؐ
	3	〃 〃 〃	خلق عظیم ؐ
	4	〃 〃 〃	نبوت و رسالت ؐ
6	1	جمادی الثانی	نعت شریف ؐ
	2	〃 〃 〃	دعائے خلیل ؐ
	3	〃 〃 〃	رحمت نبی ؐ
7	1	رجب	شان صداقت ؐ
	2	〃 〃 〃	شان سخاوت ؐ
	3	〃 〃 〃	معراج النبی ؐ
8	1	شعبان	شان شجاعت
	2	〃 〃 〃	خوف خدا
	3	〃 〃 〃	انصاف نبی ؐ
	4	〃 〃 〃	اشرف محمد ؐ
9	1	رمضان	مخدومہ کائنات رضؓ
	2	〃 〃 〃	حقوق والدین
	3	〃 〃 〃	مغفرت مسلمان
	4	〃 〃 〃	کلمہ شریف
10	1	شوال	تاجدار مصر ؐ

نمبر شمار	جمعہ	ماہ	مضامین	نمبر شمار	جمعہ	ماہ	مضامین
10	2	شوال	الفراق یوسفؑ				
	3	〃 〃 〃	منزل رضا				
	4	〃 〃 〃	آزمائش ؑ				
11	1	ذیقعدہ	حسن وجمال				
	2	〃 〃 〃	زندان ؑ				
	3	〃 〃 〃	رہائی ؑ				
	4	〃 〃 〃	تخت شاہی				
12	1	ذوالحجہ	قحط مصر				
	2	〃 〃 〃	جود وسخا				
	3	〃 〃 〃	خوشبو یوسفؑ				
	4	〃 〃 〃	وصال ؑ				
1	1	محرم الحرام	مسلم بن عقیلؑ				
	2	〃 〃 〃	مزاح النبیﷺ				
	3	〃 〃 〃	امام حسینؑ				
	4	〃 〃 〃	شہادت				
2	1	صفر	کرامات صحابہؓ				
	2	〃 〃 〃	کرامات اولیاءؒ				
	3	〃 〃 〃	سیدنا اویسؓ				
	4	〃 〃 〃					

مقامِ تصویر

$\frac{8}{2922}$

5601

1. کالج فوٹوز پاکپتن شریف
2. الحمرا فوٹوز سٹول بازار گگو

یاالہی پریشانیاں مالکا دور کردے تیری شان ذی شان دا واسطہ ای
انگل نال جس چن دو کیتا اس ماہ تابان دا واسطہ ای
تتی ریت تے پڑھدا جو رہیا کلمہ اوہدے کلمہ ترنان دا واسطہ ای
آخری وار جو دتی بلال حبشی اس آذان دا واسطہ ای
جس جگہ تے حسین دی لاش تڑپی اس کربل میدان دا واسطہ ای
جتھے علی اصغر تے علی اکبر دا خون گیا اس تھاں دا واسطہ ای
جس نیزے تے چڑھ قرآن پڑھیا اس قاری قرآن دا واسطہ ای
جس چٹھی نال چلایا دریائے نیل اوہدے شاہی فرمان دا واسطہ ای
جس قاتل نوں شربت پلا دتا اس شاہ مردان دا واسطہ ای
روندا رہیا جتھے محبوب تیرا اوہناں ڈونگیاں غاراں دا واسطہ ای
جہڑے کیتے سن عرش تے اوہناں قولاں اقراراں دا واسطہ ای
جہڑے پئے شبیر دے گلے اندر اوہناں تیراں دے ہاراں دا واسطہ ای
زین العابدین جو پہنی بیڑیاں اوہناں ہاراں دا واسطہ ای
ہو کے قید جو گئیاں شام ولے اوہناں قطاراں دا واسطہ ای
تمام مسلماناں تے رحمت فرما دے محبوب دے یاراں دا واسطہ ای
جس شہر اندر محبوب ٹریا اوہناں گلیاں بازاراں دا واسطہ ای

(1) اے خدا اپنا تو ذات کبریا کے واسطے رحم کر ہم پہ محمد مصطفیٰ کے واسطے
(2) قیامت کے دن محبوب کا دیدار ہو ۔ صدیق اکبر باصفا کے واسطے
(3) روز محشر پل صراط پہ ثابت قدم رکھنا ۔ فاروق اعظم بے ریا کے واسطے
(4) گنہگاروں [illegible] رحمت کا سایہ ملے ۔ عثمان غنی ذوالحیا کے واسطے
(5) مومن کو [illegible] ۔ علی شیر خدا کے واسطے
(6) [illegible] ۔ امام حسین شہید کربلا کے واسطے
(7) یاالہی [illegible] ۔ غوث اعظم اولیاء کے واسطے

Molana Muhammad Abbas Nazami

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں عشقِ محمدؐ سے اجالا کر دے (اقبال)

بخدمت جناب حضرت علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری قادری مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف۔

Date

مالک کاپی

مولانا محمد عباس نظامی چک نمبر 365 ای۔بی گگو وہاڑی

Molana Muhammad
Abbas Nazami

یا خدا کر رحم ذاتِ کبریا کے واسطے ۔ عاجزوں پر کر کرم خیر الوریٰ کے واسطے

فضل کر ہم پر بحق آل و اصحاب الخصوص

مرتضیٰ و فاطمہ خیر النساء کے واسطے

رؤیت اللہ کی ہو حاصل ہر شے میں مجھے

امام حسین شہید کربلا کے واسطے

شوق اپنا دے حضرات اللہ خیر بخش

خاندانِ فاضل و غوث العلا کے واسطے

ڈاکٹر نذیر احمد 163/9L

0301-4193761

سید جعفر شاہ

چک نمبر 111

ناظم صلوٰۃ

غلام مصطفیٰ

دفتر ماہنامہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں
ضلع سیالکوٹ
ابوالنور محمد بشیر الحمد کو ملے ۔
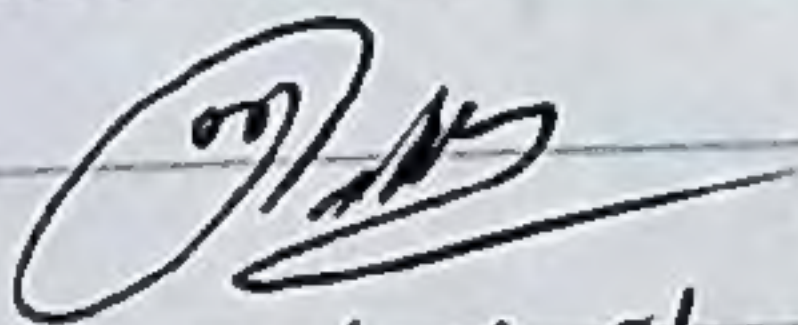
اے خدا میری قبر میں پریشانی کو دور فرما۔ صدقہ قرآن مجید کے وسیلے اور برکت سے مجھ پر رحم فرما۔ صدقہ قرآن مجید کو میرے لئے پیشوا امیڈ نور اور سبب ہدایت فرما۔ اور رات دن اس کی تلاوت نصیب فرما۔ صدقہ ہدایت کے دن اس کو ہمارے لئے وکیل بنا۔ اور درس شریعت کے وسیلے سے میری دعا قبول منظور کر لے۔

[signature]

14.6.04

بک سیلرز سٹیشنرز
اینڈ جنرل مرچنٹس
نیو ولایت
دی ہٹی
32783